1577

سفر

از

گلشن پرشاد شاد



ہز اکسلنسی راجہ راجایان سر کشن پرشاد مہاراجہ بہادر یمین السلطنت جی۔سی۔آئی۔ای شاد پیشکار آصفجاہی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ھو الکل — یا معین

تمہید

دنیا کے بہترین اصولوں میں سے جو اصول بنی نوع انسان نے تسلیم کر لئے ہیں اور جن کی ہدایت اور ضرورت کو دنیا نے تہہ دل سے مان لیا ہے اُن میں سفر بھی ایک ایسا پاکیزہ اصول ہے جس کی خوبی سے غور بین نگاہیں پورے طریقے پر واقف ہیں ۔

نہیں ؟ بلکہ سفر اُن اصولوں میں سے ہے جن کو انسان نے اس کرۂ ارضی پر آنے کے بعد اپنے افعال میں سے بلا ارادہ اضطراری حالت میں ظاہر کیا ہے اور یہی وہ عمل ہے جسکے اظہار کے بغیر بقائے نسلِ انسان ناممکن تھی اس حالت اور نوعیت کے سمجھنے کے واسطے ہمیں اپنی خیالی قوت سے کام لینا چاہئے اور اپنے متخیلہ میں دنیا کے اس ابتدائی نقش یا فوٹو کو

کھینچنا چاہیے جو اس عالمِ عنصری کی ترتیب اور سلسلے سے متعلق ہے اُن عناصرِ ترکیبی کے اس نتیجے کو اپنا نصب العین بنانا چاہیے۔ جو مسئلہ ارتقاء میں ڈارون تھیوری کے نام سے موسوم ہے اور نیز اکثر مؤرخین اور محققین کی آراء کا نتیجہ ہے۔

اگر ہم سلسلۂ ترتیب کے اُس حصے کو جو (موجودات عالم کے طریقۂ نشو و نما سے تعلق رکھتا ہے) نظر انداز کر دیں گے تو بھی ہمیں یہ امر صاف صاف معلوم ہو جائیگا کہ بانیٔ نسل انسان جس کی ذات کو لفظِ آدم سے تعبیر کیا گیا ہے اس وسیع مگر غیر آباد اور سنسان کرۂ ارضی پر تنہا پھر رہا ہے لیکن اس مشاہدۂ قلبی کے بعد ہماری قوتِ متخیلہ ایک اور مجسمہ کو ہمارے سامنے پیش کر دیتی ہے۔ جو اس تنہا انسان کی مونس تنہائی اور وجہِ وجودِ نسلِ انسانی ہونے کے علاوہ مشیر ہونیکی حیثیت بھی رکھتی ہے چونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کسی قدر اختلافِ صوری کے ساتھ جنسیت میں برابر کی شریک ہے۔

پس جب ہم ان دونوں انسانوں کو اُن وسیع اور سنسان جنگلوں میں چکر لگاتے ہوئے دیکھتے ہیں جہاں کہ ان کے لئے موجودہ اسباب معاشرت و تمدن میں سے کسی ایک سبب کا وجود بھی نظر نہیں آتا۔ تو انسانی فطرت اُن اسباب اور وسائل کی متلاشی ہوتی ہے۔ جن کی برکت سے

نسلِ انسان کے بانی کا وجود باقی رہا ہے اور نہایت بے چینی سے اُن افعال کے ہر ہر پہلو پر نظر ڈالتی ہے جو اس برگزیدہ انسان سے ظاہر ہوئے جن کے وقوع کے بعد خالقِ عالم کی غرض اور غایت پوری ہو سکی۔

اس غور و فکر میں یکایک ہماری نظر اُس پاک انسان کے اُس عمل پر پڑ جاتی ہے جو اُس نے اپنی اُس خواہش اور بے چینی سے مجبور ہو کر اپنے مقام سے حرکت کی (جسکو آج دنیا میں لفظِ بھوک سے تعبیر کیا جاتا ہے) اور قریب سے قریب جس مقام پر اُس کو اپنی خواہش اور بے چینی کے رفع کرنے کے لئے اسباب فراہم ہو سکے اپنی بے چینی کو رفع کیا اور برابر یہی عمل اُس کی رفعِ احتیاج اور بقاءِ زندگی اور ترقی معاشرت کا ذریعہ رہا۔

اِن واقعات پر سرسری نظر ڈالنے سے بھی یہ امر صاف طریقے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ بانئ نسلِ انسان کے بے اختیارانہ افعال میں سے جو سب سے پہلا فعل ظاہر ہوا وہ نقلِ مقامی تھی۔

نقلِ مقام از مقام ایک قدم اس طرف سے اُس طرف ہٹ جانکو بھی کہیں گے لیکن ایک معیّنہ مقدار سے زاید منتقل ہونے کا نام سفر رکھا گیا ہے یہ معیّنہ مقدار کسی قدر کمی اور بیشی کے ساتھ عقلاءِ زمانہ نے معیّن کی ہے جس میں سے ہر ایک تعداد (۳۰) میل کے اندر ہی اندر رہے۔

پس اس قدر قلیل فاصلہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب ہم بانئ نسلِ انسان کی

روزانہ زندگی پر نظر ڈالتے ہیں اور واقعات کے اُس سلسلہ کو جو اُس برگزیدہ انسان کی زندگی سے وابستہ ہیں غور اور تأمل کی نظر سے دیکھتے ہیں تو ہمیں یہ امر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اُس بزرگ ذات نے اپنی تمام عمر سفر میں ہی ختم کی ہے اور بیشک اگر وہ ایسا نہ کرتا تو تمدن عالم کا شیرازہ منسلک نہ ہوتا اور آج دنیا موجودہ نظامِ تمدن پر منتظم نہ ہوتی۔

چنانچہ جب ہمارا رہنمائے خیال ہم کو موجودہ دنیاوی شکل سے کچھ اور ہی حالات دکھاتا ہے تو مسئلۂ ارتقاء کے قریب قریب نصف حصے کو نظر انداز کر کے ہم دنیا کے اُس منظر کو دیکھتے ہیں جہاں کہ نسلِ انسان ساعت بساعت ترقی کرتی ہوئی نظر آتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ بنی آدم اپنے بزرگ باپ کی ہدایت اور رہنمائی پر دُنیا کے مختلف حصص میں پہنچتے جاتے ہیں یا یوں کہو کہ ضروریات داعیۂ انسانی اس امر کی محرک ہو رہی ہیں کہ وہ آہستہ آہستہ ہر خشک و تر مقام پر نظر آتے جاتے ہیں اور سبزہ زار و شاداب مقامات میں بطیبِ خاطر اور دیگر خشک و ناہموار مقامات میں اتفاقات پیش آنیکی وجہ سے مقیم اور مسکن گزین ہوتے جاتے ہیں اس سلسلۂ ترتیب نے اس حد تک ترقی کی کہ آج دنیا کے ہر حصے میں آبادی ہو گئی ہے اور لاکھوں انسان اپنے مقبوضات کی ترقی اور اضافے کی کوشش میں اپنے بھائیوں کی جانیں نہایت بیدردی سے لے لیتے ہیں۔

غرض متذکرہ بالا حالات کو دیکھتے ہوئے ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ اُصول سفر کو ترجیح دینا مُبالغہ نہیں بلکہ واجبی ہے اور اسی کے تہہ میں تمدن عالم کے راز سربستہ ہیں اور اسی سے تبادلۂ خیالات باہمی ہوتا ہے اور اسی کی بدولت علوم و فنون کی اشاعت ہوتی ہے اسی کی پابندی سے اخلاق اور معاشرت میں ایک حیرت انگیز ترقی ہوتی ہے ۔

جغرافیائی تحقیقات اور مساحتی علم کا عمل اسی کے پابند ہونے کے بعد ہو سکا ۔

غرض یہ ہے کہ جس قدر غور کرتے جائیے گا ترقی و توسیع تمدن اور علوم و فنون کی اشاعت ایسے ہی اُستوار اُصول پر مبنی ہوگی ۔

جہانتک میں سمجھ سکا ہوں دنیا کی مشین کے ہر چھوٹے بڑے پُرزے کی ترقی اور تکمیل اسی اُصول کی پابندی کے بعد ہو سکی ہے ۔

تاریخ عالم اس پر شاہد ہے کہ جملہ اقوام کی ترقی و تنزل کے رازہائے سربستہ اسی کے ساتھ وابستہ ہیں ۔

دنیا کے مشہور و معروف فاتحین کی لائفیں اس کی شہادت کے لئے بزبانِ حال پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ اے اہلِ دنیا خوش نصیب بیدار و ہوشیار ہیں وہ اقوام جنھوں نے اپنی عاداتِ محمودہ اور خصائلِ ستودہ میں سفر کو بھی داخل کر لیا ہے اور بد نصیب ہیں وہ قومیں جنھوں نے

گوشہ نشینی اور عزلت گزینی کو ترقی و تکمیل اسباب دنیاوی کا باعث قرار دے لیا ہے۔

اے برادرانِ وطن تمھاری یہ حالت ابتدائے آفرینش عالم سے چلی آرہی ہے اور برابر اسی حالت میں چلے جا رہے ہو۔ غور کرکے تم اپنی ابتدا اور انتہا پر نظر ڈالوگے تو تمھیں معلوم ہو جائیگا کہ ابتدا سے تم کہاں سے کہاں سفر کرتے ہوئے آئے اور اپنے فرائض کو ادا کرنے کی مُہلت پاکر پھر کہاں سے کہاں سفر کروگے۔

اگر تم اپنے ہندوستان کی تاریخ کو دیگر ممالک کی تاریخ سے مقابلہ کروگے تو تمھیں صاف صاف اپنے چہرے کے داغ نظر آجائیں گے۔ یہ بھی تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ تمھارے اکثر ابنائے وطن میں عموماً سفر سے حذر کرنے کا مرض جاری اور ساری رہا ہے اور باوجود مال و دولت اور بے پایاں ثروت کے تم ایک محدود خیالات کی چار دیواری میں اپنی زندگی بسر کرنے کو غنیمت سمجھ رہے ہو اور پھر ایک خاص وجہ سے کہ آج کے روز تم مجبور اور مفتوح اور معذور سمجھے جاتے ہو۔

ہندوستان کی ابتدائی تاریخ سے لیکر آج تک صرف ایک قوم (جین) کی مثال ملے گی جس میں یہ عادت جاری تھی اُسی کو تم دیکھوگے کہ وہ اُن اقوام میں شمار کی گئی تھی جو آزادی کی شیدا تھیں اور فریڈم اُس کا ماٹو ہے

غرض جسقدر نظرِ غایر سے دیکھتے جائیے گا اُسیقدر یہ معاملہ زیادہ صاف ہوتا جائے گا اور آپ کے آئینہ دل پر اس پاکیزہ اُصول کا گہرا نقش جمتا جائے گا اور آپ صاف صاف سمجھ جائیں گے کہ سکندر اعظم کو جو معراج کمال اسبابِ عالم میں حاصل ہوئی وہ تعلق کسی جادو یا نقش سے نہیں ہے۔ ہرقل بادشاہ کی کامیابیوں اور ترقی کی کنجی کوئی اسم اعظم یا منتر نہ تھا۔

یونانیوں نے جو فتوحات کا سلسلہ جاری کر دیا اُن کے پاس کوئی بھانامتی نہ تھی سلطنتِ رُوما کی شہرت اور اس کا اقتدار کسی بزرگ کی دعا کے زیرِ اثر نہ تھا مسلمانوں کی عالمگیر فتوحات کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ اور اُن کی غیر معمولی شجاعت کے ڈنکے کسی معجزے یا آیتِ قرآنی کی تلاوت سے تعلق نہ رکھتے تھے۔ نیپولین کی اَن تھک کوششیں اور نمایاں کامیابیاں صلیبی نشان کے اثر سے نہ تھیں۔ افغانی اور مغلیہ سلاطین کی فتوحات کا سلسلہ سوائے اس خصلت کی برکت کے اور کسی وجہ سے نہ تھا۔ راجپوتوں کے بہادرانہ کارنامے جو ہمیشہ دوست دشمن سب کے دلوں میں نقش کالحجر ہو کر اپنا اثر دکھا رہے ہیں وہ صرف اگاتری کے منتر یا ہَوَن کے مسلمہ اثر کا نتیجہ نہ تھے۔ موجودہ اقوام کی ترقی کا راز بھی اسی خصلت کی تہہ میں نظر آرہا ہے اور دنیا میں آئندہ جس قدر انقلابات

آنے والے ہیں اور جو جو اقوام ترقی اور تنزل کے خوشگوار اور بھیانک
چہروں کو دیکھیں گی وہ سب اسی مفید مدعا کے تارک ہونیکا نتیجہ ہوگا۔
اے برادرانِ وطن؟ سوچو اور سمجھو۔ دنیا کی تجارت، زراعت، صنعت
حرفت، علوم کی تحقیقات، معدنیات کی معلومات، دنیاوی آبادی کی
تحقیق، جغرافیائی تکمیل، علم نباتاتِ طبّی، معلومات میں اضافہ، معاشرتی
اور تمدنی طریقے یہ سب کس طرح مکمل ہوسکتے ہیں جب کہ ہم اپنے
مکانات کی چہار دیواری ہی میں بیٹھے رہیں گے۔ کوئی غیبی فرشتہ سکھانے
نہ آئیگا کوئی آواز ہماری تلقین نہ کرے گی پس جب کہ نقل وحرکت بھی
نہ کریں گے اور کوئی امداد متذکرہ بالا طریقوں سے بھی نہ ملے گی تو جو کچھ
ہمارا حشر ہوگا وہ بھی ظاہر ہے۔

ممکن ہے کہ ہماری یہ عادت ہمیں آہستہ آہستہ قعرِ ذلّت کے اُس درجے تک
پہنچادے کہ دیگر اقوام ہمارے وجود سے وحشی جانوروں کے سے کام لیں
اور ہمیں مجبور ہو کر اُسکی تعمیل کرنی پڑے۔

اس موقع پر معترض یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ ہمارا نقل وحرکت نہ کرنا
ہمیں اس وجہ سے زیادہ نقصان نہ پہنچا سکے گا کہ آئے دن ہندوستان میں
دیگر ممالک کے باشندے آتے جاتے رہتے ہیں اور اس آمد ورفت کی وجہ سے
ہم اُن کی معاشرت اور طرز زندگی کو اپنے لئے نمونہ بنا سکتے ہیں۔

اور چونکہ آئے دن ہمارے ملک میں دیگر حصص دنیا کے اختراعات آتے رہتے ہیں انہیں دیکھ دیکھکر ہماری معلومات میں اچھا خاصہ اضافہ ہوتا رہتا ہے لیکن میں اس کے جواب میں صرف اسقدر کہدینا کافی سمجھتا ہوں کہ کسی قوم کا اس عادت کا تارک ہونا ہی دلیلِ ادبار اور بربادی کا پیش خیمہ ہے اور اس پاکیزہ خصلت کے عادی ہونے کے بجائے پہلو تہی کرنا باعثِ ازدیادِ ذلت و نکبت ہے۔

چونکہ قوم۔ یا ملک اِس عادت کے ترک سے اُن خراب عادات کا خوگر ہو جاتا ہے جو کاہلی عیش پسندی خود بینی وغیرہ وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیے جاتے ہیں یا اور آہستہ آہستہ یہ عادت اپنا اس قدر گہرا اثر پیدا کرلیتی ہے کہ فطرتِ انسانی میں یا داخل ہوجاتی ہے اور طبیعتِ ثانیہ بن جاتی ہے اور نیز صنایع اور اختراعات کی کُنہ اور حقیقت سے اس قدر جہل پیدا ہو جاتا ہے کہ باوجود استعمال کے اُس کی حالت سے واقفیت نہیں ہو سکتی اور صرف اسی قدر نسبت رہ جاتی ہے جو چوپاؤں کو اپنے ساز و سامان سے ہوتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سفر اُن پاکیزہ اُصولوں میں کا ایک اعلیٰ ترین اُصول ہے جو انسان کے افعال سے ظاہر ہوئے ہیں۔

اگر آپ سوچیں گے تو بیشک آپ اس امر کو مانے بغیر نہیں رہ سکتے کہ دنیا کی مشین کی ترقی کا دار و مدار اسی اُصول پر مبنی ہے اور یہ تمام مشنری اسی کی

برکت سے چل رہی ہے۔

وہ پہلا انسان جس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں جو انسانی نسل کا وجہ وجود تھا۔ اگر اس اصول کا پابند نہ ہوتا تو خدا کے منشاء پیدایش کی بھی تکمیل نہ ہوتی اور یہ تمام دنیا جو آج اس ترتیب مناسب سے آباد ہے۔ ہرگز ہرگز آباد نہ ہوتی بلکہ بجائے اس کے ایک مسلسل مگر غیر منظم سلسلہ آبادی کا قائم ہو جاتا اور اس طرح کے نظام تمدن سے جو دشواریاں اور دقتیں واقع ہوتیں۔ وہ ماہران رموز تمدن سے پوشیدہ نہیں ہیں چنانچہ جب خدا کا وہ پیارا بندہ اس فرش ارضی و جبلی پر آیا اور اپنی تنہائی کا مونس بھی اپنے ہمراہ دیکھا تو نہایت خوشی اور انبساط کے ساتھ اپنے خالق خدا کی بارگاہ میں اُن الفاظ میں شکریہ ادا کیا جو اُس کو اُس کے رب اور خالق کی طرف سے سکھائے گئے تھے جس کو خلاقِ عالم نے قرآن جیسے پاک اور مقدس صحیفے میں فتلقّٰی آدمُ مِن ربّہٖ کلمات کے بلیغ جملے میں ظاہر فرمایا ہے اور اس پاک نفس انسان نے اپنے فرایض منصبی کی انجام دہی میں پوری سرگرمی کا اظہار کرنا شروع کیا اور مختلف حصص میں چکر لگا لگا کے دنیا کی آبادی کی بناء ڈالی اور علّم الآدم الاسماء کے ماتحت علم سے کام لیتے ہوئے نظام عالم کو درست و اُستوار کیا۔

اور برگزیدہ نفس نے اپنی پیاری اولاد کو اپنے اقوال اور افعال سے

اس امر کو بتا دیا کہ تم خدا کی منشاء اور غرضِ پیدائش کو اُس وقت تک پورا نہ کر سکو گے جب تک کہ اپنے افعال میں نقلِ مقام از مقام کو داخل نہ کر لو گے چنانچہ اولادِ آدم نے اپنے باپ کے احکام کی تعمیل کی اور دنیا کے مختلف حصص میں منتشر ہو گئے اور دنیا کو موجودہ نظام تمدن تک پہنچا دیا اور نہ فقط ایک نقل و حرکت ہی پر اکتفا کی بلکہ آئے دن کے سفروں کی بھرمار سے معاشرتی اصلاحیں کرتے رہے اور ہمیشہ مختلف ضروریات محسوس ہونے پر مختلف قوانین زندگی قائم کرتے رہے

بہر حال یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں اور جس قدر معاشرتی ترقی آپ کے پیش نظر ہے نہیں بلکہ آپ کے طرز عمل میں روزانہ زندگی سے وابستہ ہے جبقدر علوم اور فنون تکمیل انسانی کے لئے دنیا میں موجود ہیں جو جو صنعتی ترقیاں آپ کو نظر آرہی ہیں یہ سب اُس پاکیزہ متبرک خصلت کی ہی برکت کا نتیجہ ہے جس کو عرفِ عالم میں لفظ سفر سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔

اور ہمیشہ اس امر کا یقین اپنے ذہن میں رکھئے کہ اسی خصلت پر تمام ترقی اور تنزل کا دارو مدار ہے ۔

پس جب یہ امر روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے اور اپنے اپنے متخیلہ میں نبی نوع انسان اس مسئلے کی اہمیت کو تسلیم کر چکے ہیں تو کون ایسا شخص ہو گا جو اپنی بہبودی اور ترقی کا خواہشمند ہونے کے باوجود اس پاکیزہ خصلت کا

عادی نہ ہونا چاہیے گا چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے برادرانِ خبسی اس خصلت کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں اور اس کے خوگر ہو چکے ہیں اور ہر لحظہ اس پاکیزہ خصلت کی برکات سے مستفیض اور مستفید ہو رہی ہیں

دنیاوی ترقی کا تعلق جسقدر اس اُصول سے ہے اُس میں سے کسیقدر بمصداقِ مشتے نمونہ از خروارے میں نے گزارش کیا ہے اس کے بعد مختصراً میں اس مسئلے کے دوسرے پہلو پر بھی روشنی ڈالنا چاہتا ہوں اور یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ مذاہبِ عالم کے شیوع اور نشر کا دارومدار بھی اسی اُصول کی پابندی سے ہوسکا اور اس کے بغیر بالکل ناممکن تھا کہ دنیا میں موجودہ تعلیم مذاہب جاری ہوسکتی۔

تھوڑے سے تامل اور غور کے بعد ہر صاحبِ عقل اس حالت کا احساس کرسکتا ہے کہ بانیانِ مذاہب نے جو تعلیمیں اپنے اپنے مقام یا مسکن پر ظاہر کی تھیں وہ بغیر نقل و حرکت کے تمام دنیا میں کس طرح پہنچ سکتی تھیں۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بانیانِ مذاہب نے خود چکر لگائے اپنے اپنے نائب بھیجے اور اپنی تعلیم کو بنی نوعِ انسان میں تا امکان پہنچایا اور اسطرح اپنے فرائض کی انجام دہی سے سُبکدوش ہوئے۔

نیز وہ لوگ جو معرفتِ خداوندی کے پیاسے تھے دور و دراز سفر طے کرکے تعلیمات کے شیریں چشموں تک آئے اور ہادیانِ مذاہب کی خدمات میں

پہنچکر اپنی تشنہ کامی کو پند و نصائح کے آبِ شیرین سے بجھایا اور برابر ابتک یہی سلسلہ دنیا میں جاری ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ مذاہبِ عالم کے مشنری دنیا کے ہر گوشہ میں چکر لگاتے ہیں اور تا امکان اپنے حلقۂ اثر کی وسعت میں اضافہ کرتے رہتے ہیں جس طرح علوم و فنون کے پیاسے ممالک دور و دراز میں جاکر اپنی خشک کھیتی کو سیراب کرتے ہیں اسی طرح اہلِ حاجت اپنی اپنی احتیاج کو دنیا کے ہر گوشے میں پہنچکر پورا کرتے ہیں۔

پس ان مثالوں کو دیکھنے کے بعد ہمارے دل میں بھی تحریک پیدا ہوئی اور ہمارا مردہ دل بھی اس کا خواہشمند ہوتا ہے کہ اپنے ابناء جنس کی تاسی کرکے دنیا کی سیر و سیاحت کریں اور اس کے نتیجے میں اپنی تحقیقات اور معلومات میں اضافہ اور قدرت کی کارسازیاں دیکھ دیکھ کر اپنے دل و دماغ کو روشن اور منور کرتے ہیں۔

چنانچہ اس اصول کی پابندی کو فرضِ انسانی خیال کرکے مجھے پابند علائق و ضوابطِ سلطنتِ مشرقیہ اور مبتلائے افکار اپنی موجودہ مختصر عمر میں چند مرتبہ اپنے ملک کے مختلف حصص میں چکر لگا چکا ہے۔

لیکن باوجود اس کے میرا بچپن دل ہمیشہ اپنے خاموش تازیانے سے اُن ناممکن البیان لذات کے حاصل کرنے کے لئے آمادہ کرتا رہتا ہے

جو اثناء سفر میں عجائباتِ عالم اور پُر اسرار مناظر کے دیکھنے سے حاصل ہوا کرتا ہے
چنانچہ باوجود سخت روک تھام کے بھی میرے بےچین اور چلبلے دل نے
کسی طرح پہلو میں قرار نہ پایا اور آخر مجھے اُس دربار کی حاضری کے لئے
آمادہ کر دیا۔ جس کی آستانہ بوسی کو دنیا کے بادشاہوں نے فخر سمجھا ہے
اور اب تک سمجھ رہے ہیں اور میرے روشن اور رسا طالع نے مجھے اُس
عزّت اور افتخار سے ممتاز کیا جس کی تمنا میرے آخری تارِ نفس تک میرے
دل میں رہے گی۔

وہ دربار کس کا دربار دُربار ہے۔ جو عالم ظاہر و باطن کا سردار۔ ہمارا
ہادی۔ ہمارا مولی۔ ہمارا آقا۔ خواجۂ خواجگان سلطان الہند غریب نواز
حضرتِ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے نامِ نامی سے
موسوم ہے جنکی نسبت کسی نے خوب کہا ہے ؎

اپنا اللہ میاں نے ہند میں نام	رکھ لیا خواجۂ غریب نواز

اس کے علاوہ کئی ہفتے سے میری طبیعت بوجہ افکاراتِ خانگی اور
آئے دن کی نت نئی پریشانیوں کے کسی قدر حدِ اعتدال سے متجاوز
ہوگئی تھی جس کے باعث ڈاکٹروں اور اطباءِ یونانی کی رائے ہوئی کہ میں
ضرور تبدیلِ آب و ہوا کروں اس لئے مجھے اپنی دلی خواہش کو پورا کرنا پڑا۔
پیشگاہِ اعلیٰحضرت مدظلہ العالی میں دو ہفتے کے واسطے بمبئی اور اورنگ آباد

جاکر واپس آنیکی اجازت کے لئے معروضہ پیش کیا۔ جو بفضلہ تعالیٰ میرے حسب خواہش رخصت ملی۔ اور بالآخر مجھے اُس بیچینی اور خواہش دل کو پورا کرنا ہی پڑا۔

چنانچہ ۷ جنوری ۱۹۱۶ء مطابق یکم ربیع الاول ۱۳۳۴ھ ۲۴ اسفندار ۱۳۲۵ ف کو جمعہ اور شنبہ کی درمیانی شب میں ۹½ بجے کی ٹرین پر میں معہ ضروری اسٹاف و جملہ اہل و عیال کے اپنی پژمردہ طبیعت میں شگفتگی کی تازہ روح پیدا کرنے کے لئے چھوٹی لاین سے اورنگ آباد سے مشہور اور تاریخی مقام کے ارادے سے روانہ ہوا۔ جہاں کی آب و ہوا نہایت معتدل اور روح افزا مشہور ہے۔

سکندرآباد کے اسٹیشن سے محمد معصوم علی صاحب جو میری اسٹیٹ میں بحیثیت ناظم عدالت کے کارگزار تھے۔ ضروری ہدایات حاصل کرنیکے بعد واپس ہوئے اور صدر ناظم مولوی طالب الحق صاحب جو ایک نہایت متدین اور آزمودہ کار اور جفاکش عہدہ دار اور سرکار عالی میں رکن و معتمد کمیٹی بایدداد و بایدگرفت سرکار عالی کی خدمت پر مامور ہیں اور انکی خدمات میں نے اپنی اسٹیٹ میں منتقل کرالی ہیں میری ملاقات کو آئے تھے وہ بھی واپس ہوئے

حکیم مولوی مقصود علی خاں صاحب جو میرے اُستاد زادے ہیں یعنے حکیم مولوی منصور علی خاں صاحب کے صاحبزادے اور

بالکشن رائو ملازم علاقہ راجہ رائے رایاں ڈاکٹر محمد حسین صاحب میر محمد علی صاحب مضطر صاحب دہلوی یہ سب میری ملاقات کیلئے آئے تھے۔ میں نے ان سب سے ملاقات کی اور پان سے تواضع کرکے رخصت کیا۔

میری ہمراہی میں سید صادق حسین غبار منتظم ہیشی نجم الدین احمد ثاقب بدایونی مہتمم کتب خانہ بشیر الدین احمد حسامی جو میرے بچوں کے مصاحب ہیں اور رامچندر پرشاد صاحب یہ میرے دور کے قرابتدار ہوتے ہیں۔

خواجہ بدیع اللہ قلیس ملازم علاقہ پائیگاہ سر آسمانجاہ مرحوم جن سے ایک زمانے سے ملاقات ہے روانہ ہوئے۔

اُن ملاقاتی اشخاص کے جانے کے بعد سید برہان الدین مددگار ڈاکٹر محمد حسین صاحب اور رامچندر پرشاد کو اپنے سیلون میں طلب کرلیا بارہ بجے تک ان سے باتیں کرتا رہا اور مطالعۂ اخبارات کرکے سو رہا۔

۲ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ مطابق ۵ اسفندار ۱۳۲۵ف و ۸ جنوری ۱۹۱۶ء روز دوشنبہ کی صبح کو جبکہ میں اپنے معمولی وقت پر خواب سے بیدار ہوا میری نظر قدرت کے اس خوشگوار منظر پر پڑی جو سبزہ زار جنگلوں نے اپنی خوشنمائی سے صبح کے سہانے اور ٹھنڈے وقت میں پیدا کردیا تھا۔

چونکہ دو روز سے میرے داڑھ میں درد تھا۔ جس کی تکلیف میں آج کسی قدر زیادتی پائی جاتی تھی۔ لہذا بوقت اپنی حوائج ضروری سے فارغ ہو کر بعد تبدیل لباس قدرت کے مناظر کی سیر سے اپنی طبیعت کو بہلا رہا تھا کہ یکایک سلسلۂ خیال کو ٹرین کے رکجانے نے توڑا اور میں نے دیکھا کہ گاڑی اسٹیشن ناندیڑ پر رُک گئی ہے۔

یہہ میرے پروگرام میں پہلا مقام تھا۔ میں نے اپنے سیلون سے اُتر کر فوراً اپنے انگریزی منتظم پیشی کو ضروری ہدایات دیں اور اس کے بعد میرے سیلون سائڈ نگ میں ٹھہرا دئے گئے۔

۷½ پر میر سجاد علی صاحب اول تعلقدار ضلع ناندیڑ اور لیاقت علی صاحب مہتمم لوکلفنڈ میری ملاقات کو آئے ان سے ملا ٹھیک آٹھ بجے گورو دوارہ کے درشن کو گیا۔ میرے ساتھ سید صادق حسین غبار منتظم پیشی سید سجاد علی صاحب اول تعلقدار ناندیڑ۔ خواجہ بدیع اللہ قلس۔ مولوی نجم الدین احمد ثاقب لیاقت علی صاحب مہتمم لوکلفنڈ سردار گوپال سنگھ مہتمم گورو دوارہ راجیندر پرشاد اور چار خدمتگار تھے۔ منتظمانِ گورو دوارہ نے میرے آنے کی خبر سنکر اپنے اخلاقی ثبوت دینے کے لئے اُس مہمان نوازی کا اظہار کیا تھا جو کسی میزبان کو اپنے مہمان کی آمد کے وقت

ظاہر کرنا چاہیے یعنے گرودوارہ سے دور مقام تک دورویہ جھنڈیاں نصب کی تھیں اور اُسی کے ساتھ دور تک فرش بچھایا تھا۔

اس مقام پر میں اولاً گرودوارہ کی نوعی اور تاریخی حالات کو مختصراً اپنے ناظرین کی ضیافت کے واسطے بیان کر دینا اپنا فرض خیال کرتا ہوں۔ پہلے ناندیڑ کی جغرافیائی نوعیت کا اظہار بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

ناندیڑ حضور پر نور نظام الملک خلد اللہ ملکہٗ کے حدود مملکت میں صوبہ اورنگ آباد کے مشرقی گوشہ میں واقع ہے۔

ضلع پربھنی اور دریائے پین گنگا اس کی شمالی حدود کو ظاہر کرتی ہیں اور اس کے جنوب میں نظام آباد اور بیدر کے ضلع واقع ہیں مشرق میں عادل آباد اور دریائے مانجرا۔ اور مغرب میں ضلع بیڑ اور کسی قدر حصہ ضلع پربھنی کا حدود کو ظاہر کرتے ہیں۔

اس ضلع کی شکل کی اگر تصویر کھینچی جائے گی تو مستطیل حالت کی طرف مائل پائی جائے گی۔ چونکہ جنوباً شمالاً (۷۵) میل اور شرقاً غرباً (۶۴) میل واقع ہے۔ جس کا رقبہ بحساب میل مربع (۳۷ ۳۹) مائل ہوتا ہے۔ اس ضلع کی کل مردم شماری (۵۸۱۲۷۷) ہے۔

اس میں شک نہیں ہے کہ بہ لحاظ رقبہ کے اس کی آبادی کم ملکبہ

کم سے کم کہی جائے گی۔ لیکن جہاں تک میں خیال کرتا ہوں ترقی کی امید پائی جاتی ہے۔

یہاں کے عامۂ خلایق میں صرف دو زبانیں۔ یعنی۔ اُردو۔ اور مرہٹی مروج ہیں۔ اور مذاہب کی حیثیت سے آبادی کی تقسیم چھ قسموں پر ہوسکتی ہے۔ یعنی۔ ہندو۔ مسلمان۔ جین۔ سکھ۔ پارسی۔ عیسائی لیکن باوجود اختلافاتِ مذاہب کے تمام خلائق نہایت امن و عافیت اور آپس میں محبت و پیار کے ساتھ زندگی بسر کرتی ہے اگرچہ اس یگانگت اور اتحاد کا سلسلہ آصف جاہ بانی سلطنت کے ہی زمانہ سے پایا جاتا ہے۔ لیکن اس میں بہت کچھ زیادہ ترقی محبوبِ دکن غفراں مکاں کے روشن زمانہ میں ہوئی۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ ان کی صلحِ کل پالیسی جو اُنہیں موروثی طور سے حاصل ہوئی تھی اُس میں مرحوم نے اپنی ذاتی خوبیوں سے نمایاں اضافہ فرمایا اور وہی سلسلہ بحولہ اس وقت تک دیکھا جارہا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالْمِنَّۃ۔

تمام رعایا، اپنے فرائضِ مذہبی ادا کرنے کے واسطے بالکل آزاد ہے اور نہایت اطمینان سے اپنے مشاغل دنیاوی میں مصروف ہے۔

باشندوں کی طرزِ معاشرت نہایت سادہ اور بے تصنع ہے اسی وجہ سے اسبابِ زندگی فراہم کرنے میں ناقابلِ برداشت

مصائب سے محفوظ رہتے ہیں۔ تھوڑی سی محنت کے صلہ میں اُنکی ضروریات فراہم ہوجاتی ہیں اور اِسی لئے اُن کی زندگی کا بہت زیادہ حصہ آرام اور اطمینان سے گذرتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں ہے کہ تمام محکمہ جات کے آفیسر اپنے اپنے فرائضِ منصبی کے انجام دینے میں کامل توجہ سے کام لے رہے ہیں جس کی وجہ سے ضلع کی عام حالت بہ نسبت سابق کے بہت کچھ ریفارم ہوچکی ہے۔ لیکن پھر بھی ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ جس کی نسبت مجھے قوی اُمید ہے۔ کہ لایق افسرانِ محکمہ جات اپنی اپنی حسنِ قابلیت سے اس مبارک اور مسعود دور میں انجام دیگر ملک اور اہل ملک کو ممنون کریں گے۔

یہاں کی آب وہوا مرطوب ہے مگر سردی اور گرمی اپنے اپنے موسم میں دونوں بشدّت ہوتی ہیں۔

اِس ضلع کے حدود میں قصبۂ قندھار ہیں۔ چوتھی صدی عیسوی میں سوما دیو راجہ کا پایہ تخت بھی تھا۔ جس کی شہادت کے لئے ایک مضبوط اور مستحکم قلعہ۔ آج تک اس مقام پر موجود ہے۔ جو زبانِ حال اپنے بنانیوالوں کی عظمت اور تمدّنی ترقی کی شہادت دیرہا ہے محمد شاہ بہمنی کے زمانہ میں اس مقام کی آبادی کی ضرورت کے لحاظ سے ایک مدرسۂ تیامی بھی قایم کیا گیا تھا جس سے ہم کو

اُس وقت کی آبادی کا کچھ کچھ تصوری اندازہ ہوتا ہے جو زمانہ کی دست بُرد سے مثلِ دیگر ہزار ہا آبادیوں کے آج بالکل بے نشان ہو گئی ہے۔

یہ ضلع اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اُن اضلاع میں سے ہے جہاں کہ جملہ حکامانِ ضلع کا مستقر ہے اور جملہ حکام تا امکانِ فلاح اور بہبود رعایا میں بالعموم اور ترقی مال گذاری میں بالخصوص کوشاں رہتے ہیں۔

یہہ گرو دوارہ حسین کے درشن کا ارادہ ظاہر کر کے اُس کی کیفیت کا بیان اور توضیح کرنا چاہی تھی۔ اُن مشہور مقامات میں سے ہے جن کا تعلق مذہبی ریفارمروں کی ذات سے کہا جا سکتا ہے۔

یہہ سکھوں کے مشہور و معروف گرو۔ گرو گوبند سنگھ۔ دسویں بادشاہ کے نام سے مشہور رہیں۔

بابا گرو نانک شاہ صاحب کے دس جانشین ہوئے۔ ہر ایک جانشین (بادشاہ) کے لقب سے ملقب ہوتا گیا۔ اور اُس کے ساتھ لفظِ اول اور دوم کا جانشینوں کی تعداد کے لحاظ سے اضافہ ہوتا رہا چنانچہ دسویں جانشینی اور خلافت ان پر ختم ہوئی۔

یہہ بات بیان کی جاتی ہے کہ میرے جد امجد مہاراجہ چندو لعل مرحوم و مغفور وزیر دکن کے زمانہ میں سمت ۱۸۸۸ بکرمی میں اس مزارِ

پاک کی تعمیر ہوئی - اس تعمیر میں سکھ بھی شریک تھے -
میرے جد والا مہاراجہ نراندر مرحوم فرماتے تھے کہ اس کی تعمیر میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سلطنت سے بھی امداد ہوئی تھی - جو باجازتِ والئ دکن شکریہ کے ساتھ قبول کرکے شریکِ مصارفِ تعمیر کیگئی تھی -
رعایا پرور و صلح کل سلطنتِ آصفیہ نے اُس کے استحکام اور بقاء کے واسطے ایک معقول علاقہ بطریقِ گذارہ عطا فرما کر اپنی رعایا پروری اور صلحِ کل پالیسی کا ثبوت دیا - درمیان میں کسی وجہ سے اس علاقہ کے دو موضع سرکار عالی میں ضبط ہوگئے تھے جو حضرت غفراں کے زمانہ میں میرے معروضہ کی بناپر واگذاشت کردئے گئے اُس وقت مجھے سلطنتِ آصفیہ کی وزارتِ عظمیٰ کی عزت حاصل تھی -
گرو گوبند سنگھ سکھوں کے ہادیانِ طریقت میں سے دوسرے شخص ہیں - جنھوں نے اس وقت کے حالات کے لحاظ سے متاثر ہوکر تلوار کو اپنی تعلیم کا حافظ بنایا تھا اور جن کی عالی ہمتی اور بلند حوصلگی نے سلاطینِ مغلیہ کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کردیا ہے -
نہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ تاریخ ہندوستان میں بہادر اور خدا ترس اقوام میں ایک اور قوم کا وجود شمار کرادیا تو بالکل بیجا نہ ہوگا -
جب ہم گرو گوبند سنگھ کے حالات کے متعلق چھان بین کرنا چاہتے

ہیں تو اُس وقت بہت سی روایتیں مجھ کو ایسی ملتی ہیں۔ جو اعتقادی خیالات میں لتھڑی ہوئی ہوتی ہیں۔ اور اُن میں سے اکثر ایسی بھی ہوتی ہیں جو قصہ اور کہانیوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ لیکن ان ہی حکایات کی تہ میں اصل واقعات کا وجود بھی چھپا ہوا ہوتا ہے۔ اس لئے ہم کو اِن مشہورِ عام قصوں اور حکایات میں سے ہی اصلِ واقعات اور حالات کو ڈھونڈھ ڈھانڈ کر نکالنا پڑتا ہے۔

پس جب ہم تعصّب کی عینک کو اپنی آنکھوں سے ہٹا کر دیکھتے ہیں تو ہمیں صاف صاف نظر آجاتا ہے۔ کہ گرو گوبند سنگھ سنہ ۱۶۶۶ عیسوی مطابق پوہ سدی سمتی سمت ۱۷۲۳ بکرمی میں۔ پٹنہ عظیم آباد کے مقام پر گرو تیغ بہادر کے گھر میں پیدا ہوئے۔

گرو تیغ بہادر سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے اورنگ زیب کے تقرر جزیہ سے ناراضی کا اظہار کیا اور اپنی مذہبی حمایت کے لئے تلوار کو اپنا حامی قرار دیا۔

یہ پر آشوب زمانہ تھا جس میں گرو گوبند سنگھ سا بہادر طبیعت شخص تیغ بہادر سے شخص کی تربیت میں پرورش پا رہا تھا۔

انہی آئے دن کی چھوٹی چھوٹی شورشوں اور ہنگاموں نے اس بہادر دل میں جنگ کو کھیل بنا دیا تھا۔

چنانچہ ہماری آنکھیں اُن واقعات میں سے جو ہمارے گرو موصوف کے بچپن سے متعلق ہیں۔ اس قدر نتیجہ تک ہمیں پہنچا دیتی ہیں کہ کھیل کود کے بدلے اس بہادر بچہ کا کھیل فوجی نقل اُتارنا اور آپس میں نقشۂ جنگ قایم کرنا اور اپنے ساتھی بچوں پر کمانڈنگ کی حیثیت سے حکومت کرنا داخل ہے۔ گرو گوبند سنگھ کی تمام تر اُلوالعزمیوں کا راز ان کھیلوں میں ہی پوشیدہ ہے اور یہیں سے اُن کارناموں کی ابتدا ہوتی ہے۔ جو اُن کے زمانہ زندگی میں اُن کے ہاتھ سے ظاہر ہوئے۔

لیکن گرو تیغ بہادر چھوٹی چھوٹی شورشوں اور مقابلوں کے بعد شاہی عمالوں کے ہاتھ سے مارے گئے اور اس واقعہ سے سکھوں کی جاہل مگر بہادر قوم میں ایک عام جوش اور مخالفت پیدا ہوگئی۔

چنانچہ اس واقعہ نے سکھوں کی قوم میں برق رفتار تیزی کیسا تھ فنونِ جنگ کا شوق پیدا کر دیا اور فوراً ہی اُس قوم نے سپاہیانہ فنون کی تحصیل شروع کر دی۔

آخر کار اس اسپرٹ نے یہاں تک زور پکڑا۔ کہ گرو تیغ بہادر کے فرزند گرو گوبند سنگھ موصوف کو سکھوں نے اپنا سردار بنایا۔ اور اُس بہادر سپاہی کی ماتحتی میں شاہی افواج سے کھل کر مقابل ہوگئے۔

اور برابر مقابل ہوتے رہے۔

سکھوں کی ابتدائی نشو و نمو سے لیکر گرو گوبند سنگھ صاحب کے زمانہ تک کے حالات بالکل علیحدہ نوعیت رکھتے ہیں۔ اور جہاں تک اُن حالات سے نتیجہ برآمد کیا جا سکتا ہے۔ اس سے صاف صاف ظاہر ہوتا ہے کہ گرو اپنے سکھوں یعنی چیلوں کو موحدانہ خیالات کی تعلیم سکھا رہے ہیں۔ اور اخلاقی تعلیم کو اپنے معتقدین کے خیالات اور انسانی ہمدردی کو۔ طبیعتِ ثانیہ بنایا جا رہا ہے۔ لیکن گرو تیغ بہادر کے قتل کے بعد بالکل رنگ بدلا ہوا پایا جاتا ہے اور اُس خشک اور سادہ تعلیم میں جنگ اور خوں ریزی کی اُمنگ کا رنگ نظر آرہا ہے اُس خدا ترس قوم میں جو عافیت اور گوشہ نشینی کا سبق سیکھ رہی تھی یکایک خون بہا طلب کرنے کا جوش پیدا کیا جا رہا ہے۔

صرف اسی قدر نہیں ہوا کہ سکھوں میں خون بہا طلب کرنے کی آتش غضب مشتعل ہوگئی ہو بلکہ سکھوں کے معروف اور مشہور گرد گوبند سنگھ نے اپنے طرز تعلیم کو بدلا اور مناسب وقت اجتہاد سے کام لیکر حمیت اور غیرت کا جوش کرنے کا ارادہ کیا۔ جن کے بچپن کے کھیل اس امر کا صاف صاف پتہ دے رہے تھے۔ کہ یہ ہونہار بچہ کسی وقت ایک اعلیٰ درجہ کا بہادر سپاہی ثابت ہوگا جس کے

ہرعمل سے ساتھ کے کھیلنے والے بچے اَعلیٰ درجہ کی اخلاقی قُوّت عالی نظری - اولوالعزمی - بلند حوصلگی - کو دیکھ دیکھ کر خود ہی خود دبے جاتے تھے - جو آگے چلکر زمانہ میں ایک یادگار انسان بنا -

چنانچہ جب ہم گرو گوبند سنگھ صاحب کے زمانہ کے حالات پیش نظر رکھکر دیکھتے ہیں اور سابقہ تعلیم سے مقابلہ کرتے ہیں - تو ہم کو صاف صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے معتقدین کے قلوب میں ہر وقت جوش اور حمیّت کی روح پھونک رہے ہیں - اور عام اُصولِ تعلیم کے ساتھ غیرت اور احساس کو پیدا کر رہے ہیں - جس کا صریحی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قوم جو پہلے کسی شمار اور قطار میں نہ تھے - وہ ہندوستان کے متمدن اقوام میں سے شمار ہونے لگے - جن میں غیرت اور حمیت - شجاعت اور بہادری مِثلِ طبیعتِ ثانیہ کے ہوتی ہے -

بہرحال جب ہم اس قلیل گروہ کے حالات کو اُس کے نشو و نمو سے آج تک کے واقعات تک پیش نظر رکھ کے دیکھتے ہیں تو ہم اس امر کو فوراً ہی معلوم کر لیتے ہیں - کہ اس قوم میں صرف گرو گوبند سنگھ ہی کی ذات ایسی ذات ہے - جس نے اپنی قوم کو ترقی کا خوشنما چہرہ دکھایا - جس نے احساس اور حمیت کو کوٹ کوٹ کر قومی قالب میں

ایک تازہ روح پھونکدی جس نے کاہلی اور سستی کا منحوس لباس اُتار کر چستی اور مستعدی - اور پوری پوری جفاکشی کا جامہ پہنا دیا - جس نے ہندوستان کے اکثر حصص میں - اپنی تعلیم کو پہنچایا -

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مغولیہ افواج سے مقابلہ اور جنگ آزمائیوں کے بعد گروصاحب نے اپنے آپ کو گنجان اور سنسان جنگلوں میں داخل کر دیا ہے اور اُن بھیانک اور خطرناک مناظر کے مشاہدہ سے عرفانی کیفیات کا لُطف اُٹھاتے ہوئے - اور ہر مقام پر اپنی تعلیم کے چشمے بہاتے ہوئے سرزمین دکن میں داخل ہو گئے ہیں -

یہاں پہنچکر اس خدا کے ولی نے اپنی تعلیمات کے دریا سے تشنہ کامانِ عرفان و وجدان کی پیاس کو بجھایا - اور اپنی نیک اور حمیدہ خصائل سے خدا کی مخلوق کے قلوب کو مسخر کیا - اور قوم کے لئے اپنی اولاد کا بھینٹ (قربانی) دینا اپنا فریضہ سمجھا اور خود قوم پر نثار ہونے کو تیار ہو گئے -

آخر کار اِس پاک روح نے اپنے قالبِ عنصری کو کاتک سدی پنچمی سمت ۱۷۶۵ بکرمی مطابق ۱۷۰۸ء عیسوی اکتالیس سال نو ماہ اٹھائیس دن کی مدت دنیا میں گذارنے کے بعد اس خاکدان کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا - اور دنیا کی ظاہر بین نظروں نے ایک پٹھان کو اُنکا قاتل

بنتے ہوئے دیکھا۔

یہ واقعہ اس سرزمین ناندیڑ پر ہی ظہور پذیر ہوا اور ہمیشہ کیلئے اس زمین کو وہ اعزاز حاصل ہوگیا۔ جو کسی ولی خدا کے وجود سے حاصل ہوسکتا ہے ۔

اس واقعہ کو مدت مدید گذر گئی۔ آفتاب نے اپنی گردش سے ہزاروں رات اور دن بنا ڈالے۔ انسانوں کی بہت سی نسلیں آکر چلی گئیں رات اور دن نے کل یوم ھوفی شان کے لحاظ سے بے تعداد تبدیلیاں کردیں۔ لیکن اس واقعہ کی یاد کو زمانہ نہ بھولا اور برابر اس پاک نفس کی بیکسی پر زمانہ روتا رہا۔ اور روتا رہے گا یہی ایک چیز ہے جو اس بات کی خبر دیرہی ہے۔ کہ جس نے اپنی ہستی کو اُس ذاتِ پاک میں جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے ملا دیا ہے - وہ زندہ جاوید ہے -

آخر سن مذکور الصدر میں اُس یاد کا ثبوت دیا گیا جو اندر ہی اندر قلوب میں چٹکیاں لیتی تھی - اور یہ گرودوارہ جس کی زیارت اور درشن کے لئے میں کھڑا ہوا ہوں۔ تعمیر کرایا گیا۔ اس طرح ثبوت دیا گیا جس کا آج تک اظہار ہو رہا ہے -

چنانچہ میں دیکھ رہا ہوں کہ گرو صاحب موصوف کے چیلوں نے

اپنی گرانمایہ دولت کو نہایت کشادہ دلی سے اپنے ہادی طریقت کی یادگار کے بنانے میں صرف کیا اور تمام عمارت کو سوائے چہار دیواری کے۔ سونے کے کلس میں چھپا دیا ہے۔ اور تا امکان اپنے اظہار عقیدت میں کامل ایثار سے کام لیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس برگزیدہ ہادی کی یاد میں بہت سے خیر اور نیکی کے کام اُس مقام پر کئے جاتے ہیں۔ اور اپنی ابتدائی گرؤوں کی تعلیم کو آج تک عملی جامہ پہنایا جاتا ہے اور ہمیشہ اُن نصائح کو پڑھ پڑھ کر معتقدین و غیر معتقدین کو سنایا جاتا ہے جو گرؤوں نے اپنے گرنتھوں میں سکھائے ہیں۔
اس میں شک نہیں کہ جو کچھ اس مقدس مقام کی ظاہری شان و شوکت کے جلوے نظر آرہے ہیں وہ معتقدین اور چیلوں کی عقیدت کی نشانیاں ہیں۔ مگر اس خوبی کے ساتھ انصرام پانا اور اس کی انتظامی حالت میں روزانہ ترقی یہ ای۔ سی۔ ہانکن۔ سی۔ آئی۔ ای۔ انسپکٹر جنرل پولس یعنی بیدار مغز ناظم پولس اضلاع سرکار عالی کے عملی اور دلی بے تعصبانہ کوششوں کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔
مسٹر ہانکن ہماری ریاست کے یوروپین عہدہ داروں میں قدیم اور نہایت جفاکش متدین اور سلیقہ شعار افسر ہیں۔
چنانچہ اس وقت بھی جب کہ میں یہاں پہنچا میں نے یہی دیکھا کہ

گرنتھ صاحب کا پاٹ ہو رہا ہے۔ گیانی آبا سنگھ صاحب ارتھ یعنی (ترجمہ) کر رہے ہیں۔ جب گیانی صاحب نے اپنے وعظ کو ختم کیا۔ جس وعظ کا خلاصہ۔ اخلاقی درستی۔ معاشرتی اصلاح۔ عرفانی سبق۔ کا سکھایا جانا کہا جا سکتا ہے۔ تو اُس کے بعد بھبن سنگھ راگی یعنی (قوال) نے طاؤس پر ہارمونیم کے ساتھ شبد (یعنی مدح حضرتِ بابا نانک شاہ) شروع کی اور دیر تک اپنے کمال کا اظہار کرتا رہا اور قلوب کے اندرونی ساز میں ایک قسم کا سوز پیدا ہو کر چھیڑ ہونے لگی۔

اِس جلسہ کے ختم کے بعد دربار صاحب سے مجھ کو پرشاد یعنی (تبرک) دئے گئے۔ جس میں ایک سیلا۔ ایک دستار تھی۔ اور اُس کے ساتھ ہی بادام اور مصری اور ہار دئے گئے اس کے بعد ارداس یعنی (فاتحہ اور دعائے خیر) دی گئی۔

جس وقت میں درشن سے فائز ہو کر دربار سے واپس ہونے کو تیار ہوا اُسی وقت طلبہ دعائیہ (شبد) پڑھنے لگے۔ یہ طلبہ اولاد قوم سکھ سے ہیں جو اولاد وطن میں بھی ہیں۔ میں نے اِن بچوں کو شیرینی کے واسطے دو گنیاں دیں جس کو اُنھوں نے بڑی خوشی کے ساتھ لیا۔ راگیوں کو بھی انعام دیا گیا۔

میں آہستہ آہستہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اپنے سیلون کو

واپس آرہا تھا جو راہ میں بھائی پنجاب سنگھ صاحب ساکن پشاور سے
ملاقات ہوئی۔

یہ صاحب باباناک کے خاندان کی یادگار ہیں اور گرو رام داس
کے جانشینوں میں سے چوتھے جانشین ہیں۔ ان کی عمر اس وقت
ایک سو دس برس کی ہے۔

یہ اپنی دنیاوی حالت کے لحاظ سے بہت اچھی حالت میں ہیں
جس کا ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ اپنے گرو کی نظر میں میری ملاقات سے
دو ہفتہ قبل پندرہ سو روپیہ پیش کر چکے ہیں۔ لیکن چونکہ صاحبزادے
ہیں اور اس حیثیت سے ہر شخص اپنے اعتقادی ثبوت کے لئے کچھ
نہ کچھ نذر پیش کرنا چاہتا ہے لہذا موصوف اپنی خوبی خصائل کی وجہ سے
سب کی نذروں کو ایک ہی نظر سے دیکھکر قبول کر لیتے ہیں۔

چنانچہ میں نے بھی جب کہ گیارہ روپیہ کی نذر پیش کی تو نہایت خندہ
پیشانی سے اُس کو قبول کر لیا۔

میں آہستہ آہستہ راہ طے کر کے اپنے سیلون جسکو کمپ کہنا
چاہیئے واپس آیا۔

اس کے بعد میرے محلات میں سے بڑی رانی اور چھوٹی رانی نے
مجھ سے گرودوارہ کے درشن کے واسطے جانے کی خواہش ظاہر کی

میں نے اُن کو اجازت دیدی انتظام کے لئے ہمراہی میں پچیس آدمی روانہ کر دئیے گئے اور اول تعلقدار صاحب ناندیڑ اور میرے اسٹاف میں سے میرے اُردو اور انگریزی کے منتظمانِ پیشی بھی ہمراہ گئے۔

چونکہ یہ ضلع ناندیڑ بہ لحاظ آب و ہوا کے کسی قدر زیادہ مرطوب مقام ہے جس کا اثر مجھ پر ظاہر ہوا اور میں نے محسوس کیا کہ میری داڑھ کا درد بہ نسبت پہلے کے کسیقدر زیادہ تکلیف دیرہا ہے۔ اور میں نے دیکھا کہ میری طبیعت کسی قدر زیادہ مضمحل ہوتی جاتی ہے۔ بارہ ۱۲ بجے میں سو گیا اور اُس اضمحلال کی وجہ سے ۲½ بجے تک سوتا رہا۔ جب بیدار ہوا تو میں نے دیکھا۔ کہ محلات واپس آچکے ہیں۔ اور دریافت سے معلوم ہوا کہ محلات ایک بجے واپس آئے تھے۔

میں اس دن کی شام کو پانچ بجے کی گاڑی پر روانہ ہونے والا تھا لیکن طبیعت کے اضمحلال نے مجھے میرے ارادہ سے روکا اور میں نے اپنے ارادہ کی اطلاع اپنے منتظم دفتر پیشی کو دیدی۔

اس کے بعد میں اپنے معمول کے موافق حمام وغیرہ میں مصروف ہو گیا اور مشاغلِ معمولی سے فارغ ہو کر اپنی نشست کے مقام پر آکر بیٹھ گیا۔

مجھے میرے خدمتگار نے بشمبد چوکی (یعنے گرودوارہ کے متعلقہ راگیوں) کے حاضر ہونے کی اطلاع کی جس پر میں نے اُن لوگوں کو (۶) بجے شام کے حاضر ہونیکا حکم دیا۔

اس کے بعد میں اپنے دفتر پیشی کے متعلقہ کاغذات کے مطالعہ میں مصروف ہوگیا۔ اور تقریبًا نصف گھنٹہ کی مشغولیت میں تمام ضروری احکام کے صدور سے فارغ ہوگیا۔ اور کیمپ کے انتظامی اُمور کے متعلق زبانی حکم کے ذریعہ سے منتظم کیمپ کو ہدایات دیں۔

اس کے بعد میں کتب بینی میں مشغول ہوگیا اور اطمینان اور آزادی کے ساتھ ایک گھنٹہ تک اپنے اس مشغلہ میں مصروف رہا۔

۵ ½ بجے میں نے صحرائی منظر کی تصویر کھینچی اور اُس میں آئل پینیٹ کا کام کرتا رہا۔

(۶) بجے شام کے اول تعلقدار صاحب نانڈیڑ جو میرے دوست صادق سیّد عباس علیصاحب مرحوم کے فرزند اکبر ہیں اور بہ لحاظ اپنی ذاتی قابلیت کے خاص فن شاعری میں علاوہ ذاتی صفات اور علمی مادّہ کے اچھی خاصی قدرت اور مہارت رکھتے ہیں میری ملاقات کو آئے۔

اثناء ملاقات میں لطفِ شعر و سخن رہا - اِن کا فارسی کلام نہایت پاکیزہ اور پُر لطف و پُر اثر ہوتا ہے - چونکہ فارسی کی جانب میلانِ طبع زیادہ ہے - اِس لئے اُردو میں بہت کم شعر کہتے ہیں -

تقریباً نصف گھنٹہ ملاقات میں گذرا ہوگا جو مجھے لیاقت علی صاحب مہتمم لوکلفنڈ - اور مددگارِ تعلقدار - اور عبدالقادر خاں تحصیلدار مال کے وزٹینگ کارڈ میرے خدمتگار نے لا کر دئے -

تعلقدار صاحب نے جو ابھی تک بیٹھے ہی ہوئے تھے مجھ سے اجازت طلب کی - میں نے اُنہیں خدا حافظ کہکر رخصت کیا - اور نئے آنے والے حضرات کو اندر بُلانے کے واسطے خدمتگار کو حکم دیا -

میں نے عہدہ دارانِ موصوف کے فرائض کے لحاظ سے ہر شخص سے اُن کی ڈیوٹی اور فرضِ منصبی کی انجام دہی پر گفتگو کی

اس ملاقات کا سلسلہ (۷ ½) بجے ختم ہوا اور اس کے بعد میں اپنے آرامگاہ کے مقام پر چلا گیا - تقریباً (۸ ½) بجے شب کا وقت ہوگا - جب کہ میں اپنے خیالات میں محو تھا اور اپنے مذاقِ طبیعت کے موافق مطالعہ کتب میں مصروف تھا

مجھ کو اطلاع کیگئی چھ بجے سے گرد ا ور کے قوال حاضر ہیں۔
اس اطلاع کو سُنکر میں نے حکم دیدیا کہ مجلس سماع سیلون کے روبرو ہی مرتب کی جائے۔ غالبًا نو بجے ہوں گے۔ جو میری پیشی کے خدمتگار نے محفلِ سماع کے مرتب ہو جانے کی اطلاع کی۔ گیارہ بجے شب تک اپنے سیلون ہی سے لُطفِ سماع حاصل کرتا رہا۔ اور محلات بھی اپنے سیلونوں میں سے سنتے رہے اس مجلس کے ختم کے بعد ایک گھنٹہ تک مطالعہ کتب میں مشغول رہا اور اس کے بعد بارہ بجے سو گیا۔

۳ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ مطابق ۶ اسفندار ۱۳۲۵ف موافق ۹ جنوری ۱۹۱۶ء روزِ دوشنبہ کی صبح کو اپنی حسبِ عادت بیدار ہوا اور حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر تفریحِ طبع کے واسطے اپنے سیلون کے اُس مقام پر آکر بیٹھ گیا۔ جہاں سے صحرائی مناظر کا مشاہدہ ہو سکتا تھا اگرچہ میری داڑھ میں بدستور درد تھا اور طبیعت میں بھی کسی قدر زیادہ اضمحلال پایا جاتا تھا۔ لیکن صبح کے سُہانے وقت میں طیور کی زمزمہ سرائیاں اور مرغانِ صحرائی کے چہچہوں نے میری طبیعت کے سنبھالنے میں بہت کچھ حصہ لیا۔
وسیع اور کھلے ہوئے میدان کی صاف ہوا اور خوشنما منظر نے

عجیب دل کش سین پیشِ نظر کھینچ دیا تھا۔ جس کے مشاہدہ سے کسیطرح میری مشتاق نظریں سیر ہی نہ ہوتی تھیں۔

جہاں کہ کہیں کہیں کوہستانی سلسلہ میری نظر کے سامنے اپنی بزرگی اور استحکام کی نیچرل حالت کو پیش کر کے خدائے بزرگ و برتر کی بزرگی اور قدرتِ کاملہ کی یاد کو تازہ کر دیتا تھا اور جونہی میری نظر اُن کوہستانی مناظر میں سے کسی ایسے حصہ پر پڑ جاتی تھی۔ جہاںسے کوئی بہت بڑی چٹان اپنا سر جھکائے ہوئے بارگاہِ احدیت میں عجز و نیاز کا اظہار کرتی ہوئی نظر آتی تھی اور جس کی ظاہری حالت سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کوئی دم میں کسی گہری خندق میں گر جانے والی ہے۔ لیکن باوجود اس حالت کے مدت ہائے مدید سے کسی کی مشیت کی پابندی کی وجہ سے اسی حالت میں قائم نظر آتی تھی۔ مجھے اپنے مالک اور خالقِ خدا کی لایزال ذات کی نسبت دائمی اور ابدی ہونے کا تصوّر باندھکر ایک خاص لُطف حاصل ہوتا تھا۔

میری آنکھیں تارِ نظر کے ذریعہ سے اُن مشاہدات کا فوٹو تیزی کے ساتھ کھینچتی جاتی تھیں اور میرے دماغ کی باریک اور پیچیدہ راہوں کے ذریعہ سے اُس کا عکس میرے آئینہ دماغ

میں پیش کر رہی تھیں جن کا نظارہ میرے دماغ کو حیران اور ششدر کر رہا تھا۔ اور اس حکیم مطلق کے حکیمانہ کرشموں کا جلوہ دکھا رہا تھا۔ جو دنیا کے وجود اور بقا و فنا کا باعث ہے۔

میں حیران تھا کہ دنیا میں ایسے انسانوں کا وجود اب بھی موجود ہے جو باوجود علمی روشنی کے۔ جو اُن کے دماغوں میں موجود ہے۔ خدا کے وجود سے انکار کرتے ہیں اور اُن کی عقول اس قدر غلط فہمی میں پڑ گئی ہیں۔ کہ وہ اُس قوت اور اس ذات کا ادراک نہیں کر سکتیں جو ہر ذرہ میں اپنا جلوہ دکھا رہی ہے سُبحان اللہ تعالیٰ شانہٗ۔

جس کی ادنیٰ ترین حکمت بھی اُسی طرح اُس کے وجود کی شاہد ہے جس طرح ایک بڑی اور عظیم حکمت مشاہد ہو سکتی ہے۔

جس کی ذات ایسی ذات ہے کہ قلوبِ انسانی اُس کی طرف متوجّہ ہو کر انتشاری اور اضطراری حالت میں سکون اور اطمینان حاصل کرتے ہیں جس کے وجود کے اعتراف اور یقین کے بغیر وہ راحت کسی طرح نصیب ہو ہی نہیں سکتی۔ جس راحت کے حصول کے لئے فطرتِ موجودات مجبور ہے۔

میں اپنے خیالات کے اس خوش آئندہ سلسلہ میں محو تھا۔

جو یکا یک میرے خدمتگار کے پاؤں کی آہٹ نے اِس سلسلہ کو توڑا اور میں اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

خدمتگار نے میرے کمپارٹمنٹ لائن پر لائے جانے کی اطلاع کی اور میں وہاں سے اُٹھکر اسٹیشن کی طرف روانہ ہوا۔

میں نے پلیٹ فارم پر پہونچکر اول تعلقدار صاحب نانڈیڑ اور مہتمم لوکلفنڈ اور مددگارِ تعلقدار و مہتمم گرودوارہ سردار گوپال سنگھ اور نیز دیگر عہدہ داران کو اپنا منتظر پایا۔ یہ لوگ اپنی محبت سے اپنے عزیز و اقارب کی مشغولیتوں کے باوجود اپنی مہمان نوازی کا ثبوت دینے کے لئے میرے رخصت کرنے کے لئے آئے ہوئے تھے۔

میں نے اپنے منصرم انگریزی منتظم پیشی سید محمد علی کو یہیں سے حیدرآباد واپس جانے کا حکم دیا اور باقی تمام ہمراہی میری اجازت سے گاڑی میں سوار ہو گئے۔

میرے اردو منتظم پیشی نے بعض سرکاری کاموں کی ضرورت سے شام تک نانڈیڑ میں رہنے کی اجازت طلب کی جس کی اجازت دی گئی۔

چھ بجے صبح کا وقت تھا جب میں معہ باقی جملہ ہمراہیوں کے

اپنے معزز میزبانوں کو خدا حافظ کہکر روانہ ہوا۔
گاڑی کے روانہ ہونے کے بعد خلافِ عادت اپنی طبیعت کے اضمحلال کی وجہ سے لیٹ گیا۔ اور اپنے پیارے بچوں کی باتوں سے دل بہلانے میں مشغول رہا۔
دس بجکر دس منٹ پر میری گاڑی بہت سے درمیانی اسٹیشن طے کرتی ہوئی اور دم لیتی ہوئی اسٹیشن پرتور پر پہنچی۔ جو میری جاگیر کے علاقوں میں سے ایک علاقہ ہے۔ یہ میرے پروگرام کا دوسرا مقام ہے۔
میرے اور محلات کے سیلون گاڑی سے علیحدہ کر کے مناسب مقام پر کھڑے کر دئیے گئے۔
اس کے بعد میں اپنے سیلون سے باہر نکلا تو میں نے دیکھا کہ سید امام الدین صاحب تعلقدار اور نیز دیگر عہدہ دارانِ متعلقہ علاقہ پرتور اسٹیشن پر حاضر ہیں۔
اِن لوگوں کی طرف سے حسبِ قاعدہ نذریں پیش کی گئیں۔ میں نے نذریں لیکر اِن لوگوں سے اپنی خوشنودی کا اظہار کیا۔
میری داڑھ کا درد جو صبح ہی سے زیادہ تکلیف دے رہا تھا اس وقت اور بھی زیادہ تکلیف دینے لگا۔ بلکہ میں نے دیکھا کہ نئے مہمان

بھی وارد ہو گئے ہیں۔ یعنی کسی قدر خفیف سی حرارت محسوس ہونے لگی۔

گرانی طبع سے مجبور رہا اور کسی مقام پر جانے کا ارادہ نہ کیا۔

اِس کے بعد میرے محلات میں سے جو اہلِ ہنود تھیں اپنے اِس بنگلہ میں روانہ کیا جس کا نام بہ منظوری اعلیحضرت محبوبِ دکن غفرانمکاں علیہ الرحمۃ رکھا گیا ہے۔ اور باقی سب محلات اور بچے اُن ہی سیلونوں میں رہے میں نے جاگیر کے تعلقدار کو ہرن کے شکار کا انتظام کرنے کا حکم دیا۔

میرا یہ تمام دن ناسازی طبع کی وجہ سے بیکاری ہی میں گذر گیا اور کسی خاص قسم کا کام جو قابلِ ذکر ہوتا نہیں کر سکا۔ اگرچہ تمام وقت کو اپنے مذاق کے موافق مشاغل میں مصروف رہ کرتا امکان خوش بناتا رہا۔ اور اُس علاقہ جاگیر کے طوائف جو وہاں اتفاق سے حاضر تھیں اُن سے گانا سنتا رہا۔

اِن ہی مشاغلِ مختلف میں مصروف رہنے کی حالت میں شام کے پانچ بجگئے اور میں بوجہِ علالتِ مزاج اپنی معمولی عادات کی انجام دہی سے بھی حسبِ ہدایتِ ڈاکٹر معذور رہا اور اسی کیفیت میں شب ہو گئی۔

شام کو مجھے اطلاع ملی کہ میرے علاقہ جاگیر کی رعایا میں سے جو طائفہ حاضر ہے وہ سلام کے لئے حاضر ہونا چاہتا ہے چنانچہ میں نے انہیں حاضر ہونے کی اجازت دی۔ اس طائفہ نے فرائض اور لوازم آداب کی بجاآوری کے بعد مجرے کی سنانے کی خواہش پیش کی جس پر میں نے اِن کو اجازت دی۔

یہ جلسہ قریب گیارہ بجے تک رہا۔ اور میں اپنی مضمحل طبیعت کو سرود خوش آہنگ کے سماع سے قوت پہنچاتا رہا اس کے بعد میں نے اِس جلسہ کے برخاست کا حکم دیا اور اُن کو مقررہ معمول سے کسی قدر زیادہ انعام دیکر رخصت کر دیا۔

میری اس مختصر اوقات کی تفصیل میں ناظرین سفرنامہ نے میرے اوقات میں سرود و سماع کی مشغولیت پڑھکر میری نسبت اُس مذاق کا شبہ کیا ہوگا جو ایسی حالت میں عموماً سمجھا سکتا ہے۔ لیکن میں اس مسئلہ پر اپنے سفر کے اُس مقام کے بیان میں کسی قدر روشنی ڈالونگا جو اجمیر شریف کے قیام سے متعلق ہے۔ جہاں کہ میرے معزز ناظرین اور احباب میری مشغولیت کو اس مشغلہ میں کسقدر زیادہ دیکھیں گے۔ اور مجھے اُمید ہے کہ میں اُس کیفیت اور اُن خیالات کے اظہار کے بعد اپنے ناظرین کے خیالات کو اس سطح پر لا سکوں گا۔ جہاں

اور جس درجہ پر فائز ہونے کی برکت سے میں اس مشغولیت کو اپنے لئے قابلِ فخر وناز تصور کرتا ہوں۔

بہرحال میں اپنی اس مشغولیت سے فارغ ہوا ہی تھا جو گیارہ بجے شب کی ٹرین پر میرے منتظمِ پیشی دفتر اُردو نانڈیڑ سے واپس آئے اور اپنے مفوضہ خدمات کے متعلق تحریری رپورٹ پیش کی۔

اس رپورٹ کو دیکھنے کے بعد میں نے سونے کا ارادہ کیا اور تھوڑے سے توقف کے بعد سوگیا۔

سنہ ۱۹۱۶ء

۴ ربیع الاول سنہ ۱۳۳۴ھ مطابق ۷ اسفندار سنہ ۱۳۲۵ فصلی اور ۱۰ جنوری روز شنبہ کی صبح کو پانچ بجے بیدار ہوا۔ لیکن طبیعت کا اضمحلال بدستور باقی تھا۔ اس لئے بستر پر ہی کچھ دیر تک لیٹا رہا تھوڑی دیر کے بعد حوائج ضروریہ کے رفع کرنے میں مشغول ہوگیا اور ٹھیک ۷ ۱/۲ بجے اپنی خوابگاہ سے برآمد ہو کر پلیٹ فارم پر ٹہلنے کے واسطے آگیا۔

اولاً میں اپنے منتظمِ پیشی غبار صاحب سے باتوں میں مشغول ہوگیا اور دیر تک ضروری اُمور کی بابت اِن کو ہدایات دیتا رہا۔

اس سلسلۂ گفتگو میں موقع پاکر میرے خدمتگار نے تعلقدار صاحب کے حاضر ہونے کی اطلاع کی جس پر میں نے اُن کے بلانے کا حکم دیا۔

تعلقدار صاحب نے پہنچکر اطلاع کی کہ (دسیکھ دیسپانڈیہ) یعنے مقدم

اور پٹواری - اور نیز دیگر رعایا نذر پیش کرنیکے واسطے حاضر ہیں -

میں اس اطلاع کو سنکر بنگلہ پر چلا گیا - جہاں کہ رعایا نے نذریں پیش کیں ان نذروں کے لینے کے بعد میں نے تعلقدار صاحب کو حکم دیا کہ وہ دوشالے وغیرہ علیٰ قدر مراتب تقسیم کریں -

تعلقدار صاحب نے کسی قدر توقف کے بعد میرے سامنے تحریراً گذارش پیش کر کے خواہش ظاہر کی کہ تقسیم انعامات کو سفر سے واپسی کے وقت پر موقوف رکھا جائے تو مناسب ہوگا -

چونکہ اس وقت کل رعایا کی طرف سے بوجہ عدم موجودگی نذریں بھی پیش نہیں ہوسکی ہیں - اور جملہ عہدہ داران متعلقہ جاگیر بھی حاضر نہیں ہیں -

چونکہ مجھے بھی اپنی جاگیر کے بعض ابواب کے متعلق تنقیح مدنظر تھی جن کو اس وقت میں بوجہ اپنی ناسازی طبیعت کے تنقیح نہ کرسکا تھا - لہذا میں نے اس گذارش کو قابل منظوری خیال کیا اور تقسیم انعامات کو واپسی پر ملتوی رکھنے کا حکم دیا -

اس کے بعد بنگلہ سے روانہ ہو کر واپس چلا آیا اور دس بجے تک سیلون میں ہی رہا -

یہاں بھی برابر رعایا کی طرف سے نذریں پیش ہونے کا سلسلہ جاری رہا

اُس وقت تک حیدر آباد سے آنے والی ٹرین اسٹیشن پر آگئی اور میرے ریزرو ڈکمپارٹمنٹ گاڑی میں لگا دئے گئے۔

دس بجکر دس منٹ پر میری گاڑی اسٹیشن پرتور سے منماڑ کی طرف روانہ ہوئی جس سے چند اسٹیشن پہلے اورنگ آباد کے مقام پر میرا تیسرا مقام تھا۔

اسٹیشن پُرتور سے روانہ ہونے کے بعد گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی چلی اور منٹوں کے بعد گھنٹوں کی تبدیلی کے ساتھ نئے نئے مناظر پیش کرنے لگی جس طرح مشاہدۂ نظری میں مختلف عجائباتِ قدرت کا منظر دکھاتی چلی جاتی تھی اسی طرح ضمناً اپنے مجسمہ اور عملِ افعال سے بحیثیت مجموعی قدرتِ کاملہ کے لاتعد و لاتحصی کھیلوں میں سے عجیب و غریب کھیل کا تماشہ دکھا رہی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ موجودہ اختراعات میں سے ریل کا ایجاد بھی مفید ترین ایجاد اور عقل کا ایک زبردست نمونہ ہے جس سے ہر مسافر سوار ہونے کے بعد اپنی منزل مقصود تک اگر چاہے تو جس طرح ہر یلی دولتِ معرفت کردگار سے ہستی حاصل کرسکتا ویسا ہی اس سے بھی معرفت خداوندی کا پورا پورا سبق حاصل کرسکتا ہے بشرطیکہ اپنے پہلو میں اثر پذیر دل بھی رکھتا ہو اور چشم بصیرت ہو۔

ریل گاڑی گو دنیا کی حالت کا مجموعی حیثیت سے سچا نمونہ کہی جاسکتی ہے اور اس کی مجموعی حالت میں انسان کی زندگی کے حالات مختصر پیمانہ پر محیط نظر آجاتے ہیں اگرچہ معاشرتِ انسانی کے صدہا بلکہ ہزارہا جزوی افعال ایسے ہیں جو اس مختصر نمونہ میں نظر نہیں آسکتے لیکن پھر بھی وہ اہم ترینِ افعال جنکا تعلق انسانی زندگی سے مثل جزو لاینفک کے ہے اور جن پر زندگی کا مدار ہے سب کے سب مشاہدۂ نظری میں آ ہی جاتے ہیں۔

صدہا مسافروں کا آنا جانا اور اپنے اس قلیل مدتِ قیام میں جو اک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچنے کے لئے ضروری ہے اپنے ہم سفر مسافروں کے ساتھ معاشرت کرنا اور اپنی اخلاقی خوبیوں یا برائیوں سے ہمراہیوں کے قلوب پر اپنا اثر چھوڑنا گویا دنیوی عمر کا حقیقی فوٹو ہے۔ اگر انسان ان حالات کو سوچے اور سمجھے جو اُس کو زمانۂ سفر میں پیش آتے ہیں تو ہمیں اس میں بالکل شبہ نہیں ہوسکتا کہ اس کو معرفتِ خدا کا پورا پورا سبق حاصل ہوگا۔

بہرحال میری گاڑی مختلف اسٹیشنوں پر رُکتی اور دم لیتی ہوئی ۲½ بجے اورنگ آباد کے اسٹیشن پر پہنچی۔ میرے ڈبے ایک طرف لگا دئے گئے تھے میں پلیٹ فارم پر آیا دیکھا کہ نواب برزو جنگ صوبہ دار زین العابدین صاحب

قریشی مددگار صوبہ داری محی الدینخاں صاحب اول تعلقدار ۔ مصطفےٰ بیگ صاحب سوسوم تعلقدار ۔ الف خاں مہتمم سنٹرل جیل سید اکبر صاحب مہتمم کوتوالی ۔ منیجر گرنی اورنگ آباد سعادت یارخاں مہتمم کروڑگیری نیز دیگر عہدہ داران صوبہ داری موجود تھے ۔ میں نے سب سے ملاقات کی اتفاق سے میرے پہنچنے کے قبل مسٹر گلانسی معین المہام فینانس اور مسٹر حیدری معتمد عدالت یہ دونوں حیدرآباد کی سمت روانہ ہو چکے تھے چنانچہ (چکل تھانہ) کے اسٹیشن پر جب میری گاڑی سے اس گاڑی کا میل ہوا جو حیدرآباد کو جانیوالی تھی تو دور ہی سے مسٹر گلانسی سے صاحب سلامت ہوئی تھی ۔ لیکن مسٹر حیدری کو نہیں دیکھا ۔ اِن لوگوں کی ملاقات کے بعد میں نے اپنے بچوں کو دو موٹروں پر سوار کرکے اپنے باغ اٹولیا جس کا مشہور نام شاد باغ ہے بھیجدیا ۔ اِن موٹروں میں سے ایک موٹر تو میرے خاصہ کی تھی ۔ جو میں نے حیدرآباد سے بھیجدی تھی اور دوسری راجہ اندرکرن کی تھی جو اتفاق سے اسٹیشن پر ہی موجود تھی ۔ اِن موٹروں کے واپس آنے تک تیسری موٹر نواب برزو جنگ بہادر نے بھی بھیجدی اور میں معہ محلات سوار ہو کر اپنے باغ میں آگیا ۔

میری داڑھ میں بدستور درد ہے طبیعت مضمحل اور کسلمند ہے۔
صوبہ دار صاحب نے جن کو میری اس تکلیف کا علم ہو گیا تھا ایک ڈاکٹر کو بھیجا۔ صرف اسی قدر اظہار محبت و عقیدت پر اکتفا نہیں کی بلکہ عرب اور پولیس کا ایک ایک پہرہ اور کچھ سوار باڈی گارڈ کے بھی بھیجدئے میری بداخلاقی ہو گی اگر میں صوبہ دار صاحب کے اس طرز عمل کا شکریہ ادا نہ کروں۔

چار بجے منتظم پیشی (غبار صاحب) نے بلدہ سے اورنگ آباد واپس آئی ہوئی ڈاک پیش کی جس میں وائسرائے بہادر کا خط تھا جو میرے خط مبارکباد سال نو کا جواب تھا۔ اور ڈاکٹر محمد اقبال بیرسٹرایٹ لا لاہوری۔ خوش حال چند اڈیٹر آریہ گزٹ اور نیز دیگر خطوط و اخبارات تھے
۵ بجے موٹر میں سوار ہو کر خواجہ شمس الدین صاحب چشتی کی ملاقات کو گیا یہ بزرگوار اپنے بزرگانہ خصائل کے اعتبار سے بہت ہی قابل تعظیم ہیں۔ شاہ نور حموی کی درگاہ ان کی نگرانی میں ہے۔
شہر اورنگ آباد جہاں میرا تیسرا مقام ہے ہندوستان کے مشہور تاریخی مقامات سے ایک مقام ہے جو کھام ندی پر آباد ہے اس شہر میں نہر سے گھر گھر پانی پہنچتا ہے۔ یہاں کا مشروع۔ کمخواب اور ہمرو مشہور ہے۔ انجیر۔ گلاب اور انگور کثرت سے پیدا ہوتا ہے

خصوصاً یہاں کا سرکاری باغ جو ڈاکٹر سراج الحسن صاحب کی نگرانی میں ہے مختلف ممالک کے انگور اس میں لگائے گئے ہیں ڈاکٹر صاحب کی نگرانی لائق قدر ہے۔

اس شہر کو ۱۰۲۹ھ میں ملک عنبر حبشی نے بنا کر کے کھڑکی نام رکھا مگر اورنگ زیب نے اپنے نام کی مناسبت سے اورنگ آباد نام رکھا۔

ملک عنبر ملک عنبر کا شمار بیجاپوریوں کے غلاموں میں تھا چند جرار حبشیوں کے ساتھ مرتضیٰ نظام شاہ بحری کے یہاں فوج میں داخل ہو کر خداداد عقل و شجاعت سے مرتضیٰ نظام شاہ کے ممالک مقبوضہ کو شہنشاہِ اکبر اعظم کی قہار فوج کی تاخت و تاراج سے محفوظ رکھا اور رفتہ رفتہ حسنِ تدبیر اور زورِ تقدیر سے کل نظام شاہیہ سلطنت میں ملک عنبر کا اقتدار بڑھ گیا یہانتک ترقی کی کہ وزیر السلطنت ہو گیا۔

ملک عنبر فنونِ سپہگری میں فرد اور قواعد سرداری میں اپنی یکتائی کا جواب نہیں رکھتا تھا۔ ملک کی آبادی میں ساعی رعایا کی بہبودی میں سرگرم۔ عدل و داد کو ہر کام پر مقدم اور ہمیشہ خود کو تقویٰ و صلاح کے لباس سے آراستہ رکھتا تھا۔

ملک عنبر نے ۲۹ شعبان ۱۰۳۵ھ میں وفات پائی منتجب الدین زرزری بخش اور حضرت سید یوسف معروف بہ راجو قتال حسینی

کی درگاہ کے درمیان اِن کا مزار ہے۔ عرس وغیرہ کے لئے تھوڑی زمین موضع عنبراپور تعلقہ انبڑ (عنبر) میں تھی جو اب خالصہ ہوگئی ہے۔

ملک مذکور نے اپنے آباد کئے ہوئے شہر (اورنگ آباد) میں بہت سی یادگاریں چھوڑی ہیں منجملہ اُن کے دو مسجدیں ہیں۔ ایک چوک کی پشت پر اور دوسری نواب پورہ میں واقع ہے یہ دونوں کالی مسجدیں مشہور ہیں۔ تیسری یادگار مسجد جامع ہے جس کے تین درجے ملک عنبر نے بنوائے ہیں اور دو درجے شاہِ اورنگ زیب نے بڑھائے۔

چوتھی یادگار نہر ہے جو اورنگ آباد کے گوشۂ شمال و مشرق کے پہاڑوں سے لائی گئی ہے اور فصیلِ شہر سے دو مقام پر تقسیم ہوگئی ہے۔

پانچویں یادگار دروازۂ بھارکل المعروف بہ بھڑکل ہے اورنگ آباد کی عمارتوں میں رابعہ دورانی کے مقبرے کے بعد یہ عمارت ہے۔

چھٹی یادگار کالا چبوترہ جس پر اب خونیوں کی گردنیں ماری جاتی ہیں ہاتھیوں کے تماشا دیکھنے کے واسطے ملک عنبر ہی نے بنوایا تھا۔

ملک عنبر کا گنبد اپنے قریب کے گنبدوں سے شاندار اور بلند ہے کہتے ہیں کہ اُس نے اپنا گنبد اپنی حیات میں بنوایا تھا۔

ممالک محروسہ سرکار عالی میں اورنگ آباد بہ لحاظِ آبادی یہ شہر درجۂ دوم کا ہے۔ اور شاہانِ بہمنیہ کے عہد سے اس کا خطاب

خجستہ بنیاد ہے مشہور عمارات محل اورنگ زیب - رابعہ دورانی کا مقبرہ جومعہ سامانِ مرحومہ اب تک موجود ہے - غار لینا جو بدھ کے زمانہ میں کھودے گئے ہیں عجیب وغریب قدرتِ انسانی کا نمونہ ہیں

اورنگ آباد کی آبادی نہایت خوبصورت اور دل فریب ہے اور کچھ ایسی ترتیب سے مرتب ہوئی ہے جو فطرۃً نظر کو اپنی طرف کھینچتی ہے - یہ صوبہ صوبجاتِ سلطنتِ دکن میں ایک مختار صوبہ ہے اور ہندوستان کے داخلی وخارجی دروازہ کی حثیت رکھتا ہے - یہ صوبہ ملک سرکار عالی کے گوشۂ شمال ومغرب میں پھیلتا چلا گیا ہے اور اپنے وسیع دامن میں بہت سے صحرائی میدانوں اور کوہستانی مناظر کو لئے ہوئے ہے طول اس کا شرقاً غرباً (۲۳۰) میل اور عرض شمالاً وجنوباً (۱۳۰) میل - رقبہ کل صوبہ کا (۱۸۵۷۹) مربع میل اور مردم شماری (۲۴۳۵۸۶۲) خاص اورنگ آباد کی مردم شماری (۱۹۰۴۹ ء)

ہے عموماً تمام صوبہ کے باشندے جفاکش - سپاہی منش - مضبوط اور قوی الاعضا ہوتے ہیں - زبان ومذہب کے اعتبار سے فیصد (۸۰) آدمی مرہٹی اور باقی فارسی - اُردو - تلنگی - گجراتی - ماڑواڑی - اور بنجاری بولتے ہیں مذہب جین - ہنود سکھ - مسلمان - پارسی - یہود - اور عیسائی ہیں - یہاں کی آب وہوا نہایت خوش گوار وروح افزا ہے

۵ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ ہجری ۔ ۸ اسفندار ۱۳۲۵ف ۔ ۱۱ جنوری ۱۹۱۶ء

سہ شنبہ ۔ شب کو مجھے اچھی طرح نیند نہیں آئی ۔ صبح کو حسب عادت مصاحبین سے ملا منتظم پیشی کو بعض احکام دئے صدر ناظم صاحب سید طالب الحق صاحب کو ایک خط سید محمدؐ علی مددگار انگریزی کے متعلق روانہ کیا اور یہ حکم دیا کہ یہ ہماری اسٹیٹ سے واپس کردئے جائیں محمدؐ رحیم الدین عرف نواب جانی کو ایک خط روانہ کیا گیا ۔ سوم تعلقدار صاحب کا ایک خط آیا اس کا اُسی وقت جواب دیا گیا کیمپ کے متعلق کاغذات معائنہ کئے گئے ۔ دس بجے شاہ نور حموی ؒ کی درگاہ میں گیا ۔ ثاقب صاحب ۔ قیس صاحب اور نیز تین شاگرد پیشہ کو پہلے سے روانہ کردیا تھا ۔ میں برخوردار خواجہ پرشاد سلمہ اللہ تعالےٰ اور برخوردار خواجہ نصر اللہ وخواجہ اسد اللہ اطال اللہ عمرہم اور اُن کے ملازمین کو لیکر بسواری موٹر گیا ۔ زیارت سے مشرف ہوا شاہ نور حموی ؒ کی درگاہ رسالہ سے کسی قدر آگے ہے ۔

شاہ نور حموی ؒ بغداد سے آئے تھے بُرہان پُور اور احمد نگر میں کچھ دِن قیام کرکے شاہ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں اورنگ آباد تشریف لائے ۔ یہ مقام اُن کو ایسا پسند آیا کہ قیامت تک اُٹھنے کی قسم کھالی ۱۱۰۴ھ میں وفات پائی ۔

قریب ۲ بجے کے واپس ہوا واپسی میں خواجہ شمس الدین کے مکان پر پھر اُن سے ملاقات کی ساڑھے بارہ بجے تھے جب اپنے کیمپ کو واپس آیا۔ چار بجے خواجہ شمس الدین صاحب آئے۔ ابھی وہ بیٹھے تھے کہ صوبہ دار صاحب۔ اول تعلقدار صاحب۔ مددگار صوبہ دار صاحب۔ سوم تعلقدار صاحب۔ احمد حسین صاحب تحصیلدار اور مہتمم سنٹرل جیل ملاقات کو آئے اِن سے ملاقات کی غبار صاحب (منتظم پیشی) نے سیر پنجاب جو میری تصنیف سے ہے اور میرے سفر پنجاب کا روزنامچہ ہے میری حسبِ ہدایت ایک ایک جلد ان کو دی۔ ساڑھے پانچ بجے سبھوں نے برخاست کی۔

غبار صاحب نے بعض سرکاری احکام کی تعمیل کے لئے ناندیڑ جانے کی اجازت چاہی اور وہ بارہ بجے شب کی گاڑی میں ناندیڑ کو روانہ ہوئے۔

۶ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ - ۹ اسفندار ۱۳۲۵ف - ۱۲ جنوری ۱۹۱۶ء - چہارشنبہ

حوائج ضروری سے فراغت پا کر برآمد ہوا۔ ضروری احکام جاری کئے ۹ بجے موٹر میں سوار ہو کر مقبرہ رابعہ دورانی بیگم پر گیا۔ میرے ساتھ مولوی حکیم مقصود علی صاحب قیس صاحب اور رامچندر پرشاد تھے مقبرہ کا تفصیلی نظر سے معائنہ کیا۔ انگور کے دار بست دیکھے

متعدد قرآن مجید جو مرحومہ کی تلاوت کے تھے اور نیز پرانی چینی کے
ظروف کاشانی پردے قالین - قنائیں - تانبے کے طلائی برتن
ایرانی ساخت کے تمام چینی کی سلفچیاں وغیرہ اور اسی زمانہ کا غلہ جو
بطور نمونہ وہاں موجود ہے معائنہ کیا - یہ مقبرہ آگرہ کے تاج محل کے
نمونے پر شاہزادۂ اعظم شاہ نے اپنی ماں رابعہ دورانی بیگم محل چہارم
اورنگ زیب عالمگیر کی یادگار میں ۱۰۷۱ھ ۱۶۶۱ع میں تعمیر کرایا -
یہ مقبرہ پانسو گز طول اور تین سو گز عرض زمین پر واقع ہے - اسمیں
چھ لاکھ اٹھ ہزار دو سو تین روپیہ سکۂ عالمگیری خرچ ہوا ہے -
ہمراہیوں کا فوٹو لیا مقبرہ کی واٹر کلر کی تصویر نپٹ کی - گیارہ بجے وہاں
واپس آیا - مولوی سید عبدالرؤف صاحب جو مولوی نذیر حسن
محدث دہلوی کے نواسہ اور میرے محب اور لباس صلاح و تقویٰ
سے آراستہ ہیں اور سید محمد علی مضطر دہلوی جو میرے سالہاسال
مصاحبت میں مسلسل ہیں بلدہ سے آئے - امام الدین صاحب
تعلقدار بھی بعض سرکاری احکام حاصل کرنے کے لئے پرتور سے
آئے شام کے ۵ بجے امیر خاں کورٹ انسپکٹر وظیفہ یاب آئے
ان سے ملا شب کو سوا تین بجے غبار صاحب ناندیڑ سے واپس آئے

۷ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ - ۱۰ اسفندار ۱۳۲۵ف - ۱۳ جنوری ۱۹۱۶ع پنجشنبہ

آج میں حضرت منتجب الدین صاحب قدس سرہٗ کے عرس میں جانیوالا ہوں شب کو میں نے اپنے مصاحبین کو حکم دیدیا تھا کہ صبح کو خلد آباد روانہ ہوجائیں جہاں عرس تھا۔ میں وہاں پہونچ جاؤں گا۔ چنانچہ ساڑھے ۶ بجے غبار صاحب (منتظم پیشی) ثاقب صاحب۔ مضطر صاحب۔ حسامی صاحب۔ قیس صاحب روانہ ہوگئے میں یہاں سے (۱۰) بجے بسواری موٹر روانہ ہوا میرے ہمراہیوں میں حکیم مقصود علیخاں صاحب مولوی سید عبدالرؤف صاحب اور راجندر پرشاد تھے مصاحبین دولت آباد کا قلعہ دیکھتے ہوئے ۲ بجے خلد آباد پہونچے اور درگاہ منتجب الدین صاحب میں مجھ سے ملے۔

قصبۂ دولت آباد میں جس کا پرانا نام دیوگڈھ اور فارسی تاریخوں میں دیوگیر اورنگ آباد سے نو میل ہے۔ یہاں ایک قدیم مضبوط قلعہ ہے یہاں کے راجہ کی دولتمندی کا حال سن کر سب سے پہلے علاء الدین خلجی نے سنہ ۶۹۳ھ ۱۲۹۴ء میں اس پر حملہ کیا اس کے بعد سلطان محمد شاہ تغلق شہنشاہِ دہلی نے سنہ ۷۳۸ھ ۱۳۳۷ء میں از سرنو آباد کرکے دولت آباد کے نام سے دارالسلطنت ہندوستان مقرر کیا تھا۔ اُس زمانہ میں دہلی سے یہاں تک آٹھ سو میل کا فاصلہ تھا۔ تاناشاہ اسی قلعہ کے چینائی محل میں قیدرہ کر راہی ملکِ بقا ہوئے جن کا حال آئندہ تاریخوں میں

لکھا جائے گا۔

سلطان محمد شاہ کی توجہ سے اس کو جو رونق حاصل ہوئی اس کی نسبت ابو العباس احمد ایک دمشقی سیاح نے یہ لکھا ہے۔

"اس شہر کے بہت حصے ہیں اور ہر ایک حصے میں بہت سی مسجدیں بازار وغیرہ ہیں مختلف قسم کے صناع وہاں رہتے ہیں گویا ہر ایک حصہ بجائے خود ایک آزاد اور الگ شہر ہے"۔ مشہور مغربی سیاح ابن بطوطہ نے اس کو دہلی کا ہم پلہ بیان کیا ہے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد سلطان نے اپنا دار الخلافہ یہاں سے پھر دہلی کو منتقل کیا جو گویا اس شہر کی آبادی کا پیش خیمہ تھا۔ ۸۴۹ھ ۱۴۴۵ء میں احمد شاہ بہمن نے از سر نو اس کو رونق بخشی۔ یہاں کی آب و ہوا ایسی عمدہ ہے کہ شاہ جہاں اور اورنگ زیب شاہزادگی کے زمانہ میں موسم گرما اسی جگہ بسر کیا کرتے تھے۔ مگر اب اسکی موجودہ حالت ایک گاؤں کی سی ہے جس میں ڈیڑھ دو ہزار آدمی چند کچے مکانوں میں آباد ہیں۔

اس وقت دولت آباد میں جو آثار قدیمہ ہیں ان میں سے علاؤالدین خلجی کا چار مینارہ (جس کو ستارہ کہتے ہیں) جنار دھن سوامی اور اہلیہ بائی کے مندر ایک بہت بڑا پختہ تالاب اور ایک عالی شان مسجد قابل دید ہے سب سے عمدہ عمارت یہاں کا قلعہ ہے جو عمودی شکل کا چھ سو فٹ بلند

پہاڑ کاٹ کر بنایا ہے اس کے گرد ایک عمیق خندق بھی اسی پہاڑ کو تراش کر تیار کی ہے شاہی عمارتیں قلعہ کی چوٹی پر ہیں جن میں آمد و رفت کے واسطے عمودی پہاڑ کے اندر ہی اندر ایک وسیع راستہ سرنگ کے طور پر بنا ہوا ہے مغلوں کی یادگار میں شہنشاہِ اورنگ زیب کی ایک توپ ہے جس کا نام مینڈھا توپ ہے اور بنانے والے کا نام محمد حسین عرب لکھا ہے۔ اس پر قرآن شریف کی یہ آیتیں تحریر ہیں نَصۡرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَفَتۡحٌ قَرِیۡبٌ ؕ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَاللّٰہُ خَیۡرٌ حَافِظًا ؕ گو دولت برباد ہو گیا مگر قاضی شہاب الدین دولت آبادی میر سید محمد گیسو دراز اور دیگر بزرگانِ دین جنھوں نے یہاں کی خاک میں نشو و نما پائی ہے اِن کی وجہ سے دولت آباد کا نام عرصہ تک زندہ رہے گا

روضۂ خلد آباد اور اِن بزرگانِ دین کے جو یہاں مدفون ہیں تاریخی حالات آئندہ تاریخوں میں بیان کروں گا۔ (منتظمِ مینشی) نے اجازت چاہی کہ ہم سب ایلورا کے غار دیکھ کر کل حاضر ہوں گے۔ ان کو اجازت دی اور میں وہاں سے واپس ہو کر ابو المظفر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کے مزار پر زیارت کو آیا وہاں مولوی سید عبد الرؤف صاحب نے اجازت چاہی کہ وہ بھی ایلورا کے غار دیکھ کر غبار صاحب کے ساتھ واپس ہوں گے

چنانچہ وہ بھی غبار صاحب کے پاس چلے گئے ہیں اور حکیم مقصود علیخاں صاحب اور رامچندر پرشاد اورنگ آباد کو واپس آئے پھر میں کہیں نہیں گیا اور نہ کوئی ایسی بات ہوئی جو قابلِ اندراج روزنامۂ ہذا ہوتی۔

تکمیل روزنامۂ ہذا کے لئے روضۂ خلد آباد کی وجہ تسمیہ اور وہاں کے بزرگانِ دین کے حالات و واقعات لکھنا چاہتا ہوں ان واقعات کے لکھنے میں میری پہلی کوشش یہ ہو گی کہ اگر کوئی صاحب خلد آباد کے تفصیلی حالات سے واقف ہونا چاہیں تو اِن کے دیکھنے کے بعد پھر ان کو کسی قسم کی دقت نہ اُٹھانی پڑے۔ ہر چند کہ اِس طرز تحریر میں بعض دشواریاں بھی ہیں۔ کیونکہ بزرگوں کے زیر سایہ شاہانہ سلف کے گنبد اور قبور بھی ہیں جن کے حالات لکھنے میں تاریخوں کی ورق گردانی کی ضرورت ہے مگر اس تکلیف کو احباب کے لئے خصوصاً اور پبلک کے لئے عموماً گوارا کرنے کو اپنا فرض سمجھونگا۔

روضہ او رخلد آباد کی وجہ تسمیہ

اس کی وجہ تسمیہ دریافت کرنے کے لئے میں نے تاریخ کے بہت سے ورق اُلٹے اور خلد آباد کے بزرگانِ دین کے ملفوظات کے علاوہ کتب قلمی و مطبوعہ جو میرے کتب خانہ میں موجود ہیں دیکھے لیکن اس

عنوان کے متعلق کوئی مضمون دل نشین نہ ہوا۔ کیونکہ کوئی کتاب ایسی نہیں
جس میں تفصیلی طور پر ان واقعات کا ذکر کیا گیا ہو۔ مولوی رونق علی صاحب
صدر مدرس مدرسہ خلد آباد نے کتاب روضۃ الاقطاب لکھکر ایک حد تک
اس ضرورت کو پورا کیا ہے اور خلد آباد کے حالات میں ایک کتاب
لکھی ہے جو اس وقت میرے سامنے ہے جس سے مجھے بہت مدد ملی ہے
میں نے خلد آباد کے حالات میں ان قصص و حکایات سے بھی مدد
لی ہے جو قابل اعتبار اور تاریخی تحقیق سے ملتے جلتے ہیں۔

سچ یہ ہے کہ روضہ اور خلد آباد کی وجہ تسمیہ کا پتہ قدما کی تاریخ یا بزرگوں
کے ملفوظ سے کیونکر معلوم ہو سکتا ہے سنہ ھ کے قبل تک اس پہاڑی پر
آبادی کا نشان ہی نہ تھا اور یہ پہاڑ دولت آباد کی قربت سے کوہ دولت آباد
کہلاتے تھے۔ اگر کچھ آبادی یہاں کے جنوبی پہاڑوں پر تھی وہ دولت آباد
کی خداداد شہرت سے دولت آباد ہی کی طرف منسوب تھی۔

دولت آباد اس وقت دکن کی ریاست میں اول درجے پر تھا
وہاں ہر قسم کی دنیاوی باکمال اور دینی نامور پیشوا موجود تھے انہیں نامور
بزرگوں کی فہرست میں ایک حضرت مؤمن صاحب عارف باللہ
اور دوسرے حضرت جلال الدین صاحب گنجرِ وانِ سہروردی بھی ہیں
مؤمن عارف صاحب وفات کے بعد دولت آباد کے قریب شرقی

پہاڑوں میں دفن کئے گئے اور حضرت جلال الدین صاحب دولت آباد کے شمالی آبادی کے انتہائی حدود میں ایک ٹیکری پر مدفون ہوئے اگرچہ ان دونوں مقاموں کی صورت حال بتہ دیر ہی ہے کہ آبادی سے بھری ہوئی تھی لیکن دولت آباد کے زوال کے ساتھ ہی نہ شرقی آبادی کا نشان رہا نہ شمالی کا اثر باقی رہا صرف دونوں نیک نام بزرگوں کے مزار یادگار رہ گئے۔ مومن عارف صاحب کا مزار چونکہ دولت آباد سے قریب تھا اس لئے آپ کا شمار دولت آباد کے بزرگوں میں ہوا۔ رہے جلال الدین صاحب اگرچہ اُس وقت وہ دولت آباد کے بزرگوں میں گنے گئے ہوں۔ لیکن انقلاب زمانہ سے جب وہ قلعہ زمین کا جو دولت آباد کی شمالی آبادی میں سمجھا جاتا تھا روضے یا خلد آباد کے حدودِ ارضی میں آگیا اس وقت سے حضرت جلال الدین صاحب کا شمار روضے یا خلد آباد کے بزرگوں میں ہوا۔ یہ امر مسلم ہے کہ روضے کی زمین پر پہلے حضرت جلال الدین تشریف لائے لیکن آپ کی ذات بابرکات کا اثر روضے یا خلد آباد کی آبادی پر نہیں پڑا اور کیونکر پڑ سکتا ہے۔ روزِ ازل میں جس کی قسمت میں اس نامور کا قرعہ پڑتا تھا وہ خاندانِ چشت کا ایک ممتاز بزرگ ہے جس کا نام منتجب الدین اور خطاب زرزری زربخش ہے۔ اگرچہ منتجب الدین

صاحب کے حالات بوجہ تاراجی ملفوظات ہماری معلومات میں محدود ہیں تاہم پتہ چلتا ہے کہ روضے کی آبادی کا پایہ آپ کی ذات سے پڑا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ روضے کی ابتدا حضرت منتجب الدین صاحب سے کیونکر ہوئی اور روضہ بعد کو خلد آباد کیوں موسوم ہوا۔ جب حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء صاحب نے منتجب الدین صاحب کو صاحب ولایت مقرر کر کے کثیر جماعت کے ساتھ دکن روانہ کیا اور حضرت منتجب الدین صاحب دہلی سے یہاں پہونچے اور زمین کا موقع و منظر ملاحظہ کیا تو یہ جگہ بہت پسند آئی اور ہم سفروں سمیت اسی مقام پر ہمیشہ کے لئے مقیم ہو کر اپنی روحانی کرامتوں کا جھنڈا گاڑ دیا گویا اسی وقت سے روضے کی داغ بیل پڑ گئی۔

جب منتجب الدین صاحب کا جام حیات بادۂ وصال سے لبریز ہوا بمصداق مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ مریدوں اور ارادتمندوں نے تجہیز و تکفین کے بعد قبر پر گنبد اور اس کے حوالی میں کچھ عمارت تیار کرائی۔ اسلام میں اگر کسی نبی یا امام یا ولی کی قبر پر گنبد بنایا جاتا ہے تو اس کو روضے سے تعبیر کرتے ہیں لہذا اس اعتبار سے یہ گنبد روضہ کہلایا۔

اس غیر آباد تختے پر نو تعمیر شدہ عمارت نے اطراف و اکناف میں اس قدر جلد شہرت حاصل کی کہ چند ہی روز میں کثرتِ استعمال سے وہ مقام ہی مشہور ہو گیا۔

حضرتِ منتجب الدین کس سنہ میں یہاں تشریف لائے اس کا پتہ چلتا مگر سنہ وفات سے ہم اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ روضہ کی آبادی کی ابتدا ۷۰۹ھ کے چند سال قبل سے ہوئی جس کو آج چھ سو برس سے چند سال زاید ہو چکے ہیں۔

مذکورۂ بالا بیان روضے کی آبادی کا پہلا دیباچہ ہے۔ اب آگے چلکر جو مقامی تغیر ہوا اس کے متعلق ہم اختصاراً کچھ بیان کرتے ہیں۔

منتجب الدین صاحب کی وفات کے بعد روضے (گنبد) کے اطراف کی زمین نے نظام شاہیوں کے عہد سلطنت میں (باغ روضے) سے شہرت پائی۔ کیونکہ تاریخ فرشتہ میں نظام شاہیوں کے اکثر تاجداروں کے مزار باغِ روضے میں بتائے گئے ہیں اگرچہ اس وقت باغ کے کچھ نشان نہیں پائے جاتے لیکن نظام الملک بحری اور انخان کے گنبد باغ روضے کی پوری شہادت دیتے ہیں۔ نظام الملک بحری اور انخان کے گنبدوں کے علاوہ اور بھی گنبد اور مزارات نظام شاہیوں کے ابھی قایم ہیں لیکن عدم معلومات سے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ فلاں تاجدار کا گنبد ہے

اور یہ فلاں کا مزار ہے نظام الملک بحری کا گنبد عام و خاص میں مشہور ہے اور آنکس خاں کے گنبد کی جو نشان دہی کی گئی ہے وہ اس کے کتبہ سے کی گئی ہے یہ تمام اُمور جن کا اوپر ذکر ہوا ہے وہ صرف روضے کی وجہ تسمیہ سے تعلق رکھتے ہیں اب یہ روضۂ خلد آباد کیونکر ہوا اس کو مختصراً لکھتے ہیں۔

جب ابو المظفر محی الدین اورنگ زیب غازی انار اللہ برہانہ نے احمد نگر میں ۲۸ ذیقعدہ ۱۱۱۸ھ جمعہ کی صبح کو پچاس برس دو ماہ اٹھائیس دن سلطنت کرکے اکیانوے برس تیرہ روز کی عمر میں دنیا سے کوچ کیا تو ارکان سلطنت نے نعش کو کفنا کے اُس روز خوابگاہ میں محفوظ رکھا دوسرے روز شاہزادہ محمد اعظم شاہ بہادر جو بحکم سلطان صوبہ مالوہ پر جارہا تھا اس خبر کو سنکر واپس آیا اور مراسم تعزیت کے بعد بمشائعت اُمرا نعش کو کندھے پر رکھکر ایوانِ عدالت سے باہر لاکر روضۂ مقدسہ کو کہ اورنگ آباد سے آٹھ کوس اور دولت آباد سے تین کوس ہے روانہ کیا۔

مرحوم و مغفور وصیت کے بموجب حضرت سید زین الدین صاحب کے مقبرے کے صحن میں دفن کئے گئے اور خلد مکاں سے ملقب ہوئے اُسی وقت سے روضۂ خلد آباد موسوم ہوا۔

خلدآباد میں اولیاء کرام سے حسبِ فہرستِ ذیل اولیاء مدفون ہیں۔
(۱) حضرت منتجب الدین (۲) حضرت فرید الدین ادیب (۳) حضرت فخر الدین (۴) حضرت برہان الدین اولیا (۵) سید زین الدین (۶) امیر حسن اعلائے سنجری (۷) بی بی عایشہ (۸) حضرت ضیاء الدین سنائی (۹) بابو جلال (۱۰) شاہِ خاکسار (۱۱) شاہ جلال گنجرو ان (۱۲) پیر مبارک صاحب (۱۳) حاجی نظام (۱۴) سید یوسف معروف بہ سید راجا (۱۵) سید نصیر الدین (۱۶) خواجہ حسین و خواجہ عمر و۔
سب کے حالات لکھنے کی اس مختصر میں گنجایش نہیں ہے بعض کے حالات اس روزنامہ میں ہم لکھیں گے۔
اور بادشاہوں سے سات بادشاہ ہیں۔ (۱) ابوالحسن تاناشاہ (۲) احمد نظام شاہ (۳) برہان نظام شاہ (۴) نواب نظام الملک آصف جاہ (۵) میر احمد خاں نظام الدولہ ناصر جنگ شہید۔ (۶) اورنگ زیب عالمگیر۔

آب و ہوا کے اعتبار سے دکن میں خلد آباد کوہ شملہ ہے۔ شاہ عالم بہادر نے قصبہ کے گرد سنگی فصیل تعمیر کرائی جو اس وقت جگہ جگہ سے شکستہ ہے فصیل میں چھ دروازے اور دو کھڑکیاں ہیں۔ دو دروازے جانب شمال۔ دو جانب شرق۔ دو جانب جنوب ہیں۔ جنوبی دروازہ

میں سے ایک کو نقار خانے کا دروازہ اور دوسرے کو منگل ہٹ کا دروازہ شرقی دروازوں میں سے ایک کو لنگڑے ملا کا دروازہ۔ اور دوسرے کو کنیالی دروازہ اور شمالی دروازوں میں ایک کو ہوڈری دروازہ اور دوسرے کو بانگرہ دروازہ کہتے ہیں۔ باقی دو کھڑکیاں ایک جانب شمال بانگڑے دروازہ سے پچھم اور دوسری جانب غرب متصل حوض خاص ہے۔ بانگڑے دروازہ سے شمال حصار سے باہر کوئی ہزار بارہ سو گز کے فاصلے پر حضرت منتجب الدین زرزری زربخش کی درگاہ ہے۔

حضرت منتجب الدین کا ذکر

شیخ منتجب الدین کا سلسلۂ نسبی گیارہ واسطے سے امام اعظم حضرت ابو حنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ اور شجرۂ مشیخت تیس واسطے سے حضرت امام المتقین شاہ ولایت علی علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ شیخ محمود پدر بزرگوار حضرت منتجب الدین صاحب کے چار بیٹے برہان الدین۔ منتجب الدین۔ عزیز قتال۔ ابو الفتح۔ اور پانچ بیٹیاں۔ بی خدیجہ۔ بی عائشہ۔ بی مریم۔ بی آمنہ۔ بی حمیدہ تھیں۔ ابو الفتح اور عزیز قتال کے سوا باقی سب کے مزار خلد آباد

میں ہیں۔

حضرت منتجب الدین ۶۷۵ھ میں پیدا ہوئے منتجب الدین صاحب سلطان المشائخ محبوب الٰہی نظام الدین اولیا کے اسبق خلفا اور مشاہیر اولیائے دکن سے ہیں حضرت منتجب الدین صاحب کی طبیعت ابتدا ہی سے فقر پر مائل تھی اور کمسنی میں ذکر و اشغال میں مشغول رہا کرتے تھے سلطان المشائخ حضرتِ محبوب الٰہی کی توجہ سے بہت سے مدارج فقر طے کئے۔

جب سلطان المشائخ محبوب الٰہی نے حضرت منتجب الدین صاحب کی ریاضت اور مجاہدہ ملاحظہ فرمایا تمام خلفا سے پہلے خلافت نامہ مصلیٰ عصا۔ اور خرقہ سے سرفراز فرماکر خلایق کی ہدایت کے لئے بڑی جماعت کے ساتھ دکن کو روانہ کیا۔ حضرت کو دہلی سے چلتے وقت جماعت[1] کثیر کے ساتھ ہونے سے تردد ہوا کہ اس قدر آدمیوں کا خرچ کہاں سے چلے گا اور اسی فکر و اندیشہ میں سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی کہ مجھ کو اتنی قدرت اور استطاعت نہیں ہے کہ ان سب کا کفیل ہوسکوں حضرتِ محبوب الٰہی نے مراقبہ کرکے فرمایا کہ سب کا خرچ تہجد کی نماز کے وقت انشاءاللہ تعالیٰ پہنچ جایا کرے گا۔ چنانچہ

---

[1] محمد قاسم نے تاریخ فرشتہ میں جماعت کی تعداد (۷۰۰) بتائی ہے جن میں اکثر امرا پالکی نشین تھے ۱۲۔

صاحب فرشتہ لکھتے ہیں۔ کہ ہر شب تہجد کے وقت ایک ڈبہ سونے سے بھرا ہوا غیب سے ملتا تھا۔ اور حضرت منتجب الدین صاحب صبح اسکو بیچکر فقراپر خرچ کرتے تھے اس وجہ سے زرزری زربخش خطاب ہوا۔

فہرست اُن حضرات کی جنکا آنا منتجب الدین صاحب کے ساتھ مشہور ہے

سلسلہ	نام	کیفیت
۱	۲	۳
۱	خواجہ محمد صاحب	منتجب الدین صاحب کی قبر اور ان کا مزار ایک گنبد میں ہے پیر بھائی تھے۔
۲	خواجہ شمس الدین صاحب	منتجب الدین صاحب کی گنبد کے باہر شرقی دیوار سے ملی ہوئی قبر ہے۔ حضرت کے بھانجے تھے۔
۳	خواجہ سراج الدین صاحب	منتجب الدین صاحب کے ماموں تھے بھائی بہنوں کے مزار ایک گنبد میں ہیں۔
۴	سید کبیر صاحب	منتجب الدین صاحب کے اُستاد اول تھے۔ سرہانے کے باولی کے پچھم قبر ہے۔
۵	صدر الدین بھکری	صدر الدین اور فخر الدین کے قبور درگاہ سے باہر شمال کی طرف لب سڑک ہے۔

٦	فخرالدین بھکری	صدرالدین اور فخرالدین کے قبور درگاہ سے باہر شمال کی طرف لب سڑک ہے ۔
٧	ظہیرالدین بھکری	نشان (٧) سے (١٠) تک چاروں حضرات کے مزار چہار دہ صد اولیا والی مسجد میں ہیں اور یہ سب منتجب الدین صاحب کے پیر بھائی مشہور ہیں ۔
٨	حسام الدین بھکری	
٩	بہاءالدین بھکری	
١٠	سراج الدین بھکری	
١١	پیر بدرالدین نولکھی	منتجب الدین صاحب کے پیر بھائی تھے ۔
١٢	کمال الدین صاحب الخیرات	
١٣	سید کبیر اُستاد دوم	کمان سے باہر لب سڑک پورب کی طرف برگد کے درخت کے نیچے مزار ہے ۔

ان کے علاوہ حضرت کی والدہ اور بہنیں اور دولت شاہ درباری کا حضرت کے ساتھ آنا مشہور ہے اور یوں تو خدام صدہا قبور کی نشاندہی کرتے ہیں ۔ ساتویں ربیع الاول ۷۰۹ھ پنجشنبہ کے دن چونتیس برس کی عمر میں انتقال فرمایا ۔ شہنشاہ اولیاء مادۂ تاریخ ہے ۔

منتجب الدین صاحب کی درگاہ کے دو احاطے میں گنبد ہے وہ دوسرے سے چھوٹا اور بلند ہے قبر پر گنبد اور پہلو میں خواجہ محمد صاحب

آسودہ ہیں۔ قبر کے سرہانے دیوار پر کتبہ ہے۔

کتبہ بر بالین حضرت منتجب الدین صاحب قدس سرہ

برہانِ شرع حجتِ حق مقتدائے دین	قطب المدار غوثِ زماں شیخ اتقیاست
ہم حاجبِ مقرب درگاہِ کبریاست	ہم رہبر مشائخ و ہم ختم اولیاست
امروز دست شیخی او برتر از ہمہ	آں دم بساط مجلس او حد تا دبیست
بودہ دریں جہان ہمہ را التجا بدو	ایندم پناہ و ملجاء ارواح اصفیاست
بودہ ست شاد خاطر ما در لقائے او	امروز قدسیان را شادی ازاں لقاست
بر اولیائے حق نبود مرگ شیخ ما	زندہ است لیک پردہ اندر میان ماست
بیند کسیکہ دیدۂ روح آورد بدست	دارد حیات خوب چنیں دیدہ ہر کراست
او بد پناہِ عالمیاں بعد ازیں رویم	در روضۂ مقدس او کاں پناہ ماست

گنبد کے اندر چند قرآنِ مجید اور ایک فولادی آئینہ تاناشاہی اور قبر پر زری بوٹی کا غلاف اور گنبد ہی کے اندر مخملی شامیانہ لگا ہوا ہے۔ حضرت کی قبر ہمیشہ تین غلافوں سے ڈھکی رہتی ہے نیچے کا غلاف سفید ململ کا عطریات و بخورات سے معطر اور بیچ کا غلاف سادہ نین سکھ وغیرہ کا اور اوپر کا غلاف قیمتی اطلس یا کمخواب یا ریشمی کپڑے کا ہوتا ہے

گنبد کے سامنے سنگِ سیلوا اور سنگِ موسیٰ کا فرش ہے ۔

درگاہ کے اطراف میں جن بزرگوں کے مزارات ہیں مجملاً ہم اُن کا بھی اظہار کرتے ہیں حضرت کی درگاہ کے دوسرے احاطے کے شرقی حصے کے باہر حضرت سید کبیر صاحب اور اس سے شمال لبِ سڑک حضرت فخرالدین اور صدرالدین بھکری کی قبریں ہیں اگر ہم اُن حضرات کی زیارت کر کے پھر اسی احاطہ میں واپس آئیں اور دولت شاہ درباری اور اُن کے بھائی بھیکا شاہ بھکاری کی قبر پر فاتحہ پڑھتے ہوئے جنوبی حصے کے دروازہ سے تخمیناً دو سو قدم دور کوہ ہوڑہ کے دامن میں جائیں تو پیر بدرالدین نولکھی کی زیارت سے مشرف ہوں گے اور اگر جنوبی حصے کی غربی دیوار کے دروازہ سے باہر جائیں تو ایک ایسی چار دیواری میں نکلیں گے جس میں مولانا فریدالدین ادیب فخرالدین شمس الملک خواجہ مبارک غوری اور فریدالدین یگانہ کے مزارات ہیں یہ چاروں بزرگوار حضرت برہان الدین اولیا صاحب کے سچے ارادتمندوں میں تھے ۔ ان سب بزرگواروں کے حالات فرداً فرداً لکھے جائیں تو ایک دوسری کتاب لکھنے کی ضرورت ہوگی ۔

ذکر سیّد یوسف معروف بہ سیّد راجا

سید محمد صاحب گیسو دراز کے والد ہیں اب اس وقت سید یوسف صاحب سید راجو قتال حسینی مشہور ہیں ۷۲۵ھ میں دہلی سے دولت آباد آئے اور بقیہ زندگی حضرت برہان الدین اولیا کی صحبت بابرکت میں بسر کی۔ سید صاحب کی تصانیف میں مثنوی راجا معروف و مشہور ہے راجا تخلص کرتے تھے ان کے کلام کا نمونہ ذیل میں درج ہے:۔

غزل راجا

روئے کہ دیدہ ام من اندر عیاں نگنجد	حسن و جمالِ آں رو اندر جہاں نگنجد
آں روئے محض مطلق بے چون و بیچگونہ	از وہم و فہم بیروں صورت در آں نگنجد
اندر کنار جاناں اسرار ہا بہ گفتم	جبریل یا ملائک اندر میاں نگنجد
پرواز مرغ قدسی جز لامکاں نباشد	ایں مرغ لامکانے اندر مکاں نگنجد

اندر جمالِ جاناں راجا مدام غرق است
از فرح ایں مراتب اندر جہاں نگنجد

پانچویں شوال ۷۳۱ھ میں سید صاحب نے وفات پائی۔ عرس وغیرہ کیلئے

زمین انعام کے علاوہ چار سو پچیس روپیہ سالانہ گلبرگہ سے ملا کرتے ہیں
اِن کے احاطے کی غربی دیوار کے شمالی حصے میں مسجد ہے مسجد
کی پشت پر ایک چشمہ ہے جس کا پانی خلد آباد کے تمام چشموں سے
زیادہ شیریں خوشگوار لطیف ہی خلد آباد کو آب و ہوا کی لطافت سے جو
شہرت حاصل ہے وہ عام خیال میں اسی پانی اور اسی مقام کی ہوا
سے ہے۔ موسم گرما میں چشمہ خشک ہو جاتا ہے ۔

ذکر حضرت بُرہان الدین اولیا

بُرہان الدین اولیا صاحب کا سلسلہ منتجب الدین صاحب کے سلسلے سے
ملتا جلتا ہے حضرت کی پیدایش ۶۵۴ھ کی ہے مقام ولادت ہانسی ہے
بچپن سے کیمیا سیکھنے کا شوق اور شیخ کامل کی تلاش رہتی تھی ۔ اسی
تلاش میں ہانسی سے دہلی آئے ۔ رفتہ رفتہ شیخ المشائخ حضرت محبوب
الٰہی کی خدمت میں پہنچے حضرتِ محبوب الٰہی نے کشفِ باطنی سے
ارادہ معلوم کر کے ایک روز فرمایا کہ بُرہان الدین استنجے کے واسطے
مٹی کا ڈھیلا لا شیخ کے حکم سے یہ باہر آئے اور ایک مقام سے
مٹی کا ڈھیلا اُٹھایا۔ وہ ڈھیلا سونے کا نظر آیا فوراً پھینک دیا۔ دوسرا
اُٹھایا وہ بھی سونا معلوم ہوا۔ اس کو بھی پھینکا اور آگے بڑھے یہاں تک

کہ ڈھیلے کی تلاش میں دور تک نکل گئے۔ اور جس مقام سے ڈھیلا اُٹھایا
سونا ہی نظر آیا۔ جب کہیں ڈھیلا نظر نہ آیا۔ مجبور ہو کر شیخ کی خدمت میں
حاضر ہو کر حقیقت عرض کی سلطان المشائخ نے فرمایا کہ برہان الدین
جو شئے کہ استنجے کے بھی کام نہ آئے اس کی خواہش عبث ہے
برہان الدین نے اسی وقت کیمیا سیکھنے کا خیال دل سے اُٹھا دیا
اور فقر کی طرف متوجہ ہوئے ۶۹۳ھ میں حضرت محبوب الٰہی کے مریدوں
میں داخل ہوئے اور حضرت کے مریدوں اور معتقدوں میں ممتاز
تسلیم کئے گئے جس روز شاہ منتجب الدین کا دولت آباد میں انتقال ہوا
حضرت محبوب الٰہی وضو کر رہے تھے۔ اور برہان الدین اولیاء
صاحب آئین ارادتمندی سے آفتابہ لئے ہوئے پانی ڈال رہے تھے
دفعتًا حضرت کا چہرہ متغیر ہوا اور فرمایا کہ تمھارے بھائی کی عمر کیا تھی
تم سے چھوٹے تھے یا بڑے برہان الدین نے فراست باطنی اور
خداداد عقل سے فورًا دریافت کرلیا کہ منتجب الدین کا انتقال ہوا۔
دوسرے روز سوم کی زیارت کا سامان فراہم کر کے مجلس میں حاضر کیا
حاضرین نے استعجابًا اس سامان کا سبب پوچھا برہان الدین اولیائے
کہا کہ کل شیخ کی زبان مبارک سے ارشاد ہوا تھا کہ منتجب الدین تم سے
چھوٹے تھے یا بڑے میں نے اپنی عقل سے سمجھا کہ منتجب الدین کا

انتقال ہوا اس واسطے کہ لفظ (تھا) زمانۂ گذشتہ پر دلالت کرتا ہے
مجلس میں خود حضرتِ محبوبِ آلٰہی بھی تشریف لائے تھے اسی مجلس
میں فرمایا کہ ہم نے تمکو منتجب الدین کی جگہ مقرر کیا تم کو چاہیئے کہ
دولت آباد چلے جاؤ برہان الدین اولیا نے سات سو۔ اور بہ روایتے
چودہ سو آدمیوں کی جماعت کے ساتھ دکن کی تیاری کی حضرتِ
محبوب آلٰہی نے خرقہائے خلافت اور نعمتِ باطنی سرفراز فرمانیکے
سوا پانچ نصیحتیں کیں

(۱) جو خرقہائے خلافت تم کو اماناً دی گئی ہیں۔ مولانا داؤد حسین
(زین الدین) کو پہنچا دینا۔

(۲) والدہ کی خوشی ہر کام پر مقدم رکھنا اور اس کو رحمتِ حق
تصور کرنا۔

(۳) جمعہ کی نماز ترک نہ کرنا۔

(۴) ہمیشہ مجرد رہنا۔

(۵) میری پیرزادی صاحبہ کی خدمت اور خبرگیری سے۔
(جو دولت آباد میں ہیں) غافل نہ رہنا۔

الغرض شیخ برہان الدین اولیا صاحبِ مسکن مالوف اور
پیر کے آستانہ سے ہجرت کرکے دولت آباد روانہ ہوئے۔ قطعِ مراحل

ومنازل کے بعد ایک روز ایک جنگل فرح بخش میں ایک گاؤں نظر سے گذرا رات کو وہیں آپ نے قیام فرمایا - اس موضع کے کنارے تاپتی ندی میں ایک تپھر پر بیٹھ کر وضو کیا اور وہیں نماز جماعت ادا کر کے یہ دعا کی کہ خدایا اس مقام پر ایک شہر آباد کر - دعا پایۂ اجابت کو پہنچی چند روز بعد وہ مقام آباد ہو کر برہان پور مشہور ہوا - نماز صبح پڑھ کر وہاں سے کوچ کیا اور چند روز بعد ۷۱۸ھ یا ۷۲۰ھ میں دولت آباد قدم رنجہ فرما کر وہاں کے ساکنین و متوطنین و علما و فقراء کو اپنے لقائے با صفا سے مشرف کیا تراسی برس کی عمر میں ۱۱ صفر ۷۳۸ھ چہار شنبہ کے دن انتقال فرمایا - غلام علی آزاد بلگرامی نے قطعۂ تاریخ وفات لکھا ہے جو محض تاریخی صوری ہے قطعہ

اربعا بود و یازدہ ز صفر — ہفصد و سی و ہشت بود ز سال
کہ ندا آمد از سرادق قدس — بسوئے شیخ ما تعال تعال

مزار مبارک کے قصبہ کے اندر گوشۂ جنوب و غرب میں ہے قبر پر گنبد ہے گنبد کے باہر شرقی دیوار پر گنبد کی تاریخ کندہ ہے اور یہ بھی مخفی صوری ہے

بین بدار الملک ہند آسودہ سلطان غریب — شاہِ دین و قطب عالم شیخ برہان غریب
خادم درگاہِ سلطان میر کا کا شاد بخت — کز وفا بست ست دل بر عہد پیمان غریب
کردہ از اخلاص وافر آن نکو سیرت بنا — روضۂ رضوان صفت از بہر مہمان غریب

شدمرتب این چنین قبرے و ایوانِ عزیز	سال ہفصد بود و چل چار دگر گر فضلِ حق
بندہ برہانی برین مکتوب و عنوانِ عزیز	از پئے تاریخ شداین نظم مکتوب و نبشت

گنبد کے سامنے چند تختے سنگ سیلو کے نصب ہیں ایام عرس میں اُن پر چھوٹا سا خیمہ لگا دیا جاتا ہے ۔

سنگ سیلو کے بعض بعض تختوں پر چاندی کے کیلوں کے نشان ہیں جن کی نسبت یہ مشہور ہے کہ جبتک خدام درگاہ کو جاگیر ملی تھی یہ کیلیں بڑھ جایا کرتی تہیں خدامِ درگاہ وقت معینہ پر انہیں کاٹ کر درگاہ کے اخراجات اور نیز اپنے مصارف پورا کیا کرتے تھے جب سے جاگیر کا سلسلہ ہوا کیلیں نکلنا موقوف ہوگئیں صرف نشانات باقی رہ گئے ہیں عرس حضرت کا ۸ ؍ صفر سے شروع ہو کر ۱۲ ؍ صفر کو ختم ہوتا ہے ۔

ذکر حضرت سید زین الدین صاحب قدس سرہٗ

اِن کا نام سید داؤد حسین ہے شیخ کی طرف سے زین الدین لقب مِلا سنہ ۷۰۱ھ میں ارضِ فارس کے مشہور شہر شیراز میں پیدا ہوئے سات برس کی عمر تھی کہ والدہ کا انتقال ہوا کمسنی ہی میں برہنمائی توفیقِ رفیق مولانا نصیر الدین اور شہاب الدین کے ساتھ حج کا ارادہ کیا اور وطنِ مالوف کو خیر باد کہکر سیدھے عرب پہنچے اور حرمین شریفین

کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ چونکہ پردۂ تقدیر میں آپ کے ابواب کا فتح ہونا حضرت برہان الدین اولیا صاحب کی کلید پر موقوف تھا اس لئے ملکِ عرب سے ہندوستان کے دارالخلافت دہلی میں آئے۔ اور کلام پاک کو تھوڑی مدت میں حفظ کر کے تحصیل علم پر توجہ کی اور مولانا کمال الدین سامانہ اور نیز دیگر علمائے دہلی سے علم حاصل کر کے سند فضیلت حاصل کی۔

جسوقت سلطان محمد تغلق نے دہلی والوں کو (دیوگڈھ) دولت آباد روانہ کیا آپ بھی مولانا کمال الدین سامانہ کے ساتھ دولت آباد آئے دولت آباد میں آپ کی خداداد علم و لیاقت کی شہرت ہوئی بڑے بڑے علما و طلبہ بغرض استفادہ حاضر خدمت ہونے لگے لیکن مشائخ فیوضہ سے کہ معرفت اور حقیقت کے رہبر ہیں۔ احتراز اور پرہیز رکھتے اور ان کی نسبت اکثر طنزیہ کلمات فرمایا کرتے تھے اُسی زمانہ میں شیخ برہان الدین غریب کی مشیخت کے نقارے کی آواز عالم میں گونج رہی تھی اور اُن کے سرود و سماع کا غلغلہ ملاءِ اعلیٰ تک پہنچا تھا۔ یہ خلافِ شرع سمجھکر اعتراض کیا کرتے تھے مگر کششِ باطنی رفیق حال تھی بُرہان الدین کیخدمت میں حاضر ہو کر ۷۳۶ھ میں بعیت کی جب بعیت کے لئے حاضر خدمت ہوئے قدم پر سر جھکایا شیخ برہان الدین

اولیانے استہزاءً فرمایا کہ اے داؤد حسین یہ فعل شریعت غرا میں جائز نہیں ہے سید صاحب نے جواب دیا کہ جب تک میں اس طریقہ کو نامشروع جانتا تھا نعمتِ باطنی سے محروم تھا۔

دست از طلب ندارم تا کار من برآید	یا جاں رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

منقول ہے کہ جس وقت حضرت خواجہ عثمانِ ہارونی کی وفات کا وقت قریب آیا فرمانِ اجازت اور دو خرقہ خلافت سے حضرت خواجہ معین الدین چشتی کو سرفراز کرکے فرمایا کہ ایک خرقہ تمھارے لئے ہے اور دوسرا بطریق امانت تمھارے پاس رہیگا جو سلسلہ بہ سلسلہ سید داؤد حسین کو پہنچیگا چنانچہ خواجہ خواجگان نے تاحیات اس کو اپنے پاس امانت رکھا۔ جب خواجہ صاحب کی رحلت کا زمانہ آیا حسبِ ارشاد پیر خرقہ امانت مع اپنے خرقہ اور فرمانِ اجازت کے حضرت قطب الدین بختیار کاکی کے سپرد کیا اور حضرتِ قطب الدین سے خواجہ فرید الدین گنج شکر صاحب کو اور اُن سے حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کو بہ تسلسل وہ خرقہ امانت معہ خرقہائے پیران طریقت ملتے آئے جسوقت حضرت نظام الدین اولیا نے شیخ برہان الدین اولیا کو دولت آباد روانہ کیا خرقہائے پیرانِ طریقت معہ خرقہ امانت دیکر ارشاد فرمایا کہ عنقریب مولانا داؤد حسین شیرازی تمھارے سلسلہ میں

داخل ہوں گے یہ خرقہ امانت اپنے خرقۂ خلافت اور خرقہ ہائے
پیرانِ طریقت کے ساتھ اِن کو دینا۔
جسوقت داؤد حسین (زین الدین) ۷۳۶ھ میں داخلِ بیعت ہوئے
اور پیر پرستی اور مرشد کی خدمت کا ارادہ کرکے عزلت اور خلوت کے
طلبگار ہوئے شیخ برہان الدین اولیا نے بعد ترتیب ریاضت و مجاہدات
و شغل و اشتغال ذکر واذکار خرقہائے خلافت اور نعمت ولایت سے
جو سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی سے مسلسل پہونچے تھے
۱۸ ربیع الآخر ۷۳۷ھ میں سرفراز فرمایا اور زین الدین خطاب دیا
۲۵ ربیع الاول ۷۷۱ھ یکشنبہ کے دن انتقال فرمایا۔ ۲۶ ربیع الاول
دوشنبہ کے دن دفن ہوئے۔

امیر حسن اعلائی سنجری

میرحسن یا امیرحسن۔ نام نجم الدین باپ کا نام اعلائے سنجری۔
اعلائے سنجری سیستان سے دہلی آئے میرحسن دہلی میں پیدا ہوئے
شعرگوئی کے کمال سے ہمعصر شعرا پر سبقت لے گئے۔ سلطان
غیاث الدین بلبن اور اس کے بیٹے محمد سلطان خاں شہید کی
مدح میں بہت سے قصائد لکھے ہیں ہندوالوں نے اِن کو سعدی ہند

کہا ہے - میر صاحب کے اشعار اگرچہ بادی النظر میں آسان معلوم ہوتے ہیں لیکن کہنے میں دشوار ہیں اس لئے سہل ممتنع کہے گئے ہیں -

اِن کے کلام کے متعلق اکثر نامی شعرا نے پسندیدہ رائیں دی ہیں چنانچہ جامی کا قول ہے کہ غزل گوئی میں میر حسن کا خاص طرز ہے - غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں کہ ان کے اشعار نمک ریز جراحتِ عشاق ہیں - ملک الشعرا فیضی کا قول ہے کہ میر حسن اشعار میں ایک آن اور ادا رکھتا ہے - حضرت نظام الدین محبوب الٰہی کو جب گانا سننے کا شوق ہوتا تو قوالوں سے فرماتے کہ میر حسن کا شعر پڑھو - ایک دن نظام الدین اولیا حضرت قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ کی زیارت کرکے حوض شمسی کے کنارے تشریف لائے شیخ برہان الدین بھی ہمراہ تھے - میر حسن کو دیکھا کہ دوستوں کے ساتھ مے نوشی میں مشغول ہیں - شیخ نظام الدین اولیا کو دیکھتے ہی سامنے آئے اور یہ اشعار پڑھے - اشعار

سالہا باشد کہ ما ہم صحبتیم	گر ز صحبتہا اثر بودے کجاست
زہد تاں فسق از دل ما کم نہ کرد	فسق ما یاں بہتر از زہد شماست

حضرت نے یہ سُنکر فرمایا صحبت حسنِ نیت سے اثر رکھتی ہے انشاءاللہ

بہت جلد وہ وقت آئے گا کہ صحبت کا اثر ہوگا۔ ذی اثر بزرگوں کا کلام بھی موثر ہوتا ہے یہ سنتے ہی میر صاحب سر برہنہ قدموں پر گرے اور منہیات سے توبہ کرکے مرید ہوئے۔ اس وقت حضرت محبوب الٰہی نے یہ شعر پڑھا **شعر**

اے حسن توبہ آں زماں کردی	کہ ترا طاقتِ گناہ نماند

میر صاحب حسن بےمثال اور عقل کمال رکھتے تھے امیر خسرو کو ان سے عشق تھا۔ چند روز کی یکجائی سے امیر خسرو اور میر صاحب کا اتحاد عشق کی حد سے متجاوز ہوگیا۔ دونوں نے ملتان میں محمد سلطان خاں شہید پسر غیاث الدین بلبن کی ملازمت کی امیر خسرو مصحف برداروں میں اور میر حسن دوات برداروں میں نوکر ہوئے جسوقت سلطان خاں دہلی آیا یہ بھی ہمراہ آئے۔ رفتہ رفتہ دونوں کی صحبت کا چرچا ہوا بادشاہ کو غمازوں نے خبر دی کہ یہ دونوں اس قابل نہیں ہیں کہ شاہ یا شہزادوں کے پاس رہیں امیر خسرو نے اسی وقت ایک غزل نظم کی جسکا ایک شعر یہ ہے۔

زین دل خودکام کار من برسوائی کشید
خسروا فرمانِ دل بردن ہمیں بار آورد

القصہ سلطان خاں شہید نے مصلحت سمجھ کر میر صاحب کو امیر خسرو کے

پاس جانے سے منع کر دیا۔ چونکہ محبت جانبین میں کمال کو پہنچ گئی تھی بادشاہ کی ممانعت سے کوئی فائدہ نہ ہوا اور بادشاہ سے رخصت ہو کر میر صاحب سیدھے امیر خسرو کے پاس پہنچے سکھانیوالوں نے پھر بادشاہ کو خبر کی اس مرتبہ بادشاہ نے میر صاحب کو بلا کر چند کوڑے مارے میر صاحب کوڑے کھا کر پھر امیر خسرو کے پاس پہونچے جب سلطان خاں کو اس کی خبر ہوئی تعجب کیا حاضرین دربار سے ایک شخص نے جو اس حقیقت سے واقف تھا بادشاہ سے عرض کیا کہ امیر خسرو کی محبت مجازی حقیقت سے آراستہ ہوگئی ہے بادشاہ نے امیر خسرو کو طلب کر کے پوچھا کہ تمھاری محبت کیسی محبت ہے امیر خسرو نے جواب دیا کہ ہم دونوں کے درمیان سے دوئی کا پردہ اٹھ گیا ہے سلطان شہید نے گواہ طلب کیا۔ امیر خسرو نے آستین سے ہاتھ نکالکر دکھایا اور کہا۔ مصرع

گواہ عاشق صادق در آستین باشد

سلطان خاں شہید نے دیکھا کہ امیر خسرو کے ہاتھ پر کوڑوں کے نشان ہیں متحیر ہوا۔ امیر خسرو نے اسیوقت یہ رباعی پڑھی۔

عشق آمد و شد چو خونم اندر رگ و پوست
تا کرد مرا تہی و پر کرد ز دوست

اجزائے وجودم ہمگی دوست گرفت
نامیست مرا بر من و باقی ہمہ اوست

امیر صاحب نے ۲۹ صفر ۹۳۸ھ میں وفات پائی مادہ تاریخ
مخدوم الاولیاء ہے
۹۳۸ھ

حصار سے باہر گوشۂ جنوب اور غرب میں تخمیناً (۵۰۰) قدم کے فاصلے دفن کئے گئے - ۲۹ صفر کو عرس ہوتا ہے - مزار پر ہر پنجشنبہ کو حاجتمندوں کا ہجوم ہوتا ہے - کند ذہن طلبہ آستانہ پر شکر چاٹتے ہیں کہ غبی الطبیعت کے ذہن کو جودت حاصل ہو -

میر صاحب کا کلام وارفتگان منزل سخنوری کے لئے ایک روحانی غذا ہے نظم و نثر سے ان کا کشکول بھرا ہوا ہے ہم یہاں صرف ایک غزل ضیافت طبع ناظرین کے لئے درج کرتے ہیں ؎

اے ماہ خوباں یک شبے با خویش مہماں کن مرا
در آفتاب روئے خود چوں صبح خنداں کن مرا
دارم دلے آتشکدہ آخر خلیل من توئی
بر من فروزاں یک دمے آتش گلستاں کن مرا
افگند زلف کافرت اشکالہا در دین من
یکبار بنما روئے خود از سر مسلماں کن مرا

درکنجِ فرقت سالہا داد و ستاں نالیدہ ام
بر تختِ وصلت اے پری یک شب سلیماں کن مرا
از زہد خشک خویشتن ہستم بر آں اول قدم
زاں مے کہ چشمت مست شد امروز غلطاں کن مرا
گہہ ناز گاہے عربدہ چندیں چہ زارم میکشی
لب بالبِ من بندہ نہ جاں کندن آساں کن مرا
مسکیں حسن میگویدت اے وقت مشتاقِ تو خوش
گر من زایشاں نیستم در کارِ ایشاں کن مرا

ذکر حضرت امیر خسرو قدس سرہٗ

ضرورت نہ تھی کہ برہان الفضلا سلطان الشعرا امیر خسرو کے حالات بھی اس کتاب میں لکھے جائیں اس لئے کہ یہ ایک سفرنامہ ہے اور اسمیں خلد آباد کے بزرگانِ دین کے حالات ہیں امیر خسرو کا مزار دہلی میں ہے چونکہ امیر حسن اعلائی سنجری اور امیر خسرو کی زندگی ایک دوسرے سے وابستہ ہے اور بقولِ امیر خسرو کے :-

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی   تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

لہذا اسی مناسبت سے ہم بھی میر صاحب کے حالات کو امیر خسرو کے حالات سے جدا نہیں کرتے مجملاً۔ اِن کا حال بھی یہاں درج کرتے ہیں اِن کا اصلی نام ابوالحسن خسرو تخلص۔ امیر سیف الدین کے بیٹے ہیں۔ امیر سیف الدین بلخ کے امیرزادوں میں سے تھے جو چنگیز خاں کے زمانہ میں ہندوستان میں آئے۔

امیر سیف الدین پچاسی برس کی عمر میں ایک لڑائی میں شہید ہوئے اس وقت اِن کی عمر نو برس کی تھی باپ کی شہادت میں جو مرثیہ نظم کیا ہے بہایت ہی درد انگیز ہے ہم صرف مطلع لکھتے ہیں۔

سیف از سرم گذشت دلِ من دو نیم شد
دریائے خوں رواں شد و دُرِّ یتیم شد

اِن کے نانا عماد الملک نے جو اولیائے کاملین سے تھے اور جن کی عمر ایک سو تیرہ برس کی تھی اِن کی پرورش کی امیر خسرو کا زیادہ وقت اگرچہ اُمرا اور بادشاہوں کی صحبت میں گذرتا تھا لیکن دلی رجحان مشائخ صوفیہ کی طرف تھا اور اسی سبب سے حضرت شیخ نظام الدین اولیا محبوبِ الٰہی سے اِن کا اعتقاد متجاوز الحد تھا حضرت نظام الدین اولیاء کو بھی امیر خسرو سے بڑھکر کوئی یار وفادار اور محبوب و مطلوب نہ تھا حضرتِ محبوبِ الٰہی امیر خسرو کو اکثر ترک اللہ کے خطاب سے یاد فرماتے تھے

چنانچہ خسرو کی ان ابیات سے ظاہر ہوتا ہے۔

بر زبانت چوں خطاب بندہ ترک اللہ رفت
دست ترک اللہ بگیر و ہم باللّٰہش سپار
چوں من مسکیں ترا دارم ہمیںنم بس بود
شیخ من بس مہربان و خالقم آمرزگار

چونکہ حسن اور لطافت اور موسیقی میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے اس وجہ سے بعض اوقات ترک اللہ کے سوا مفتاح السماع بھی کہکر خطاب فرماتے تھے شب بیدار تہجد گذار تھے۔ چالیس سال صائم الدھر رہے۔ شیخ کے ساتھ حج بھی کیا۔ صاحب سفینۃ الاولیا لکھتے ہیں کہ امیر خسرو کے سینۂ بے کینہ کے سوز اور آتش عشق نے ان کے دل میں اس طرح جگہ کی تھی کہ ہمیشہ پیراہن قلب پر جلا ہوا رہتا تھا جب کبھی نیا کپڑا زیب تن فرماتے تھے قلب پر جل جاتا تھا۔ نظام الدین اولیا کے نزدیک جو منزلت امیر خسرو کی تھی اور مقام خلافت میں جو شان اور عزت امیر خسرو کی تھی دوسرے بہت دور تھے حضرت اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اے ترک اللہ میں اپنے وجود سے رنجیدہ ہوتا ہوں مگر تجھ سے رنجیدہ نہیں ہوتا۔

امیر خسرو استادان ماضیہ کی نسبت اکثر طعنہ آمیز کلمات کہا کرتے تھے اور حضرت محبوب الٰہی ہمیشہ منع کیا کرتے تھے جس وقت حضرت نظامی علیہ الرحمۃ

کے خمسے کا جواب لکھا سلطان المشائخ نے ڈرایا۔ عرض کی کہ میں آپ کی پناہ میں ہوں انشاء اللہ تعالیٰ کوئی صدمہ نہ پہونچے گا۔ اتفاقاً اسی خمسے کی ایک بیت کے جواب میں جس وقت یہ بیت کہی ؎

کوکبۂ خسرویم شد بلند
غلغلہ در گورِ نظامی فگند

فوراً ایک ننگی تلوار نمودار ہوئی۔ امیر خسرو نے حضرتِ محبوب الٰہی اور شیخ فرید گنجشکر کو یاد کیا۔ اسی وقت ایک ہاتھ ظاہر ہوا اور اُس نے تلوار کا وار اپنے پر لیا تلوار آستین کاٹتی ہوئی قریب کے ایک درخت پر جا پڑی اس واقعہ کے بعد ہی امیر خسرو شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کیفیت عرض کرنی چاہی شیخ نے اِن کے کہنے سے پہلے کٹی ہوئی آستین دکھلائی۔ خسرو نے سرِ نیاز قدموں پر رکھدیا۔ حضرتِ محبوب الٰہی نے اُسی وقت یہ رُباعی فرمائی۔ رُباعی

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خواست
ملکیت ملک سخن از خسروِ ماست
این خسرو ماست ناصر خسروِ نیست
زیرا کہ خدائے ناصر خسرو ماست

جب شیخ نظام الدین اولیا کا زمانۂ وصال قریب آیا۔ ایک دن فرمایا کہ

خسرو میرے بعد دنیا میں بہت کم رہے گا جب وہ مرے تو اس کو
میرے پہلو میں دفن کرنا کیونکہ وہ میرا محرم راز ہے۔ اگر یہ جائز ہوتا کہ
دو شخص ایک قبر میں دفن ہوں تو میں وصیت کرتا کہ خسرو کو میری
قبر میں دفن کرنا تاکہ ہم دونوں ایک جگہ رہیں جس وقت سلطان المشائخ
کا وصال ہوا خسرو بادشاہ کے ساتھ بنگالے میں تھے وفات کی خبر
سنتے ہی سارا اسباب راہِ خدا میں دیدیا۔ ملازمت چھوڑ کر دہلی آئے
اور سیاہ لباس پہنکر شیخ کی قبر کے پائین چھ ماہ رنج والم میں گزارے
آخر بیسویں ذیقعدہ ۷۲۵ھ ہجری روز جمعہ و بروایتے ۱۷ ادشوال ۷۲۵ھ
کو چوراسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ انتقال کے بعد بموجب وصیت
لوگوں نے شیخ کے پہلو میں دفن کرنا چاہا۔ ایک امیر نے کہا کہ امیر خسرو
کی قبر شیخ کے پہلو میں ہوگی تو زائرین کو شبہ ہوگا اس لئے شیخ کی قبر کے
پائین مدفون ہوئے

طوطی شکر مقال۔ مادہ سال وفات ہے
۷۲۵ھ

خلد آباد کے بزرگانِ دین کے حالات لکھنے میں یہ روزنامہ تاریخی کارنامہ
ہوا جاتا ہے اس لئے اب میں اُن واقعات کی تحریر کی حد سے آگے
بڑھتا ہوں اور مجملاً اُن بادشاہوں کے حالات کو ناظرین کے سامنے
پیش کرتا ہوں جو اپنی ظاہری دنیوی حکمرانی کے دائرہ سے نکل کر نتیجہ

قضا میں پھنسے ہوئے ایک مجبوری و بے بسی کے عالم میں ہزاروں من مٹی کے نیچے پڑے ہیں اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس حال میں ہیں۔

مجھے افسوس اس کا بھی ہے کہ میں اپنے اس روزنامچہ میں کسی فرمانروا کی جبروتی لائیف پر تفصیلی روشنی نہیں ڈال سکتا کیونکہ یہ ایک سفرنامہ ہے نہ کوئی تاریخی کارنامہ مجھے صرف اس لئے ان کے واقعات سے یکے از ہزار واقعہ لکھکر اس کمی کو پورا کرنا ہے کہ سرزمین خلد آباد میں جہاں باطنی ولایت کے حکمرانوں نے اپنی حکومت کا جھنڈا گاڑا ہے وہیں ظاہری سلطنت وحکومت کے تاجدار بھی انہیں کے روحانی سایہ میں اپنے دائمی اور زمین دوز مکانوں میں لیٹے ہوئے اپنی جبروتی زندگی کے کارنامے دنیا کے سامنے عبرت سے بھرے ہوئے الفاظ میں پیش کر رہے ہیں ان بادشاہوں کی فہرست میں جن میں ابوالحسن تاناشاہ۔ احمد نظام شاہ۔ برہان نظام شاہ نواب نظام الملک آصفجاہ۔ میر احمد خاں نظام الدولہ۔ ناصر جنگ شہید اور اورنگ زیب عالمگیر ہیں۔

اورنگ زیب عالمگیر کا نام سونے کے جلی حرفوں میں لکھا ہوا ہے مورخین نے اس بادشاہ کی تصویر زندگی کو ایسے متضاد رنگوں سے رنگا ہے کہ سچے واقعات کا اصلی رنگ چھپ گیا ہے چونکہ فلسفہ تاریخ کا

یہ ایک راز ہے کہ جو واقعات جس قدر زیادہ شہرت پکڑ جاتے ہیں اسی قدر ان کی صحت زیادہ مشتبہ ہوتی ہے چنانچہ عالمگیر کی تاریخی زندگی بھی ان بدنما داغوں سے محفوظ نہیں اس کی فرد قرارداد جرم اتنی لمبی ہے کہ کسی مجرم کی نہ ہوگی۔ باپ کو قید کیا بھائیوں کو قتل کرایا دکن کی اسلامی ریاستیں مٹادیں ہندوؤں کو ستایا تنجانے ڈھائے مرہٹوں کو چھیڑ کر تیموری سلطنت کے ارکان متزلزل کر دئیے۔ یہ مسئلہ ہمارے فیصلے سے مستثنیٰ ہے ہم نہیں چاہتے کہ کسی ایسے تاریخی بحث کو چھیڑیں جو ہمارے سفرنامے کے فرائض سے غیر متعلق ہے۔

ہر ایسے اولو العزم بادشاہ کی موت وحیات اگر تاریخ عالم میں نہیں تو تاریخ ہندوستان میں تو ضرور ایک عظیم الشان واقعہ ہے۔ فطرتِ انسانی کی بوقلمونی پر اگر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ گو مبدءِ فیاض سے آنکھیں ہر شخص کو ملی ہیں مگر سب کو یکساں نظر نہیں آتا ہر چیز کی جانچ پرتال اور تہہ کو پہنچنے کے لئے ایک خاص نگاہ کی ضرورت ہوتی ہے عموماً ہر بادشاہ کی حیات وموت کے واقعات اس زمانہ کے مورخ کے پرزور قلم اور قوتِ دماغ کی یادگار ہیں جن میں ہر فرمانروا کے عہد کے ہر کارنامے میں ایک غیر فانی روشنی کی جھلک دکھائی دیتی ہے اور کو واقعات کے آسمان پر سہانے الفاظ کی خوش آیند گھٹائیں مطلع

معنی کو تاریک کرتی ہوئی نظر آتی ہیں مگر اس کے ساتھ ہی صداقت کی تجلی دمبدم چمک کر رہنمائی کرتی اور مورخ کے قلم کو جادۂ مستقیم سے ہٹنے نہیں دیتی۔

عالمگیر بادشاہ ماہ ذیقعدہ کی گیارھویں تاریخ ۱۰۲۹ھ ہجری میں پیدا ہوا شاہزادگی کے زمانہ میں اکثر برہان پور اور خاندیس رہنے کا اتفاق ہوا۔ چونکہ زمانۂ دراز تک فوج کی سپہ سالاری کرکے متواتر فتوحات حاصل کرتا رہا اس لئے وہ اپنے تمام بھائیوں سے زیادہ تجربہ کار اور مستعد ثابت ہوا اور باقاعدہ جنرل ہوگیا۔

غرۂ ذیقعدہ ۱۰۶۸ھ ہجری کو چالیس برس کی عمر میں تخت سلطنت پر متمکن ہوا۔ (ظلّ حق ۱۰۶۸ھ تخت نشینی کا مادہ ہے۔ اور ۲۸ ماہ ذیقعدہ ۱۱۱۸ھ ہجری کو بچاس برس دو ماہ (۲۸) روز سلطنت کرنیکے بعد احمد نگر میں وفات پائی۔

عالمگیر از جہاں رفت

۱۱۱۸ھ

روح و ریحان و جنت نعیم

۱۱۱۸ھ

آفتاب عالمتاب من

۱۱۱۸ھ

برفت از جہاں بادشاہی لی

۱۱۱۸ھ

سن وفات اسکے مادے ہیں۔ دوسرے روز شاہزادۂ اعظم شاہ نے

نعش کو خلد آباد روانہ کیا اور خود بھی ساتھ ہوا مشہور ہے کہ اعظم شاہ نے اپنے باپ کے متواتر عرس بذاتِ خود نہایت شان وشوکت سے کئے اور نواب حمید الدین خاں جو اُمرا کی سلک میں منسلک تھے ۔ کئی سال تک قبر پر جاروب کشی کرتے رہے ۔

اورنگ زیب کی قبر سادی اور خام ہے قبر پر چوبدار ہر وقت احتراماً حاضر رہتے ہیں جب کوئی معزز زائر زیارت کو جاتا ہے تو نقرئی اور طلائی سامان سے قبر کی زینت کر دیجاتی ہے معزز زائر کی حاضری کے وقت چوبدار و لکا بآوازِ بلند (نگاہ روبرو اور باادب وغیرہ وغیرہ) کہنا اورنگ زیب کی عظمت وجلال کو از سرِ نو یاد دلاتا ہے ۔

میں نے جہاں تک دیکھا اب بھی اورنگ زیب کی قبر سے اگرچہ سادہ ہے لیکن شان اور ہیبت ایسی ٹپکتی ہے کہ زندوں سے زیادہ

ہیبتِ حق است ایں از خلق نیست

حضرتِ زین الدین قدس سرہٗ کے گوشۂ جنوب ومغرب میں عالمگیر کا مزار ہے ۔

ابو الحسن تانا شاہ

سید یوسف معروف بہ سید واجد قتال حسینی کی درگاہ بہت سی قبروں سے

معمور ہے مگر ہمارا علم محدود ہے کہ وہ کن کن بزرگواروں کے مزار ہیں البتہ سنگِ سیاہ والی چار دیواری کے دروازے پر دیوار سے قریب پچھم طرف ابوالحسن تاناشاہ کی قبر ہے۔

افسوس قبر کو دیکھکر کسی کو بھی خیال نہ ہوگا کہ یہہ وہی تاناشاہ ہے جس کی عالی دماغی کا غلغلہ تمام ہندوستان میں ہو رہا ہے اور جو سلطنتِ قطب شاہیہ کا ڈوبتا ہوا آفتاب تھا۔ مقامِ عبرت ہے کہ جو شخص صاحب تاج و تخت ہو جس کا نام شاہی عظمت کی تاریخ میں آبِ زر سے لکھا ہوا ہو۔ آج اس کی یہ حالت ہو کہ قبر پر گنبد اور شان و شوکت کا ہونا تو یک طرف کتبہ تک نہ ہو فاعتبروا یا اولی الابصار

محتسب اید لسخن بہ بند یر آخر	ز چند ین رفتہ عبرت گیر آخر

قبر کی معمولی حالت سے اس کا پتہ چلنا بھی مشکل ہے کہ یہ ایک بادشاہ دکن کی قبر ہے میں نے زمانۂ وزارت میں تحقیق کر کے ایک پتھر پر ان کا نام کندہ کرا کے قبر کے سرہانے رکھا دیا تھا جو آج تک رکھا ہوا ہے لیکن نصب نہیں ہوا۔

سلطنتِ قطب شاہیہ میں تاناشاہ کا وراثتاً کوئی حق نہ تھا مگر چونکہ اس شہنشاہِ دوجہاں مالک زمین و آسمان نے اس کی تقدیر میں بادشاہ ہونا لکھدیا تھا اس لئے ایسے اسباب پیش آئے کہ یک بیک

وہ قطب شاہیہ سلطنت کا مالک ہو گیا۔

تانا شاہ کے ابتدائے عمر کے زمانہ پر لہو و لعب کا پردہ پڑا ہوا ہے لیکن ہوش و حواس سنبھالنے کے بعد اس نے تحصیل علم پر توجہ کی چودہ برس کامل طالب علمی میں گذارے۔

تحصیل علم کے بعد اسے تصوف کا شوق ہوا جس کا ان دنوں حیدرآباد میں بہت چرچا تھا۔ اس وقت صوفیۂ کرام میں سید راجو حسینی صاحب کے کمال کی شہرت تھی اور طبقۂ مشایخین اور گروہِ صوفیہ میں سید صاحب توقیر و عزت کے ساتھ دیکھے جاتے تھے۔ تانا شاہ کا زیادہ تر وقت سید صاحب کے یہاں قلندروں میں بسر ہوتا تھا اور اسی سبب سے لوگ مشہور کرتے ہیں کہ تانا شاہ سید راجو حسینی صاحب کا مرید تھا کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن یہ ضروری ہے کہ تانا شاہ کے بادشاہ ہونے میں سید صاحب کی باطنی کرامت کا فیض ضرور تھا عبداللہ قطب شاہ جس کو حقیقۃً سلطنت قطب شاہیہ کا آخر فرمانروا تصور کرنا چاہئے اس کو کوئی اولاد نرینہ نہ تھی صرف تین لڑکیاں تھیں پہلی لڑکی سلطان محمد اور دوسری میر احمد کربلائی کے نکاح میں تھی تیسری لڑکی نا کتخدا تھی جو تانا شاہ کے حبالۂ عقد میں آئی۔

تانا شاہ ہمیشہ سے خوش خلق اور سخی تھا شادی ہونے کے بعد

اُمراء و وزراء سے مسلوک کیا کرتا تھا اور اسی وجہ سے تمام اراکین سلطنت اسکی صلاحیت اور سخاوت سے راضی اور داد و دہش اور حسنِ اخلاق سے خوش تھے تاناشاہ کے نکاح کے بعد اس کا خسر عبداللہ قطب شاہ چار سال زندہ رہا (۴۸) برس سلطنت کر کے (۶۰) برس کی عمر میں ۳ محرم سنہ ۱۰۸۳ ہجری یکشنبہ کے دن انتقال کیا قطب شاہ کے مرنے کے ساتھ ہی تخت نشینی کی بابتہ وارثوں میں اختلاف پڑا اور فیمابین جدال و قتال کا بازار گرم ہوا۔ چونکہ بادشاہِ حقیقی کی اعانت تاناشاہ کی معاون تھی۔ اس لئے اراکین سلطنت اس کے طرفدار ہو گئے اور سبھوں نے اتفاق کر کے عبداللہ قطب شاہ کے سوم کے روز ۵ محرم سنہ ۱۰۸۳ھ میں تخت پر بٹھایا۔

تاناشاہ علم و فضل کے سوا مستقل مزاجی کی خاص صفت سے موصوف تھا سخت سے سخت حادثے پر وہ استقلال کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا جس وقت شاہزادے شاہِ عالم بہادر معہ فوج قلعہ میں آ گیا اور دار و گیر کی مہیب صدا تاناشاہ کے کان میں پہنچی دیوانِ خاص سے خاص محل میں گیا اور ہر ایک کو تسلی دیکر واپس آیا اور ناخواندہ مہمانوں کا انتظار کرنے لگا۔ چونکہ وہ وقت خاصہ کا تھا دسترخوان بچھانے کا حکم دیا کسی نے پوچھا کہ یہ کھانے کا کون وقت۔ تاناشاہ نے جواب دیا

کہ کھانے کا یہی وقت ہے ۔ اسیوجہ سے کہ میں نے سلطنت کے بارگراں سے نجات پائی اب یہہ بار دوسرے کے سر پہ ہے میں سبکدوش ہوگیا ۔

بعدِ فراغِ طعام سوار ہوکر اُمرا کے حلقہ میں نظر بند ہوکر شاہزادے کے نزدیک جو قلعہ کے دروازے والے خیمے میں منتظر بیٹھا تھا پہنچکر مالائے مروارید گراں بہا پیش کیا ۔ شاہزادے نے تعظیماً قبول کر کے شاہِ اورنگ زیب عالمگیر کے سامنے پیش کیا ۔

عالمگیر نے جیسا کہ بادشاہانِ عطا پاش کا طریقہ ہوتا ہے خطا معاف کر کے بہت ہی اکرام و نوازش کی نعمت خانِ عالی نے اس آخر کی فتح میں ایک تاریخ صنعتِ تعمیہ میں لکھی ہے ۔

تاریخ از نعمت خانِ عالی

ابوالحسن داشت جا بہ چار محل ۲۸۲	بدرش کردہ زاں میانِ تقدیر
او بروں رفت واں بجایش نشست	شاہِ اورنگ زیب عالمگیر ۹۷۳

چار محل کے عدد (۲۸۲) سے بوالحسن کے (۱۵۷) عدد خارج کئے جائیں (۱۲۵) باقی رہے شاہِ اورنگ زیب عالمگیر کے عدد (۹۷۳) میں (۱۲۵) جمع کئے جائیں تو (۱۰۹۸) ہوتے ہیں ۔

عالمگیر حیدر آباد کا انتظام کر کے بیدر آیا تو تاناشاہ کو جاں نثار خاں کے ساتھ قلعۂ دولت آباد کو روانہ کیا۔ حبشی محل میں تاناشاہ کا قیام ہوا گو وہ مکان بالکل منہدم ہو گیا ہے لیکن اس کے نقش و نگار ابھی باقی ہیں

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ
آثار پدید است صنادید عجم را

مورخین نے تاناشاہ کی عمر کا حال اس طرح سے لکھا ہے کہ (۱۴) سال طفلی میں (۱۴) سال تحصیل علم میں (۱۴) سال اپنے مرشد سید راجو حسینی کی خدمت میں (۱۴) سال سلطنت میں اور (۱۴) سال قلعۂ دولت آباد میں گزرے۔ آخر وقت اسہالِ کبدی ہونے سے بالکل ناتوان ہو گئے تھے۔ اس شب کو جس کی صبح اس نے وفات پائی قلعدار نے خواب میں دیکھا کہ ابو الحسن کی نعش کو نکالکر سید راجو قتال حسینی کی قبر کے پاس دفن کر دیا۔ قلعدار یہ خواب دیکھکر حاضر ہوا اور خواجہ سرا کی وساطت سے معروضہ پیش کیا کہ مجھے کوئی بات ضروری عرض کرنی ہے۔ ابو الحسن نے جواب دیا کہ جو کچھ خواب میں کہا ہے مجھے بیداری میں کہا گیا ہے تجھے جیسا حکم ہوا ہے تعمیل کے لئے آمادہ رہ پنجشنبہ ۱۱ ربیع الثانی سنہ ۱۱۱۲ھ میں تاناشاہ نے وفات پائی بموجب وصیت قلعدار نے جنازے کو قلعہ سے باہر نکالکر حضرت سید راجو قتال حسینی کے

مرقد کے نزدیک مدفون کیا۔

ذکر احمد نظام شاہ بحری

سید راجو قتال کی درگاہ سے باہر جانب شمال احمد نظام شاہ اور برہان نظام شاہ کا گنبد ہے یہ گنبد ملک عنبر کے گنبد کے سوا اس مقام کے سب گنبدوں سے بڑا ہے احمد نظام شاہ ملک نائب نظام الملک کا بیٹا تھا۔ ملک نائب بیجانگر کے برہمنوں کی اولاد تھا۔ ملک نائب کا اصلی نام تیما بھٹ اور اس کے باپ کا نام بھیرو تھا احمد شاہ بہمنی کے وقت میں بیجانگر کے مسلمانوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو کر مسلمان ہوا اور ملک حسن سے منسوب ہو کر نظام شاہیوں کے غلاموں میں داخل ہوا۔ احمد شاہ نے ملک حسن کو اپنے بڑے بیٹے محمد شاہ کے ساتھ مکتب میں بھیجا اور اس نے تھوڑے عرصہ میں استعداد بہم پہنچا کر ملک حسن بھیرو سے شہرت پائی چونکہ محمد شاہ لڑکپن میں لفظ بھیرو کو تحریف کر کے بحری کہتا تھا اس وجہ سے ملک حسن عام و خاص میں بحری ملقب ہوا۔ محمد شاہ نے اپنے عہد سلطنت میں ملک حسن کو معتمدوں میں داخل کر کے منصب ہفت ہزاری اور ماہی مراتب سے سرفراز کر کے بمناسبت لفظ بحری تمام

شکاری جانوروں کا سردار مقرر کیا اور اس تقریب سے اُس کا رتبہ بڑھ گیا آخرِ کار نظام الملک بحری کے خطاب سے اختصاص پایا اور مضمون

مي تافت ستارۂ بلندی ؎

خواجۂ جہاں کے التفات سے سلطنتِ تلنگ کا طرفدار ہو کر راج مندری اور کنڈبیل مع اس کے مضافات کے قبضہ میں آیا خواجہ جہاں کے مارے جانے کے بعد اس کا قایم مقام ہو کر بخطاب ملک نائب مشہور ہوا اور محمد شاہ کی وفات کے بعد اس کی وصیت پر اس کے بیٹے سلطان محمود کا وزیر ہوا اور قصبۂ بیر و نیز دیگر پرگنہ جات جو دولت آباد کے تحت میں تھے اپنے بیٹے احمد شاہ کو دئے۔ احمد شاہ نے اپنی قوت رفتہ رفتہ بڑھائی شروع کی اور چند روز میں قصبۂ پٹن کے علاوہ تمام ملک پر قبضہ کر کے احمد نگر کے تخت پر متمکن ہوا۔ احمد شاہ پرہیزگار۔ رعیت پرور۔ خدا ترس اور عادل تھا اس کے خصائلِ حمیدہ اور اوصافِ پسندیدہ بہت ہیں ۹۱۴ھ میں وفات پائی اور باغ روضہ میں مدفون ہوا۔

برہان نظام شاہ

احمد شاہ کے بعد اس کا بیٹا برہان نظام شاہ بادشاہ ہوا (۴۷) برس سلطنت کر کے مر گیا اور باپ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

نواب نظام الملک آصفجاہ بہادر

قمر الدین خاں نام نظام الملک آصفجاہ بہادر خطاب ۔ باپ کا نام غازی الدین خاں فیروز جنگ بن عابد خاں ہے ۔ نواب صاحب سنہ ۱۰۸۲ھ ہجری میں پیدا ہوئے ابتدائے عمر سے آخر تک اختر طالع اس صاحب اقبال کا ترقی کرتا رہا ۔ مرحوم اورنگ زیب کے عہد حکومت سے محمد شاہ فرمانروائے دہلی تک سلطنت کے رکن رکین اور مدار المہام خلافت رہے سنہ ۱۱۳۲ھ میں دکن کی عنان حکومت ہاتھ میں لی قریب تیس سال کے تمامی صوبہ جات دکن پر حکومت کی اپنے عہد دولت میں بہت سی فتوحات حاصل کیں دریائے نربدا کے کنارے سے بندر رامیشر تک قبضے میں تھا ۴ جمادی الثانی سنہ ۱۱۶۱ھ روز یکشنبہ عصر کے آخر وقت برہان پور میں (۸۰) برس کی عمر میں وفات پائی ۔ بڑے صاحبزادے نواب میر احمد خاں نظام الملک ناصر جنگ شہید نے نعش خلد آباد میں لا کر شیخ برہان الدین غریب کے پائین مزار دفن کی مرحوم خداترس ۔ دیندار ۔ فقیر دوست ۔ غریب نواز ۔ فیاض نہایت مخیر تھے شعر گوئی کا بھی شوق تھا ۔ آصف تخلص کرتے تھے مہابت ملکی

کے انصرام کے بعد اشعار کہا کرتے تھے۔ دو تین شعر نتائجِ طبع والا سے نقل کئے جاتے ہیں ؎

تا شہید خنجر مژگان یارم کردہ اند	سرمہ در چشم قیامت از غبارم کردہ اند

دیگر

افسوس کہ با طبعِ تپاں نیست گوارا	اے باغ وفا آب وہوائے کہ تو داری

دیگر

از خضا ہم مطلب مطلبِ دیگر بخیال	اینقدر ہست کہ آہو نگہاں رم نکنند

جس سال نظام الملک آصفجاہ نے وفات پائی اسی سال محمد شاہ فرمانروائے دہلی اور اعتماد الدولہ قمر الدین خاں بہادر اعظم نے بھی انتقال کیا غلام علی آزاد بلگرامی نے کیا خوب تاریخ لکھی ہے۔

سہ رکن مملکت ہند از جہاں رفتند	فتادہ حیف سہ دریگانہ از کفِ دہر
برائے رحلتِ ہر سہ بیافتم تاریخ	نماند شاہ زماں با وزیر و آصفِ دہر ١١ ھ ٦١

دیگر

گشت تاریخ چوں کشیدم آہ	موت شاہ و وزیر و آصف جاہ ١١٦٧ آہ ٦ ١١٦١

نواب صاحب کے پہلو میں ان کی ایک بیگم صاحبہ کی قبر ہے جن کا نام سیدۃ النسا بیگم ہے۔

میر احمد خاں نظام الدولہ ناصر جنگ شہید

نواب آصف جاہ بہادر مرحوم کے مزار کے گوشہ جنوب و شرق میں ناصر جنگ شہید کا مزار ہے۔ ناصر جنگ شہید آصف جاہ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ نواب آصف جاہ کی وفات کے چند روز بعد باغوائے برادر ہمت خاں نے پھول سری واقع کرنول میں ۱۷ محرم ۱۱۶۴ھ کو شہید کیا۔ آفتاب رفت شہادت کی تاریخ ہے۔

ایلورہ کے غار اور انکی تاریخ

غار ہائے ایلورہ کی موجودہ حالت دیکھنے اور واقعات سننے کے وقت پہلا سوال یہ ہوتا ہے کہ ان کا موجد کون تھا اور یہ کس زمانہ میں بنائے گئے مگر کوئی ان دو سوالوں کا تسلی دہ جواب نہیں دیتا۔ مورخین نے جہاں کہیں ان غاروں کا ذکر کیا ہے ان دونوں باتوں سے اپنی لاعلمی ظاہر کی ہے اگر کسی نے کچھ لکھا بھی تو محض قیاس پر اس کی بنیاد رکھی جس کو عقل سلیم کبھی باور نہیں کر سکتی۔ جیسا کہ تمدن ہند

میں لکھا ہے کہ یہہ مندر چھٹی صدی عیسوی سے نویں صدی عیسوی تک یعنے تین سو برس کے زمانہ میں بنے ہیں اس مدت کو صرف اکھڑا برس ہوتے ہیں اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو ضرور کوئی نہ کوئی اسکی تاریخ دنیا کی کسی قوم کے ہاتھ میں ہوتی۔ حالانکہ اِن غاروں کی قدامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی قبل کا پتہ دیتی ہے۔

اہلِ ہنود کی بعض کتب میں لکھا ہے کہ یہ غار پانڈووں کے کندہ کرائے ہوئے ہیں اور وہی لوگ اس میں رہا کرتے تھے۔ لیکن یہ بھی قابلِ تسلیم نہیں کیونکہ مہابھارت ایک قدیم تاریخ ہے جس میں پانڈووں کا ذکر تفصیل کے ساتھ ہے لیکن اس میں غاروں کے بنانے کا مطلق تذکرہ نہیں بلکہ اس سے پانڈووں کا دکن میں آنا بھی ثابت نہیں ہوتا۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ پانڈووں کے زمانہ کے بعد ہی یہہ غار تیار کرائے گئے ہیں کیونکہ رنگ محل کے تہخانے کے شمالی وجنوبی دیواروں پر جو تصویریں کندہ کی گئی ہیں وہ سب کورو و پانڈووں کے فوٹو ہیں یہی سبب ہے کہ ہندو مورخین نے اِن مندروں کو پانڈووں کی طرف منسوب کیا ہے اِن غاروں کی در و دیوار پر مختلف اقوام جین۔ برہمن۔ بودھ وغیرہ کی تصویریں کندہ ہونے سے بہتوں کا یہ گمان ہے کہ یہ غار مختلف زمانے میں مختلف اشخاص نے کندہ کرائے ہیں۔ اس پر بھی اگر غور کرے

کام لیا جائے تو یہ اختلاف بھی دور ہو جاتا ہے۔ اللہ جل شانہ کی قدرت کاملہ کا یہہ ایک مستقل قانون ہے کہ اس نے انسانی شکلوں کی طرح طبائع بھی مختلف پیدا کئے ہیں۔ اگر مختلف اشخاص نے مختلف اوقات میں یہ غار کندہ کرائے ہوتے تو اختلافِ طبایع کی وجہ سے مکانوں کی تراش میں بھی اختلاف ہوتا حالانکہ کل غاروں کے دیکھنے سے پایا جاتا ہے کہ ان کا موجد ایک ہی شخص ہے اور ایک ہی شخص کی رائے پر یہہ سب تیار ہوئے ہیں۔

میں نے چاچ نامہ ملا فیروز اور مصباح التاریخ امیر حسن بیجاپوری نہیں دیکھی لیکن صاحبِ روضۃ الاقطاب نے ان دونوں تاریخوں کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہہ غار راجہ ہرچند راؤ فرمانروائے دکن۔ تلنگ۔ کرناٹک۔ مدراس و ملیبار نے ایک لاکھ سنگ تراشوں سے بیس برس میں تیار کرائے ہیں۔ ہرچند راؤ نے ابتدا میں موم کا نقشہ تیار کرایا۔ بعد اس کے پہاڑوں کو ہاتھ لگایا اور چھوٹے چھوٹے مکانوں کے سوا بڑے بڑے اٹھارہ مکان مثلِ دیوانِ عام۔ دیوانِ خاص۔ محلسرا۔ خزانہ۔ دار الضرب توشکخانہ۔ فراش خانہ۔ سلاح خانہ۔ اصطبل فیلخانہ۔ رتھ خانہ۔ باورچیخانہ دار الشفاء وغیرہ بنوائے۔ عوام میں مشہور ہے کہ راجہ ایلو نے قلعہ دولتاباد کے ساتھ یہ غار کندہ کرائے ہیں۔ یہہ روایت ایک حد تک قابل قبول ہے

کیونکہ دولت آباد کے قلعہ کی حالت بھی غارہائے ایلورہ کے تاریخ کی تفسیر ہے اور قریب قریب ایک ہی۔ بہرحال اسکی اصلی تاریخ کا پتہ نہیں چلتا تو ہم بھی اس کی قدامت کے انکشاف کو قلم انداز کرکے موجودہ حالت کو ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

اِن غاروں کے حالات بیان کرنے کے لئے ایک پوری کتاب درکار ہے یہہ غار پہاڑ کو کھود کر بنائے گئے ہیں۔ پہاڑ کو تراشتے وقت صناع نے اِن کل تپھروں کو دھیان میں رکھا ہے جن کی تراش سے مندر کے دالان۔ حجرے۔ صحن۔ دروازے۔ پُل۔ بتوں کے مجسمے حتٰی کہ ہاتھی۔ شیر اور مختلف عجیب الخلقت حیوانات بننے والے ہیں۔

اِن عجیب وغریب یادگاروں کے دیکھنے کے بعد کوئی دل نہیں جو تراشنے خالی رہے ہم نے سنا ہے دیکھا نہیں کہ مصر میں کرنک کا پرشان مندر دیوزادوں کا بنایا ہوا ہے۔ اگر یہ صحیح مان لیا جائے تو اِن مندروں کا دیکھنے والے کو بھی اس کہنے کا حق ہے۔ کہ ایلورہ کے عموماً کل مندر خصوصاً کیلاس اور اندر کے مندر یہ دونوں ایک ایسی قوم کی صنعت ہیں جو اعلیٰ درجہ کا ادراک رکھتی ہیں۔

علاوالدین کا عجیب وغریب چراغ اس سے زیادہ پرستانی عمارت کھڑی نہ کرسکتا۔ جسکی خوبیوں اور باریکیوں کو عکسی تصاویر ہر گز ظاہر

نہیں کر سکتیں اگر کوئی ان مندروں کی تراش و تعمیر میں قوتِ متخیلہ سے
کام لینا چاہے تو وہ کیلاس کو تصور میں لائے جو پہاڑ کے دامن سے
ایک چٹان کو جدا کر کے اس میں تراشا گیا ہو۔ اس پہاڑ کے کھڑے
پہلو میں جس سے یہ لاکھوں من کی چٹان جدا کی گئی ہے ایسا معلوم
ہوتا ہے کہ کسی دوسری ہی دنیا کے صناعین نے اس کو بنایا ہے
انسانی قوت اس راز کو افشا نہیں کر سکتی اور یہ قوت بشری سے
بیشک بالاتر ہے۔

اِن مندروں کا سلسلہ پہاڑ کے اندر دور تک چلا گیا ہے یہ
کل عمارتیں دیوتاؤں۔ دیویوں۔ جانوروں اور خلافِ فطرت مخلوق
کی مورتوں سے بھری ہوئی ہیں اِن میں مہیب اور خوفناک صورت کے
دیوتا ہیں جن کے گرد پتھر کے دیو کھڑے ہیں اور انسان کو قریب جانے سے
ڈرا رہے ہیں انہیں کے ساتھ خلافِ فطرت مخلوق ہیں ایک طرف
دیویاں ہیں جو تبسم کے ساتھ ہاتھ بڑھائے ہوئے ہیں غرض یہ سنگی
مخلوق۔ یہ عجیب الخلقت صورتیں اسی قدر پرانی ہیں جیسی دنیا۔
ان کا سلسلہ دور تک چلا گیا ہے سیڑھیوں سے اترنا۔ اوپر چڑھنا
نیچے اترنا۔ آگے بڑھنا۔ پھر چڑھنا ایک عجیب دلکش منظر ہے اور دیکھنے والا
خیال کرتا ہے کہ کسی عجائبات کی دنیا میں پہنچ گیا۔ اس زندہ اور بیجی

پتھر کی دنیا میں یہہ تصویریں ہر جگہ دیواروں سے باہر نکلی پڑتی ہیں
ان مناروں میں کئی کئی منزلیں نکالی گئی ہیں کیسی کیسی مورتیں اور
تصویریں بنائی گئی ہیں اور کیسے لاثانی نقش و نگار سے ہر درجہ کو
آراستہ کیا گیا ہے سنگتراشی کے کیسے کیسے عجیب و غریب کمالات
ظاہر کئے گئے ہیں جن میں کروڑوں روپے کی دولت صرف ہوئی
ہوگی ۔ کل مندر شمار میں (۳۲) ہیں جن کی تصویر ہم الفاظ میں کھینچنے
کی کوشش کرتے ہیں ۔

(۱)

یہہ ایک چھوٹی سی خانقاہ ہے اس میں جوگیوں کے لئے حجرے
بنے ہوئے ہیں یہہ خانقاہ اندر اندر غار نمبر (۲) سے ملی ہوئی ہے ۔

(۲)

یہہ ایک بہت بڑا غار ہے اس میں وسیع پرستش گاہ بنی ہوئی ہے
اور اس کے سامنے سیڑھیاں ہیں ۔ یہاں مہاتما بدھ کی ایک بہت
بڑی مورت رکھی ہوئی ہے جس میں وہ شیر ببر کے تخت پر بیٹھا ہوا ہے
اس کے دہنے بائیں دو فرشتے ہیں ۔ اس کے خدمتگاروں اور خدمتگزار
عورتوں کی مورتیں ہیں اس غار کے اکثر مقامات تمام در و دیوار اور
پرستش گاہوں کے سامنے کا حصہ بدھ کی مختلف شکلوں اور دوسری

مورتوں اور تصویروں سے بھرا ہوا ہے۔

(۳)

اس کے اور غار نمبر (۲) کے درمیان پانی کا ایک منہدم حوض ہے یہ غار بھی ایک خانقاہ ہے جو تکمیل کو نہیں پہنچی۔ اس کی چھت کے نیچے بارہ مربع ستون ہیں پرستشگاہ میں بدھ کی ایک مورت ہے جس کو تخت پر بٹھلایا گیا ہے اور معمولی خدمت گار اس کے دونوں طرف کھڑے ہیں اس کے سر پر فرشتے ہیں اس تخت کو دو ہاتھی اُٹھائے ہوئے ہیں تخت کی سیدھی طرف ان مورتوں کی ایک قطار ہے جو مصروف پرستش ہیں۔

(۴)

اس کا اکثر حصہ منہدم ہو گیا ہے اس کی پرستش گاہ میں بدھ کی ایک مورت ہے اس کے سر پر ایک ہالہ ہے وہ مورت تخت پر بیٹھی ہے اور خدام اپنے فرائض ادا کر رہے ہیں۔ ایک حسن کی دیوی مالا جپ رہی ہے

(۵)

ایک بڑی خانقاہ ہے اس کے بیچ میں ایک وسیع دالان ہے چھت کے نیچے (۲۴) مربع ستون ہیں۔ اس غار میں جوگیوں کے لئے بہت سے حجرے بنے ہوئے ہیں اور ستونوں کے درمیان دو لمبی قطاریں

نشستگاہوں کی ہیں جو کھانے یا ان پر بیٹھکر پڑھنے کے کام آتی ہونگی اس کی پرستشگاہ میں بدھ کی ایک مورت بنی ہوئی ہے۔

(۶)

یہہ غار سیڑھیوں کے ذریعہ سے غار نمبر (۵) سے ملا ہوا ہے اسمیں چند حجرے ہیں جن میں ایک مورت خوبصورت عورت کی ہے اس کے بازو میں ایک مور ہے اور اس کے نیچے ایک پنڈت کچھ پڑھ رہا ہے پرستشگاہ میں بدھ کی ایک بڑی مورت مع اس کے ملازموں کے ہے۔

(۷)

یہہ ایک نامکمل خانقاہ ہے جس میں آٹھ حجرے اور چھت کے نیچے چار ستون ہیں۔

(۸)

اس میں سے غار نمبر (۷) کو راستہ جاتا ہے۔ اس غار کی پرستشگاہ میں بدھ کی ایک مورت ہے اور بدھ کے پوجاریوں۔ خدمتگاروں۔ خدمتگزار عورتوں اور فرشتوں کی شکلیں نمایاں کی گئی ہیں۔

(۹)

غار نمبر (۶) اور (۷) سے اس کو اندر الحاق ہے اس میں بودھ کی

ایک بیٹھی ہوئی مورت مع معمولی ملازموں اور فرشتوں کے ہے

(۱۰)

اس غار کے سامنے چوک کے اطراف برآمدے ہیں جن کے ستونوں میں بہت سی مورتیں تراشی گئی ہیں اس غار میں ایک بڑی اونچی چوکی ہے اس پر بدھ کی مورت بیٹھی ہوئی ہے یہہ مورت گیارہ فٹ اونچی ہے آس پاس کے معمولی خدمتگار ہیں اور سر پر ایک جھاڑ تراشا ہوا ہے -

(۱۱)

یہہ دو منزلہ غار ہے اس کے نیچے ایک تیسری منزل نکلی ہے - جو مدت سے دبی پڑی تھی - اس میں ایک لمبا برآمدہ ہے جس میں دو حجرے ہیں اور ایک پرستشگاہ - پرستشگاہ میں بدھ کی مورت مع خدمتگاروں کے بنائی گئی ہے - دوسری منزل پر بھی ایساہی برآمدہ ہے جس کے پیچھے کی طرف پانچ دروازہ ہیں - ان میں دوسرا دروازہ ایک پرستشگاہ کو جاتا ہے جہاں بدھ کی ایک بڑی مورت ہے جو تخت پر چارزانو بیٹھی ہوئی ہے اسی طرح اس غار اور پرستشگاہ کے مناسب مقامات پر بدھ اور اس کے خدمتگاروں اور خدمتگزار اور عورتوں کی مورتیں کثرت سے بنائی گئی ہیں -

(۱۲ - ۱۳ - ۱۴ -)

ایسے عجائباتِ سنگتراشی ۔نقش ونگار ۔ پوشیدہ راستوں ۔ حجروں ۔ اور مہاتما بدھ کی مورتوں اور دوسری مورتوں سے بھرے پڑے ہیں ۔کس کس کی تعریف کیجائے اور ان کی خوبیوں کو قلم کے ذریعے کیونکر دکھایا جائے ۔

(۱۵)

اس کا نام دس اوتارا ہے اور ٹیلے کے اوپر واقع ہے جس پر چڑھنے کے لئے زینے کھدے ہوئے ہیں اس میں بہت سی پرستشگاہیں مع ایک پانی کے حوض کے ہیں نیچے کی منزل میں "شیو و شنو ، پاروتی ، بھوانی ، اور گنپتی" کی بہت سی مورتیں ہیں اور اوپر کی منزل میں ایک بڑی تعداد شیو کی مورتوں کی ہے اِن میں سب سے زیادہ عجیب مہا دیو کی غضب آلود مورت ہے جنوبی دیوار میں اوتار کی شکلیں دکھائی گئی ہیں غار کیا ہے ایک تاریخ کا نمونہ ہے ۔

(۱۶)

اس غار کا نام "کیلاس" (رنگ محل) ہے یہہ ایک بہت بڑا اور ایک ڈال پتھر کا تراشا ہوا مندر ہے جس کو حیرت خانہ کہہ سکتے ہیں اس کی لمبائی (۲۸۰) فٹ اور چوڑائی (۱۵۰) فٹ ہے درمیانی حصے نہایت

اعلیٰ درجے کے نقش و نگار سے مزین کئے گئے ہیں جو اکثر اس وقت تک اپنی حالت پر برقرار ہیں۔ مندر میں بڑے بڑے ہاتھیوں شیروں اور سیمرغوں کی عمدہ عمدہ مورتیں ہیں کوئی چیر رہا ہے کوئی دوسرے کو پھاڑ رہا ہے۔ اس کے اوپر دالان ہے۔ دالان میں سترہ ستون انواع اقسام کے نقش و نگار سے اس وقت کا کمال صنعت ظاہر کرتے ہیں اس کے جانبین کے سائبانی برآمدے اس کا گنبد دار خیمہ اس کی ڈیوڑھی اور اس کے پانچ معبد جو بڑے مندر کے باہر چار طرف ایک ہی چبوترے پر ہیں اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ اس کو اس غرض سے بنایا گیا ہے کہ اس کے پیشتر جتنے ایسے غار بنے ہوئے ہیں انہیں مات کر دے اور ان سب پر فوقیت لیجائے۔ داخلی دروازہ پر لکشمی کی ایک بڑی مورت ہے جو کنول کے پتوں پر بیٹھی ہوئی ہے جنوبی زینے کے شمال و جنوب کی دیواروں پر راماین اور مہابھارت کے بیانات کی صورتیں ظاہر کی گئی ہیں اس کے پیچھے مندر کا نیچا درجہ سات ہاتھیوں اور شیروں کی مورتوں سے بنا ہوا ہے جنوبی برآمدہ کے جو (۱۱۸) فٹ لمبا ہے۔ بارہ حصے ہیں اور ہر ایک حصے میں عجیب و غریب تراشیں اس وقت کی صناعی کا تماشا دکھاتی ہیں۔ دالان کے مشرقی کنارہ پر معبد واقع ہے اس کے

پیچھے جو چبوترہ ہے اس پر مندر کی لاٹ اٹھی ہوئی معلوم ہوتی ہے جو تقریباً سو فٹ اونچی ہے۔ یہہ لاٹ نیچے سے اوپر تک نہایت عمدہ نقش و نگار سے آراستہ ہے۔ غرض اس عالیشان غار کو مذہبی خیالات کا قابل دید نمونہ بنایا گیا ہے جس میں بیشمار تصویریں اور مورتیں نظر آتی ہیں۔ ہر ایک منزل میں حیرت انگیز صناعی کا اظہار کیا گیا ہے جو دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے نکات اور معنوی خوبیوں کو ایک بڑا پنڈت ہی سمجھ سکتا ہے بلکہ ممکن ہے کہ اس وقت کے اعلیٰ سے اعلیٰ پنڈت بھی بعض مفہومات کے سمجھنے سے عاجز ہوں۔

(۱۷)

یہہ غار شیو کا مندر ہے اس میں بارہ ستون ہیں اور ایک پرستشگاہ مندر کے برآمدہ میں منقش طاق ہیں جن میں برہما، وشنو اور ان کے ملازموں کی مورتیں ہیں۔

(۱۸-۱۹-۲۰)

یہہ تین چھوٹے چھوٹے غار ہیں ان میں سے کسی میں دلچسپ نقش و نگار نہیں بلکہ وہ صرف گوشہ نشینی و عبادت سے مخصوص معلوم ہوتے ہیں۔

(۲۱)

اس کا نام رامیشور ہے۔ اس کا دالان بہت لمبا ہے اور اس کے

ہر ایک کنارہ پر ایک پرستش گاہ ہے جس کے اطراف کالی گنیش ۔شیو اور پاروتی اور ان کے خدمتگاروں اور قوالوں کی مورتیں بنی ہوئی ہیں۔

(۲۲-۲۳-۲۴-۲۵-۲۶)

ان میں برہما اور گنیش کی تصویریں اور مورتیں اور معمولی پرستشگاہیں بنی ہوئی ہیں بعض کے آثار بھی منہدم ہو گئے ہیں۔

(۲۷-۲۸)

ان میں سے پہلے غار میں وشنو کا مندر ہے۔ اس میں وشنو لکشمی اور برہما کی مورتیں ہیں اور دو حجروں اور معبدوں کے آثار باقی رہ گئے ہیں۔

(۲۹)

یہہ غار جس میں ایک بڑا دالان (۱۵۰) فٹ مربع ہے بہت سے نقش و نگار سے آراستہ ہے اس میں شیو اور پاروتی کی شادی کا نقشہ دکھایا گیا ہے۔

اس سلسلے کے آخر میں جین کے تین غار ہیں جنھیں اندر سبھا کہتے ہیں یہ غار دو منزلہ ہیں اور ایک چھوٹا سا غار اور اس کے متعلقات ہیں ان میں سے پہلے غار میں پارسناتھ ایک سات سر کے سانپ مہادیر اور جین دھرم کے ترین کھاروں کی مورتیں ہیں۔ اندر ایک جھاڑ کے نیچے ایک ہاتھی بیٹھا ہوا ہے اور صحن میں ایک بہت بڑے ہاتھی کا مجسمہ بنایا گیا ہے۔ اوپر کی منزل میں بر گد اور آم کے جھنڈ ہیں اندر اور اندرانی کی بڑی بڑی

مورتیں ہیں اور بیشمار طاق ہیں جن میں جین لوگوں کی مذہبی تصویریں ہیں صحن کے برآمدے میں چند عبارتیں کندہ ہیں مگر پڑھی نہیں جاتیں

۸ ربیع الاول ۔ ۱۱م اسفندار ۔ ۴ جنوری جمعہ

معمولی حوائج سے فارغ ہوکر برآمد ہوا۔ خان بہادر احمد خاں وظیفہ یاب حال مہتمم باغات سرکار عالی حاضر تھے ان سے ملا۔ اِن کے جانیکے بعد میں ٹہلتا ہوا حضرت شاہ میاں صاحب کی خدمت میں گیا یہ ایک اہلِ دل مجذوب ہیں مگر وہ اس وقت سو رہے تھے۔ مناسب نہ سمجھا کہ ان کو بیدار کروں واپس آیا (۱۱) بجے بسواری موٹر معہ زنانہ اپنے باغ موسومہ (کنور باغ)[1] میں گیا یہ باغ میری چھوٹی رانی کے بطن سے جو دختر ہے اور جس کا حضور محبوب دکن غفران مکاں نے سلطان کنور نام رکھا تھا اس کے نام ہبہ کر دیا گیا ہے (۲) بجے دس منٹ پر وہاں سے واپس ہوا۔ چار بجے حضرت خواجہ شمس الدین صاحب تشریف لائے مولوی سید عبد الرؤف اور خواجہ صاحب سے دیر تک مکالمہ رہا واپس آکر کہیں نہیں گیا اول شام سے میں سو گیا۔

۹ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ ۔ ۱۲م اسفندار ۔ ۵ جنوری شنبہ

صبح کا وقت ہے کمپونڈ میں چہل قدمی کر رہا تھا کہ منتظم میشی ثاقب صاحب مضطر صاحب قیس صاحب حسامی صاحب۔ رامچندر پرشاد آئے

[1] یہہ باغ چھوٹی رانی کی دختر کے نام ہبہ ہے جسکا نام سلطان کنور بی بی ہے اسی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے

مہتمم باغات راگھویندر راؤ نے کاغذات پیش کئے کچھ دیر کاغذات ملاحظہ
کرتا رہا۔ عرضداشت کے دو مسودے لکھکر بھیجنے کیلئے خوشنویس کو
دیئے مولوی سید عبدالرؤف بھی آئے میں آج کہیں نہیں گیا اور نہ
کوئی واقعہ پیش آیا جو قابل اندراج روزنامچہ ہوتا چاہیے عرضداشتیں
رجسٹری کرا کے پیشگاہِ خسروی میں روانہ کیں

(۵) بجے کرنیا طوائف اور اس کی دختر زہرہ حاضر ہوئی کچھ دیر اسکا
گانا سنتا رہا شب کو بجز معمولی کاموں کے کوئی نیا کام نہیں ہوا۔

۱۰ ربیع الاول - ۱۳ اسفندار - ۱۶ جنوری یکشنبہ

صبح کو حسب معمول مصاحبین سے باتیں کرتا رہا۔ (۸) بجے مہتمم لوکلفنڈ
ملاقات کو آئے اِن سے ملاقات کے جانیکے بعد حضرت خواجہ شمس الدین صاحب
تشریف لائے دیر تک ان سے باتیں رہیں۔

اراکین انجمن نظام الاسلام نے ذریعۂ معروضہ شرکت محفل میلاد کی
مجھے دعوت دی میں نے اس دعوت کو قبول کیا اور جواب کے ساتھ
ایک سو پچیس روپیہ بھجوادئے اور ایک قصیدہ فی البدیہہ نعت میں لکھا
جس کو آگے چلکر ہدیۂ ناظرین کرونگا۔

انجمن نظام الاسلام ایک شاخ ہے انجمن ہدایت الاسلام دہلی کی
دو برس قبل بعض معاملات میں دونوں انجمنوں میں کچھ شکر رنجی ہوگئی تھی

جس کی وجہ سے یہ انجمن بطور خود علیحدہ قائم ہوئی۔

آج میں چار بجے شام کے معہ محلات مقبرۂ رابعہ دورانی پر گیا (۶ بجے) واپس آیا پھر میں کہیں نہیں گیا اک بجے شب تک اخبارات وغیرہ کا معائنہ کرتا رہا۔

قصیدہ

تم پہ صلوٰۃ وسلام اے شہ ہر دو سرا — احمد طٰہٰ لقب مہبط وحیِ خدا
ذرے کو بھی آپ نے دم میں کیا آفتاب — کیسی نوازش ہے یہ کیسا ہی لطف آپکا
مجھکو کہاں سے کہاں کھینچکے لایا یہاں — ابر کرم فیض بخش بحر سخا و عطا
میں تو وطن سے چلا تھا پئے تفریح و سیر — کاہ کو لایا یہاں کھینچ کے پھر کہربا
محفلِ میلاد میں ہو گئی جب حاضری — بڑھ گئی عزت مری بڑھ گیا رتبہ مرا
آپ نے چاہا جو کچھ ہو گیا آخر وہی — آپ ہیں محبوب رب آپکا عاشق خدا
فرطِ مسرت سے میں جامہ سے باہر ہوں اب — آپ کی شرکت ہوئی میرے لئے جانفزا
کاش ان آنکھوں سے ہو مجھکو زیارت نصیب — بس یہی اک شوق ہے اور یہی مدعا
جانتے ہیں آپکو آشنا سبھی ہیں نبی — کیا ہیں حقیقت میں آپ کوئی نہیں آشنا
جسکو ملی معرفت اس کو مگر علم ہے — عبد کے پردے میں ہے مہر حقیقت چھپا
راحت روح رواں اور ہے تسکین دل — وصف جو ہے آپ کا ذکر جو ہے آپکا

مجھکو ہے مانع ادب کہہ نہیں سکتا ہوں کچھ — بعد خدا آپ کا مرتبہ ہے دوسرا
آنکھیں بظاہر ہیں دو پر ہے نظر ایک ہی — جس نے نہ دیکھا ہو ایک آنکھ میں ہی موتیا
وصف کہاں ہو سکے نعت کوئی کیا لکھے — گر کوئی دعوی کرے ہے یہہ سراسر خطا
اپنی کہانی ذرا آپ سے کرتا ہوں عرض — فقر مجھے چاہئے ہی یہہ مری التجا
مے ہو عطا عشق کی مستی توحید ہو — آنکھ اٹھے جسطرف آئے نظر دلربا
ایک سمائے مرے دیدۂ و دل میں مدام — پردہ دوئی کا اٹھے دور ہوں ماسوا
خوف فنا و بقا محو ہو دل سے مرے — مجھ کو ملے مرتبہ زندۂ جاوید کا
کفر اور ایمان کا شک نرہے یا الٰہ — اور بہتر ملل کا نہ رہے ڈر ذرا
چشم بصیرت ملے دل مرا ذاکر رہے — ایک ہی آئے نظر ایک ہی ہو مدعا
دل سے تعصب مٹے حرص و ہوس دور ہوں — بغض و حسد کا گذر دل میں نہو ایخدا
شکر ہے اللہ کا پوری تمنا ہوئی — آپکے محبوب نے مجھکو جو مانگا دیا
مجھسے گدا کو کیا ایک نظر میں امیر — ایسا کوئی بادشاہ کب ہے جہاں میں بھلا
اب وہ جوانی کہاں آگئے پیری کے دن — خواہش مسند نہیں بس ہے مجھے بوریا
مست ہوں آزاد ہوں شکر خدا شاد ہوں — شہ نے وظیفہ مجھے بس ہے جو کچھ کردیا
یہہ بھی ہے احسان شہ لطف بھی بیحد ہے — بوڑھے فدائی کو اب کر دیا غم سے رہا
ہو رہیگا ایکدن اسکو جو منظور ہے — فکر ہے اولاد کی کر دوں فرائض ادا
ناز نہ کیوں بخت پر اب میں کروں کیا سبب — مجھ کو ملا رہنما خواجۂ اجمیر سا

ہوں میں اک ادنا فقیر کہتے ہیں گو سب امیر ہے وہی مالک مرا بندہ ہوں میں باوفا

مومن اگر وہ نہیں تو نہیں کافر بھی شاد
صوفیوں نے فیصلہ اسکا جبھی کر دیا

غزل نعتیہ

نور خدا کا آ چمکا اس دل کے بھی درباروں میں
وحدت آئی کثرت میں لو یار ملا اغیاروں میں

رنگ دکھایا ایسا اچھوتا جو نہ کسی نے دیکھا تھا
گل میں حل میں کوہ و بیاباں در میں اور دیواروں میں

ملک عرب کے راج دلارے کالی کملی والے واہ
روح بدن میں جیسی چھپی تھی ایسا چھپا تھا غاروں میں

ذروہ عرش خدا تک پہنچے سرورِ عالم سرورِ کل
کون ہوا ہے آج تلک ایسا سرکاروں درباروں میں

جگ سے الگ اک نیتہ بنایا سب کے دلوں پر قابو تھا
ایسی محبت ایسی الفت دیکھی نہیں غمخواروں میں

خلق مجسم کہتے ہیں جس کو ذاتِ مبارک تھی اس کی
دل بر شکر دل کو لبھایا یکتا تھا دلداروں میں

عالم فاضل اہلِ دانش طالبِ رازِ عرفاں تھے
باتوں باتوں میں وہ بتایا اور اشاروں اشاروں میں

بھر کے پلادے جامِ محبت بھٹی تری آباد رہے
کنتی لگائے میرے داتا اپنے ہی میخواروں میں

شاد رہے گی جب تک دنیا جلوہ اُس کا باقی ہے
باغ و صحرا دیر و حرم میں ارض و سما سیاروں میں

دیگر

کانِ عرب سے لعل نکل کر سرتاج بنا سرداروں کا
نام محمد اپنا رکھا سلطان بنا سرکاروں کا

باندھ کے سر پہ سبز عمامہ کاندھے رکھکر کالی کملی
ساری خدائی اپنی کر لی مختار بنا مختاروں کا

تیرا ہی چرچا گھر گھر ہے جلوہ ہر دل کے اندر ہے
ذکر ہے تیرا لب پر جاری دلدار بنا دلداروں کا

رُوپ ہے تیرا تی رتی نور ہے تیرا پتی پتی
مہر و مہ کو تجھ سے رونق و نور بنا تو سیاروں کا

تیرے عرق میں گل کی خوشبو قامت تیرا سرو لب جو

بس گئیں طیبہ کی سب گلیاں بھاگ کھلا سب گلزاروں کا

اُمی گو سب کہتا تھا علم لدنی کا تھا عالم

راز بھرا تھا سینہ کے اندر قرآن کے تینوں پاروں کا

بوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و علیؓ ہیں چار عناصر ملت کے

کثرت وحدت میں ہے جیسے بس حال وہ تھا ان چاروں کا

کسب تجلی کرتے تھے پیہم مہر نبوت سے وہ ہر دم

کوکب طالع برج شرف میں تھا تیرے چاروں یاروں کا

بادۂ عرفاں دیتا ہے ساقی وحدت کے مجھے میخانے سے

شاہ مقصود فضل خدا سے جاگا اب ہم سے خواروں کا

۱۱ ربیع الاول ۱۳۴۰ - اسفندار ۱۷ - جنوری دوشنبہ

منتظم پیشی نے صدر ناظم صاحب اسٹیٹ کے پاس بھیجنے کے لئے کچھ کاغذات پیش کئے اُن کو معائنہ کرتا رہا کشنا سامی انگریزی کلرک کو حکم دیا کہ وہ اسٹیشن پر جاکر سیلون کے متعلق ضروری امور دریافت کرکے پیش کرے غبار صاحب (منتظم پیشی) مولوی سید عبدالرؤف صاحب اور سید محمد علی مضطر نے مقبرۂ رابعہ دورانی پر جانے کی اجازت حاصل کی - آج شب کے (۹) بجے میں حسب عادت

انجمن نظام الاسلام میں گیا میرے ساتھ حکیم مولوی مقصود علیخاں صاحب
ثاقب صاحب مضطر صاحب ۔ مولوی سید عبدالرؤف صاحب ۔ رامچندر
پرشاد سید برہان الدین ۔ عبدالرحمن تھے ۔ جس وقت میں وہاں پہنچا انجمن
کی کارروائی شروع ہوئی ۔ افتتاح اس کارروائی کی قرأت قرآن مجید سے
ہوئی ۔ قاری عبدالحمید خاں صاحب ۔ قاری شیخ احمد صاحب ۔ قاری
محمد علی صاحب علمی اور قاری ولایت علی صاحب نے یکے بعد دیگرے
بخوش الحانی قرآن مجید کے آیات پڑھے ۔ بعد اس کے مولوی محمد رشید الدین
صاحب المتخلص بہ مواج نے میرا قصیدہ پڑھا جو اوپر لکھ آیا ہوں اس کے
بعد حکیم مقصود علی خاں صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق
پر بطور وعظ تقریر کی جو درحقیقت پراثر اور معنی خیز تھی اس تقریر کے بعد نجم الدین ثاقب نے اپنا قصیدہ
پڑھا جو اس کے بعد لکھا جائے گا ۔ ان کے بعد مولوی سعادت حسین
بلبل ہند نے ولادت آنحضرت پر وعظ کہا مگر انھوں نے اپنی تقریر
کے ضمن میں ایسا ناگوار طریقہ اختیار کیا جس کا انداز مذہبی چھیڑ چھاڑ کا
پہلو لئے ہوئے تھا ۔ ایسے عام مجمعوں میں جس میں ہر مذہب کے لوگ
ہوں اس قسم کی دل شکن تقریر کرنا واعظ کے لئے ایک بدنما امر ہے
میں نے ہی نہیں بلکہ عام طور پر اکثر نے اس کو ناپسند کیا اور ایسے ہی
کوتہ خیالات اور متعصبانہ برتاو سے ہندو مسلمان بدنام ہیں خدا تعصب کو

دور کر دے ۔

ان کے وعظ ختم کرنے پر محمد شریف صاحب نے دلکش لہجہ میں نعتیہ اشعار پڑھے اِن کے بعد حکیم مقصود علی خاں صاحب نے دعا اور سلامتی حضرت پیر و مرشد بادشاہِ دکن خلد اللہ ملکہٗ پر جلسہ ختم کیا اور میں اپنے کیمپ کو ڈیڑھ بجے واپس آیا اور سو گیا ۔

قصیدۂ تہنیت معراج شریف جو ثاقب صاحب نے انجمنِ نظام الاسلام میں پڑھا تھا

الٰہی آج کی شب ہے کہ صبح روزِ عشرت ہے	
	نمایاں شام ہی سے جلوۂ انوارِ رحمت ہے
یہہ وہ شب ہے کہ روزِ عید جس کا سایۂ گیسو ہو	
	خجل صبحِ وطن جس سے یہہ ایسی شامِ غربت ہے
یہہ وہ شب ہے تجلی جس کی برقِ وادیٔ ایمن	
	فسانہ طور و موسیٰ کا اسی شب کی حکایت ہے
یہہ وہ شب ہے کہ لیلائے قدم ہے دھر حادثِ نیا	

اسی سے بزمِ کثرت میں فروزاں شمع وحدت ہے
یہہ وہ شب ہے کہ صبح جبہہ یوسف اک جھلک جسکی
یہی شب دیدۂ یعقوب میں کحلِ بصیرت ہے
یہہ وہ شب ہے کھلے گنجینۂ اسرارِ حق جس میں
کہ سبحان الذی اسریٰ اسی شب کی حقیقت ہے
خوشی نے اسکی بدلا عالم ایجاد کا نقشہ
زمین کی اور صورت ہے فلک کی اور رنگت ہے
خدائی میں سماں چھایا ہوا ہے کچھ نئے ڈھب کا
جسے دیکھو وہ شکلِ آئینہ تصویر حیرت ہے
کہاں کا چاند کیسی چاندنی کیا فرش کی حاجت
زمیں کے گوشہ گوشہ میں بساطِ نور وحدت ہے
زمین و آسماں کی زیب و زینت اور کیا کہئے
یہاں بھی ایک جنت ہے وہاں بھی ایک جنت ہے
یہاں کے ذرہ ذرہ میں دُر و یاقوت کی تابش
وہاں کے تارہ تارے میں گل وریحاں کی نگہت ہے
یہاں جن و بشر فرطِ ادب سے مہر بر لب ہیں
وہاں حور و ملائک میں نہ سجدہ ہے نہ طاعت ہے

نہ کھٹکا رعد کی تسبیح کا آتا ہے کانوں تک
نہ کڑکا بجلیوں کا ہے نہ شورِ ابرِ رحمت ہے
خموشی میں ادا ہوتے ہیں مطلب اک خدائی کے
نہ کچھ کہنے کی حاجت ہے نہ سننے کی ضرورت ہے
غرض بے زمزمہ ہی آج چھڑتا ہے ہر اک نغمہ
ترانہ بے صدا بے صوتِ گل بانگِ مسرت ہے
بجے کیونکر نہ بے آواز شہنائی تشہد کی
کہ وصلِ شاہِ مشہود کی در پردہ نوبت ہے
نبی مشہود ٹھہرے ہیں خدا شاہ خدا شاہد
لبِ روح الامیں پیہم ترنم ریزِ عشرت ہے
عمامہ حسن کا سر پر عبائے نورِ حق در بر
خدا ہے میم کا پٹکا کمر سے وہ نزاکت ہے
براق ان کی سواری میں ملک خدمتگذاری میں
کرم آئینہ داری میں جلو میں شانِ رحمت ہے
جنودِ انبیاء ہر گام استقبال کی خاطر
چپ و راس آگے پیچھے لشکرِ حورانِ جنت ہے
بچھا رکھی ہیں مہر و مہ نے ہر ہر گام پر آنکھیں

سر پر نور پر سایہ فگن چتر شفاعت ہے
عیاں چہرہ سے آثار تردد ہیں خوشی میں بھی
مگر دل میں نہاں درد گنہ گاران امت ہے
براق بادپا کی تیزیوں تک ذہن کیا پہونچے
کڑی منزل کٹھن رستا بڑی لمبی مسافت ہے
نسیم خلد سے پوچھے کوئی ہر ہر ادا اس کی
چٹکنے میں جو غنچہ ہے تو اڑ چلنے میں نکہت ہے
ملک طیر آسماں رفعت عطارد شان زہرہ وش
قمر تمثال جوزا گوش مہر و مہر طلعت ہے
پری پیکر صبا دم باد پا آہو طفر خوش خو
گل اندام آئینہ رو برق جولاں حور خصلت ہے
وہ نور محض یہہ راکب کہ سایہ تک نہیں قد کا
وہ برق حسن یہہ مرکب کہ نقش سم سے وحشت ہے
حقیقت راکب و مرکب کی پہچانے کوئی کیوں کر
خدا کی شان ہے وہ بھی خدا کی یہ بھی قدرت ہے
ہوائے شوق میں اڑ کر چلے یوں عرش کی جانب
کہ جس سرعت کی برق وادی ایمن کو حسرت ہے

کہاں رنگ رُخ عشاق کے اُڑنے میں یہہ تیزی
کہاں اس طرح دل میں آمدِ دردِ محبت ہے
یہہ وہ جملہ کہ جس میں مبتدا سے ہے خبر پہلے
یہہ وہ معنی جنھیں لفظوں پہ حاصل اولیت ہے
ابھی کعبہ میں تھا بستر ابھی عرشِ معلےٰ پر
زمیں والوں کو سکتہ ہے فلک والوں کو حیرت ہے
زمین و آسماں دیکھے خدا کے سب مکاں دیکھے
مکیں سے جا ملے دم میں یہہ جذبِ حسن اُلفت ہے
کہاں وہ عرش اعلیٰ قرب او ادنیٰ ہوا حاصل
وہاں کیا دخل کثرت کا جہاں وحدت ہی وحدت ہے
بڑھے قوسین سے آگے تو اسبابِ دوئی کیسی
فقط اک میم کا پردہ کہ وہ حدِّ شریعت ہے
خدا جانے رہا یا درمیاں سے اُٹھ گیا وہ بھی
اسی سے خوب روشن ہے وہاں کی جو حقیقت ہے
کوئی جانے تو کیا جانے یہ سرکاروں کی باتیں ہیں
کوئی سمجھے تو کیا سمجھے یہہ رازِ حسن و الفت ہے
گئے آئے ملے اللہ سے باتیں ہوئیں لیکن

ابھی زنجیر کو جنبش ہے بستر میں حرارت ہے
تعجب کیا اگر وقفہ نہ ہو کچھ آمد و شد میں

سراپا نور حق ہیں روح مطلق جسمِ حضرت ہے
وہی ہے نور جو خارج ہے ابعادِ ثلاثہ سے

وہی ہے روحِ مطلق زندگی جس سے عبادت ہے
ہو ابعادِ ثلاثہ ہوں تو سایہ کیوں نہ ہو قد کا

ہوا ثابت کہ جسمِ پاک نورِ شمعِ وحدت ہے
فقط اک انحصارِ زندگانی روح پر ٹھہرا

یہاں موقوف ذاتِ پاک پر خلقت کی خلقت ہے
زمین و آسماں کے مرحلے یوں طے ہوئے دم میں

یہہ بیّن ہے ثبوت اس کا یہہ اس دعوے پہ حجت ہے
تادّب یا قلم پیش نظر ہے جلوۂ موسیٰ

زبانِ حضرت موسیٰ میں ابتک جس سے لکنت ہے
بڑھا کر ہاتھ جو کچھ مانگنا ہو مانگ لے ثاقب

یہہ محفل مغتنم ہے اور یہہ جلسہ غنیمت ہے
الٰہی آصفِ ہفتم پہ سایہ پنجتن کا ہو

وہ آصف جن سے استحکام ارکانِ شریعت ہے

وہ آصف حضرت عثمان علیخان ظل سبحانی
کہ طرہ جن کے سر پر آج دستارِ خلافت ہے
الٰہی حاضرینِ محفلِ معراج پر رحمت
کہ جن میں اس سراپا جرم و عصیاں کی بھی شرکت ہے
صفِ اہلِ ہنر میں بے ہنر شامل ہے اک یہ بھی
گلوں کے ساتھ خارِ ناتواں کیا تیری قدرت ہے
ترے بندے ہیں سب اچھے برے داتا ہے تو سب کا
ترا فضل و کرم سب پر تری سب پر عنایت ہے
کمال اس کو عطا کر دے مٹا کر نقص کے دھبے
یہ آئینہ ہے زنگ آلود صیقل کی ضرورت ہے
کوئی صیقل نہیں تیری نگاہِ مہر سے بڑھ کر
خدائی کو تری چشمِ کرم سے چشمِ رحمت ہے
تصدق اس خوشی کا بھر دے نیت بھوکے پیاسوں کی
ترے پیارے کی یا رب آج تیرے گھر میں دعوت ہے

رہا کر بندِ غم سے یا خدا اس عید کا صدقہ
شبِ معراجِ آنحضرت کے جلسے کی مسرت ہے

۱۲ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ - ۱۸ جنوری ۱۹۱۶ء - ۱۵ اسفندار ۱۳۲۵ف شنبہ

نو بجے حسبِ وعدہ چوک کی مسجد میں گیا - حکیم مولوی مقصود علی خانصاحب مضطر صاحب - ثاقب صاحب - قیس صاحب - مولوی سید عبدالرؤف صاحب - رامچند پرشاد - عبدالرحمن - سید برہان وغیرہ ہمراہیوں میں تھے - جب ہم وہاں پہنچے جلوس تیار تھا - اس کے ہمراہ ہم سب پیادہ پا جامع مسجد تک گئے - آگے آگے عربوں کا بیڑا صلوٰۃ پڑھتا بندوقیں سر کرتا ہوا تھا جامع مسجد کے دروازہ پر پلٹن نے سلامی دی جب داخل جامع مسجد ہوئے تو تمام حاضرین نے جنکی تعداد تقریبًا سات آٹھ سو ہوگی جن میں تمام حکام و اعزاء موجود تھے فردًا فردًا دو رکعتیں نماز نفل کی پڑھیں اس کے بعد حکیم مولوی مقصود علیخانصاحب نے ممبر پر جا کر خطبۂ میلاد پڑھا اور دعائے صحت و سلامتی حضرت بندگانعالی پر ختم کیا بعد اس کے اکیس توپیں عام خاص سے سلامی کی سر ہوئیں بعد اس کے سب نے مصافحہ کیا اور واپس ہوئے - گیارہ بجے میں اپنے کیمپ کو معہ ہمراہیوں کے واپس آیا ملاقات کے کمرہ میں بیٹھا کہ سید احمد رضوی مہتمم ابین کرور گیری آئے اُن سے ملا یہہ صاحب پانچ چھے مہینے قبل میرے دفتر انگریزی کے مددگار تھے بعض وجوہ سے

مستعفی ہو کر چلے آئے۔ اور اب سرکار عالی کی ملازمت میں امین کروڑگیری ہیں۔

آج میں نے سیلون کے انتظام کا حکم دیا ہے میرا ارادہ یہاں سے براہِ بمبئی و احمد آباد اجمیر شریف جانیکا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

چار بجے مولوی محمد جامع صاحب اور غلام فاروق صاحب جمعدار بلدہ سے میری ملاقات کو آئے۔ اتفاق سے اسیوقت ایک بین کار ساکنِ اندور بھی آگیا جو اپنے فن کا اُستاد تھا میں نے اس کو سُنا۔ اس وقت صحبت میں حسبِ ذیل حضرات تھے:۔

مولوی محمد جامع۔ غلام فاروق صاحب جمعدار۔ سید صادق حسین عبار، منتظم پیشی۔ بشیر الدین حسامی۔ سید محمد علی مضطر۔ خواجہ بدیع اللہ قیس۔ راجندر پرشاد۔ بین کار کے ہاتھ کی تیاری قابلِ تعریف تھی دیر تک لطفِ صحبت رہا۔

(۱۳ ربیع الاول ۱۹ جنوری ۔ ۱۶ اسفندار چہار شنبہ)

آج میں چار بجے بیدار ہوا۔ پانچ بجے بطورِ تفریح ٹہلتا ہوا اس مکان میں چلا گیا جہاں منتظم پیشی کا دفتر تھا۔ اسی مکان میں مولوی سید عبدالرؤف صاحب قیس۔ مضطر۔ ثاقب۔ وغیرہ مقیم تھے اور سب بیدار تھے اچانک طور پر میرے وہاں جانے سے اِن کی بے تکلف محفل میں جو تکلف پیدا

ہو گیا اور گھبراہٹ ہو گئی یہہ منظر بھی قابل دید تھا خصوصًا مولوی سید عبدالرؤف صاحب دہلوی کا ایک بے تصنع اور سادہ لہجہ میں یہہ کہنا کہ "بہت آئے ادب امیر سمند تبسم کے لئے ایک تازیانہ ہوا۔ میری حسب فرمایش حسامی صاحب نے بقاعدۂ پارسیاں سروش باز (ژندو پاژند) سنائی اس کے بعد میں نے شب کو ایک نعتیہ غزل لکھی تھی جس کو میں اوپر لکھ آیا ہوں اور وہ مبیضہ کے لئے دفتر پیشی میں آئی ہوئی تھی پڑھی گئی پہلے اسکو ثاقب صاحب نے پڑھا۔ مگر جب مولوی عبدالرؤف صاحب نے اپنی خوش الحانی سے اسکو پڑھا تو اس کا لطف دوچند ہو گیا۔ ساڑھے چھہ بجے تک لطفِ صحبت رہا۔ وہاں سے برخاست کرکے میں اپنے مقام پر آیا۔ منتظم پیشی نے کچھ کاغذات پیش کئے۔ اور بضرورت کارسرکاری ناندیڑ جانے کی اجازت چاہی شب کی گاڑی میں جائیں گے۔

اسی وقت محمد جامع صاحب اور غلام فاروق صاحب بھی آگئے کچھ دیر ان سے بھی باتیں کیں:۔

سید محمد علی مضطر نے ایک کاغذ پیش کیا جسمیں کچھ رباعیات اور ایک غزل تھی جو حسب ذیل ہیں

رباعی

ہمراہِ جنابِ شاد قسمت لائی	منہ مانگی مراد تو نے مضطر پائی
عزت بھی ملی سفر میں راحت کے سوا	ہر آرزوئے دلی تری بر آئی

دیگر

اب بھی ملتے ہیں ترے در پر لاکھوں
قدموں پہ فدا ہونے کو ہیں سر لاکھوں

روئیں جو گئے وقت کو دیوانے ہیں
دن آئیں گے اور اس سے بہتر لاکھوں

ایضاً

دنیا میں نتیجہ اطاعت دیکھا
رہ کر خدمت میں لطف عزت دیکھا

دیکھا تھا کبھی نہ ہم نے جو کچھ مضطر
وہ سب سرکار کی بدولت دیکھا

قطعہ

آنکھ سے دیکھ لیا کان سے جو سنتے تھے
دل میں اب تیری بدولت کوئی حسرت نہ رہی

غار بلور میں دیکھے وہ تصاویر قدیم
صنعت مانی و بہزاد کی وقعت نہ رہی

غزل

مضطرب دل بھی مرا دیدۂ خونبار بھی ہے
حسرت وصل بھی ہے خواہش دیدار بھی ہے

دفن کو بس ہے مرے کوچۂ قاتل کی زمیں

اور چادر کے لئے سایۂ دیوار بھی ہے

قتلِ عالم کا اُٹھایا ہے اُنھوں نے بیڑا
چل کے دیکھیں تو سہی ہاتھ میں تلوار بھی ہے

دل کے اِس شوخ سے آفت میں پھنسا ہے دشمن
خواہشِ زیست بھی ہے جان سے بیزار بھی ہے

ہیں خریدار زلیخا کی طرح سے لاکھوں
بکنے والا کوئی یوسف سرِ بازار بھی ہے

ترکِ اُلفت کا ارادہ تو کیا ہے لیکن
سخت مشکل ہے کہ آسان بھی ہے دشوار بھی ہے

ہے وہی برقِ تجلّی وہی دشتِ ایمن
کوئی موسیٰ کی طرح طالبِ دیدار بھی ہے

ہو کے پامال مری خاک نے پایا یہ عروج
سرمۂ چشم بھی ہے غازۂ رُخسار بھی ہے

لڑ گئی طالعِ دشمن سے ہماری تقدیر
دل بھی پہلو میں بغل میں بتِ عیار بھی ہے

عیشِ دنیا نہیں تکلیف سے خالی ہرگز
جس جگہ پھول ہے گلشن میں وہیں خار بھی ہے

اہل دربار بھی سب صاحبِ فن ہیں مضطر

قدر دانی کے لئے شاد کی سرکار بھی ہے

۱۴ ربیع الاول-۲۰ جنوری-۱۷ اسفندار پنجشنبہ

مولوی محمد جامع صاحب اور غلام فاروق صاحب جمعدار آئے میں ان سے ملا۔ دس بجے ٹہلتا ہوا بنے میاں صاحب مجذوب کی خدمت میں گیا۔ راستہ میں ایک مصرعہ ذہن میں آیا۔

بنے بنائے ہوئے ہیں بنے میاں مجذوب

مصاحبین کو یہ مصرعہ دیکر غزل کہنے کی فرمایش کی گئی۔ وہاں پہونچکر ایک گنی نذر کی کہا میں کیا کروں۔ تھوڑی دیر وہاں رہ کر واپس آگیا دو بجے کی ٹرین میں میر خورشید علی المخاطب دولھا نواب (داماد) معہ عیال بلدہ سے آئے (اسٹیشن پر سواریوں کا انتظام کر دیا گیا تھا اس کے بعد شام تک معمولی واقعات کے سوا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا اور نہ میں کہیں گیا۔ سوا تین بجے شب کے غبار صاحب ناندیڑ سے واپس آئے۔

۱۵ ربیع الاول-۲۱ جنوری-۱۸ اسفندار-جمعہ

معمولی کاموں سے فراغت پاکر برآمد ہوا۔ غبار صاحب (منتظم پیشی) نے

ناندیڑ کی رپوٹ پیش کی۔ اسی اثنا میں صوبہ دار میجر سردار بہادر وظیفہ یاب آئے ان کے حالات دیر تک دریافت کرتا رہا۔ اسکے بعد حضرت شاہ مظفر کے سجادے باباشاہ غلام محمود نقشبندی آئے اُن سے ملا ان کی خواہش پر میں نے اُن سے وعدہ کیا ہے کہ چار بجے درگاہ میں آؤنگا۔ آج میں ٹہلتا ہوا پھر اپنے مصاحبین کیساتھ بنے میاں صاحب کے درشن کو گیا حضرت ایک مجذوبانہ حالت میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں با اثر فقیر ہیں۔ جب سے جنگ یوروپ شروع ہوئی ہے حضرت کا مشغلہ ہے کہ سنگ ریزوں کی صفیں قایم کرتے ہیں دن رات یہی مشغلہ ہے وہاں سے واپس آکر اپنے داماد (دولہا نواب) اور مولوی سید عبدالروف صاحب کو لیکر بسواری موٹر احمد بادشاہ کی ملاقات کو گیا۔ یہ حضرت عزیز بادشاہ کے فرزند اور سجادہ اور اقبال یار جنگ مرحوم کے بھائی ہیں۔ والی عصر اعلحضرت خلداللہ ملکہ کے اتالیق بھی رہے ہیں نہایت نیک اور خلیق آدمی ہیں ان کا خاندان ہمیشہ سے مشائخین کے زمرہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

گیارہ بجے وہاں سے واپس آیا۔ اسی وقت خواجہ شمس الدین صاحب آئے۔ دو بجے کی ٹرین میں سید امام الدین تعلقدار پرتور بھی آئے پانچ بجے مولوی سید عبدالرؤف صاحب اور میر خورشید علی دولھا نواب کو

ساتھ لیکر شاہ مظفر کے تکیہ میں گیا جس کے لئے آج صبح کو وعدہ کر چکا تھا
وہاں کے منظر سے دل کو بیحد فرحت حاصل ہوئی -

باباشاہ مظفر

باد شاہ مظفر اورنگ آباد کے سلسلۂ نقشبندیہ میں ایک نہایت مشہور بزرگ ہوئے ہیں - آپ کی ولادت غزوان میں ہوئی اور آپنے بخارا میں بابا پلنگ پوش نقشبندی کی زیر تربیت رہ کر تعلیم حاصل کی حسن ابدال آپ کے روحانی اُستاد نے آپ کو حق بیعت عطا فرمایا اور دستار و خرقہ عنایت کیا بابا شاہ مظفر بنگال - اڑیسہ کی سیر کرتے ہوئے حیدرآباد ہوکر اورنگ آباد آئے یہاں پہنچکر آپ شاہ عنایت کے تکیہ میں مقیم ہوئے - لیکن چند ہی روز قیام کے بعد پھر آمادۂ سفر ہوئے اور مکۂ معظمہ جاکر بعدِ فراغت حج و زیارت پھر اورنگ آباد آئے اس مرتبہ آپ کو شاہ عنایت نے اپنے یہاں ٹھہرنے نہ دیا - آپ محمود دوازہ گئے جہاں شیریں آزاد مقیم تھے شاہ شیریں آزاد نے مسجد کو بابا شاہ مظفر کے لئے خالی کر دیا اور خود سلطان گنج کو چلے گئے - آپ نے مسجد کو بھنگ و شراب وغیرہ سے پاک وصاف کیا جسے شاہ آزاد نے

جمع کر رکھا تھا یہاں شاہِ مظفر نے زندگی بسر کرنا شروع کی بہت سے مشہور لوگ آپ کی زیارت کو آتے تھے جنھوں نے ارادتمندانہ سعادت سے نہ صرف آپ کے مختصر مکان کو مضبوط و مستحکم بنوایا بلکہ مدرسہ ۔ مسافر خانہ ۔ حوض اور چشمہ بھی تیار کرا دیا ۔ چنانچہ جو لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں تھے اُن کے نام یہہ ہیں ۔

حاجی جمیل بیگ خاں ۔ محمد طاہر ایرانی ۔ خواجہ منظور شاہی حرم سرا کا خواجہ سرا ۔ حاجی عبد المعین بلخ کا مشہور شاعر ۔ اور طاہر بیگ ناشفندی ۔

محمد قلیج خاں نے آپ کو قصاب کھیڑا پرگنہ ایلورا کی جاگیر عطا کی اور ایک سو پچاس روپیہ کا یومیہ مقرر کر دیا ۔

بہادر شاہ بادشاہِ دہلی نے بھی اظہارِ عقیدت فرمایا اور اپنے وزیر کو آپ کی خدمت میں روانہ کیا ۔ اس کے بعد شاہزادہ معز الدین نے شرف قدمبوسی حاصل کیا ۔

بابا شاہ مظفر نے ۱۱۱۰ھ میں وفات پائی ۔

۱۱۱۱ھ ہجری میں ترکتاز خاں بہادر نے جو نظام الملک آصف جاہ کے ارا کین سلطنت سے تھے موجودہ پختہ مسجد اور پن چکی تعمیر کرائی ۔

اگر میں اورنگ آباد کے تمام بزرگانِ دین کے حالات لکھوں تو

ایک دوسری کتاب لکھنی ہوگی لہٰذا میں یہاں کے سلسلہ حالات صرف اُن بزرگانِ دین کے ناموں کی فہرست پر ختم کرتا ہوں جو یہاں مدفون ہیں:-

شاہ لطیف قادری۔ شاہ ناصر الدین۔ شاہ تاج الدین۔ سلیمان شاہ جان اللہ شاہ۔ جن کا تکیہ مشہور ہے۔ شاہ خاکسار۔ شاہ اشرف۔ شاہ داؤد شکر گنج۔ پیر جہان اللہ شاہ۔ دیوانہ تراب۔ گولہ شاہ چنبیلی شاہ۔ محمد ابراہیم۔ رکن الدین۔ معز الدین۔ وغیرہ۔ وغیرہ۔

(۱۶ ربیع الاول ۲۲ جنوری ۱۹ اسفندار شنبہ)

آج میں یہاں سے روانہ ہونیوالا ہوں۔ سید امام الدین تعلقدار پرتور سے دیر تک باتیں کرتا رہا ساڑھے آٹھ بجے میں موٹر میں سوار ہو کر اسٹیشن پر آیا جو سیلون زرورڈ ہوکر آئے تھے ان کا معائنہ کیا بارہ بجے تک محلات اور تمام ملازمین اسٹیشن پر آ گئے دو بجے ہماری گاڑی روانہ ہوئی پانچ بجے منماڑ پر گاڑی پہنچی میرے سیلون علیحدہ کئے گئے اور دوسرے سیلون میں (جن کا انتظام پہلے سے بذریعہ تار کیا جا چکا تھا) جا کر بیٹھ گئے۔ بالفعل میرا ارادہ بمبئی کا ہے وہاں سے براہِ احمد آباد گجرات اجمیر شریف جانیکا قصد ہے انشاء اللہ تعالیٰ منماڑ سے ساڑھے آٹھ بجے میری سیلون بمبئی جانے والی ٹرین میں لگا دیے گئے

اور ہم سب بمبئی کو روانہ ہوئے -

(۱۷ ربیع الاول ۲۳ جنوری - ۲۰ اسفندار یکشنبہ)

ساڑھے گیارہ بجے ہماری گاڑی ناسک پر پہنچی بڑی رانی کے کہنے سے میں نے اپنے سیلون کو علحدہ کراکر سواریوں کے انتظام کا حکم دیا پانچ بجے صبح کے ایک موٹر اور کچھ ٹانگے منگوائے گئے میں نے اپنے منتظم پیشی (غیار صاحب) اور رامچندر پرشاد[1] کو حکم دیا کہ محل کے ہمراہ جائیں راجہ پلٹن کا پہرہ اور فراش وغیرہ کا انتظام پہلے سے وہاں ہو گیا تھا - ساڑھے (۷) بجے اشنان وغیرہ سے فرصت پاکر سواری واپس ہوئی - سردی بیحد تھی اس لئے میں خود نہ جا سکا (۵) بجکر (۳۰) منٹ پر ہماری سیلون گاڑی میں لگا دیے گئے اور ہم بمبئی کو روانہ ہوئے سوا نو بجے ہماری گاڑی بمبئی ٹرمنس اسٹیشن پر

---

[1] رامچندر پرشاد کی علالت کی آج پہلی تاریخ ہے چونکہ سردی اعتدال سے زیادہ تھی - بوجہ ضعیف اور ضعیف القویٰ ہونے کے کھلی ہوا میں ان کا اشنان کرنا اور دیر تک ہوا میں بیٹھکر پوجا کرنا انکی علالت کا سبب ہو گیا - ناسک ہی سے وہ بیمار ہوئے اجمیر شریف میں انکی علالت خطرناک ہو گئی تھی میں نے منتظم پیشی کو حکم دیا کہ انکو واپس کر دیا جائے لیکن چونکہ وہ اک باہمت اور مستقل طبیعت کے لوگوں میں تھے واپس جانا گوارا نہ کیا اور کانپور تک وہ بیماری ہی کی حالت میں میرے ساتھ رہے - کانپور سے میں نے انکی حالت کا اندازہ کرکے ان کو دو آدمی ساتھ دیکر بلدہ کو روانہ کر دیا بالآخر ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ مطابق ۲۵ فروردی ۱۳۳۵ف کو راہی دارالبقا ہوئے - خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں ؛

پہنچی میں نے اپنے ڈبے سائڈ ٹنگ میں کھڑے کئے جانیکا حکم دیا
پونے دس بجے مولوی سید عبدالرؤف صاحب، سید صادق حسین عیار
نجم الدین ثاقب، خواجہ بدیع الدین قلیس کو ہمراہ لیکر تاج محل ہوٹل میں
گیا اور تیسری منزل کا روم نمبری (۳۲۳) پچاس روپیہ روز پر رزورڈ
کرلیا بارہ بجے کے قریب وہاں سے واپس آیا۔

(۱۸ ربیع الاول ۲۴ جنوری-۲۱ اسفندار- دوشنبہ)

حسبِ معمول حوائج ضروری سے فراغت پاکر (۷) بجے پلیٹ فارم پر ٹہل رہا تھا
منتظم پیشی آئے اور اطلاع دی کہ مہاراجہ میسور آنیوالے ہیں چنانچہ نو بجے
مہاراجہ میسور کی اسپشل آئی۔ اسی وقت دو تین اسپشلیں فوج کی بھی آئیں
جو بصرہ کو جانیوالی تھیں اور سائڈ ٹنگ اسی پلیٹ فارم پر تھا جس پر
فوج اتری تھی باوجود اس کے کہ راجہ پلٹن اور راٹھوروں کا پہرہ قائم
تھا لیکن جگہ کی قلت اور فوج کی کثرت سے مجھ کو کسی قدر تکلیف ہوئی
اور اسی وقت میں نے اپنے داماد میر خورشید علی (دولھا نواب) کو مکان
کرایہ پر لینے کے لئے بھیجا اور میں موٹر منگا کر ہوا خوری کو چلا گیا۔

دولھا نواب نے مہالکشمی کے توپ خانہ کے قریب وارڈن روڈ
پر بدرالدین طیب جی کا مکان ساڑھے چار سو روپیہ ماہانہ کرایہ پر دیکھا
یہی مکان تھا جو فاضل مور اج پنشن خوار سرکار نظام نے میرے لئے

تجویز کر کے اطلاع دی تھی۔

میں پہلے تھیکر کی شاپ میں گیا وہاں کچھ کتابیں کچھ اور ضروری اشیا خرید کے دوسری شاپ (آرمی نیوی) میں گیا وہاں بھی کچھ چیزیں خریدیں وہاں سے حضرت پیر ابراہیم صاحب آفندی بغدادی کی ملاقات کو گیا (۲) بجے وہاں سے واپس آیا فوج کا سلسلہ اُس وقت تک قایم تھا کھانا کھا کر حسبِ عادت سو گیا۔ پانچ بجے بیدار ہوا مکان تو لیا جا چکا تھا بار برداری کی موٹریں منگا کر سامان روانہ کیا اور میں معہ محلات موٹروں میں سوار ہو کر سوا نو بجے مکان میں پہنچا وہاں جا کر جب دیکھا کہ ڈیڑھ سو آدمیوں کے قیام کے لئے یہہ مکان ناکافی ہے اس کے علاوہ شہر سے کسی قدر فاصلے پر ہے کوئی چیز یہاں دستیاب نہیں ہوتی حفظ صحت کیلئے بھی یہہ مکان اچھا نہیں نہایت نشیب میں ہے محلات کے رہنے کے ناقابل مگر لیا جا چکا تھا پردہ وغیرہ کا ضروری انتظام کیا گیا مصاحبین اور نیز دیگر ہمراہی وغیرہ سب باہر رہے جس کا مجھے افسوس ہے مگر مجبوری تھی۔

(۱۹ ربیع الاول - ۲۵ جنوری - ۲۲ اسفندار سہ شنبہ)

حسبِ معمول بیدار اور حوائجِ ضروری سے فارغ ہو کر غبار صاحب

(منتظم پیشی) اور رامچندر پرشاد کو ساتھ لیکر پہلے تھیکر کی شاپ میں گیا وہاں کچھ اسٹیشنگ کا سامان لیا اور کتابیں خریدیں وہاں سے لارنس میو کی شاپ میں گیا۔منجملہ کارخانہ عینک سازی کے مجھے وہاں ایک کمرہ دکھلایا گیا جو ابھی تیار ہو رہا تھا اس کمرہ میں ایک ایسی مشن تھی جس پر پردہ ڈال کر گھر کے اندر رہنے والوں کی پوری کیفیت منعکس ہو سکتی تھی یہ مشن اعلیٰ درجہ کی ہے اور نئی ایجاد ہے میں اس عجیب و غریب کمرہ کو دیکھکر حضرت پیر ابراہیم صاحب آفندی بغدادی کے مکان پر ان کی ملاقات کو گیا۔ ان کا خوش قطعہ بنگلہ نپن سی روڈ پر سمندر کے کنارے واقع ہونے سے نہایت خوش منظر ہے۔ میرے منتظم پیشی کو میرے جذبِ صادق کے عملی نتیجہ کا معترف ہونا پڑا جب کہ میں نے حضرتِ موصوف کی خدمت میں پہنچنے سے پہلے اس بنگلہ پر اپنے دوست مولوی حکیم مقصود علیخانصاحب سے ملاقات کی جو حیدرآباد سے صرف میری ملاقات کیلئے بمبئی آئے ہوئے تھے میں ان سے ملکر بیحد خوش ہوا اور ان کو ساتھ لئے حضرتِ ممدوح سے ملا۔

(۳) بجے وہاں سے رخصت ہو کر میں اپنے بنگلہ وارڈن روڈ میں آیا پھر میں کہیں نہیں گیا شام کے وقت میرے بچے تاج محل ہوٹل میں ہوا خوری کو گئے۔

قاری محمد سلیمان صاحب علوی کا خط آیا کہ وہ ملاقات کو آنا چاہتے ہیں
قاری میرے زمانۂ وزارت میں سلطنتِ حیدرآباد سے تعلق رکھتے تھے
بھوپال اسٹیٹ نے اِن کو گورنمنٹ نظام سے مانگ لیا۔

صاحبزادہ نواب محمد عبید اللہ خاں بہادر جنرل فوج بھوپال اسٹیٹ بھی دو مہینے سے یہاں آئے ہوئے ہیں جو میرے بنگلہ کے قریب کے بنگلہ میں فروکش ہیں انہیں کے ساتھ قاری صاحب بھی ہیں۔ میں نے بواپسی جواب دیا کہ کل آٹھ بجے مل سکتا ہوں۔

(۲۰ ربیع الاول ۔ ۲۶ جنوری ۔ ۲۳ اسفندار ۔ چہارشنبہ)

(۸) بجے قاری محمد سلیمان صاحب آئے اُن سے مِلا دو جلد سیر پنجاب اور دو جلد رباعیات شاد تحفۃً اِن کو دئے اس کے بعد میں اپنے بچوں کو لیکر بعض شاپوں میں گیا اور ان کے لئے کھلونے اور دلچسپی کا سامان خرید کر واپس آیا۔

(۲۱ ربیع الاول ۔ ۲۷ جنوری ۔ ۲۴ اسفندار ۔ پنجشنبہ)

صبح کو بیدار ہو کر حوائجِ ضروری سے فرصت پاکر باہر آیا مولوی سید عبدالرؤف صاحب آگئے منتظمِ بیٹی نے کچھ کاغذات پیش کئے میں نے اِن کو حکم دیا کہ مسٹر کارنش کے ساتھ جاکر سیلون کا انتظام کرو ساڑھے نو بجے وہ گئے میں نے ایک خط نواب زادہ جنرل

محمد عبید اللہ خاں بہادر بھوپال کے نام لکھ کر بھیجا۔

ساڑھے دس بجے حضرت پیر ابراہیم سیف الدین صاحب اور حکیم مقصود علی خاں صاحب تشریف لائے اور ایک بجے تک لطیف صحبت رہا۔ دو بجے منتظم پیشی اور مسٹر کارنش آئے اور اطلاع دئے کہ ایک سیلون ایک سکنڈ کلاس بوگی اور ایک تھرڈ کلاس بوگی رزورڈ کرلی گئی ہیں سرکار ملاحظہ فرمالیں۔ میں مسٹر کارنش اور منتظم پیشی کو ساتھ لیکر سیلون معائنہ کرنیکے لئے گیا۔ اس کے بعد مسٹر کارنش نے کسی شاپ میں جانیکی اجازت چاہی اور میں منتظم پیشی کو ساتھ لیکر نولکھی شاپ میں گیا جہاں وائرکلر کا سامان خریدا اور بنگلہ کو واپس آیا۔ آکر معلوم ہوا کہ صاحبزادہ جنرل نواب محمد عبید اللہ خاں بہادر بھوپال اور ان کے سکرٹری ملاقات کیلئے تشریف لائے تھے کارڈ چھوڑ گئے ہیں مجھے افسوس ہوا۔ اسیوقت میں نے ایک چٹھی بھیجی کہ میں کل دس بجے آؤنگا۔ اتنے میں فاضل موراج سابق معتمد تعمیرات سرکار عالی آئے دس منٹ تک ان سے باتیں کرتا رہا۔ بعد اس کے برخاست کرکے میں اندر چلا گیا اور بجے ہواخوری کے لئے موٹروں میں سوار ہو کر گئے

(۲۲ ربیع الاول - ۲۸ جنوری - ۲۵ - اسفندار - جمعه)

پونے دس بجے منتظم پیشی نے اطلاع دی کہ نواب صاحب کی ملاقات کا وقت آگیا - میں برآمد ہوا اور اپنے اسٹاف میں سے منتظم پیشی (عباس جنگ) خواجہ بدیع اللہ قیس - نجم الدین ثاقب - شبیر الدین حسامی - سید اصغر علی کو ساتھ لیکر نواب صاحب (نواب زادہ برگیڈیر جنرل حاجی حافظ محمد عبید اللہ خاں بہادر سی - ایس - ای - آنریری میجر افواج برطانیہ و کمانڈر چیف افواج ریاست بھوپال) کی ملاقات کو گیا - نواب صاحب نے موٹر تک استقبال کیا - اور نہایت تپاک و اخلاق سے ملے - نواب صاحب سے پہلی ملاقات تھی البتہ اِن کی والدہ ماجدہ ہر ہائنس نواب سلطان جہاں بیگم والیہ بھوپال سے دہلی دربار کے موقع پر ملاقات ہوئی تھی - نواب صاحب نہایت روشن دماغ بلند خیال - حاجی - حافظ قرآن پاک ہیں اور علوم عربی - فارسی اور انگریزی وغیرہ میں اعلیٰ قابلیت رکھتے ہیں اور خوش اخلاقی و ملنساری میں اپنا مثل نہیں رکھتے - اِن کو گھوڑوں کا بیحد شوق ہے اس وقت اِن کے اصطبل میں اعلیٰ درجہ کے گھوڑے موجود ہیں - چنانچہ میں نے نواب صاحب موصوف کے گھوڑوں میں ایک گھوڑا مشکی رنگ کا اصطبل سے منگا کر دیکھا ہے جس کا نام (کلٹا می)

ہند میں مشہور ہے جو تیس ہزار روپیہ کی قیمت پر ولایت سے آیا ہے دوسرا گھوڑا عربی سنگر نامی جس کی قیمت چودہ ہزار روپیہ ہے اور بمبئی وغیرہ میں مشہور ہے جو نہایت حسین اور متناسب الاعضا ہے۔ (کلٹائی) نے وائسرائے بہادر گورنر جنرل کشور ہند سے کپ جیتا ہے نواب صاحب نے اپنے ہونہار فرزندوں کو طلب فرمایا جن میں ایک کا نام رشید الظفر خاں دوسرے کا نام سعید الظفر خاں اور ہمشیر زادہ کا نام حامد علیخاں ہے نواب صاحب کے بڑے فرزند اپنی دادی صاحبہ محترمہ (والیہ عالیہ ہر ہائنس نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ) کے پاس ہیں جنکا نام وحید الظفر خاں ہے۔

اِن ہونہار صاحبزادوں میں سے میاں حامد علیخاں نے نہایت خوش الحانی سے حجازی لہجہ میں قرأت سنائی جو قاری محمد سلیمان صاحب علوی ناظمِ تعلیمات اُمور مذہبی و معتمد وظائف حجاز کی (جو علم و کمال میں اپنا ہمسر نہیں رکھتے) با اثر اور عمدہ تعلیم کا نتیجہ ہے۔ بعد اس کے تینوں صاحبزادوں نے کھڑے ہو کر انگریزی پوئٹریاں پڑھیں بچوں کی تعلیم و تربیت اور نیز ان کی سعادتِ ازلی و فہم و ذکا سے میں اس قدر خوش ہوا کہ الفاظ میں اس خوشی کو ظاہر نہیں کرسکتا تخمیناً چالیس منٹ تک پر لطف باہمی مکالمہ رہا۔ نواب صاحب نے

رسینر میں شریک ہوسکی مجھے دعوت دی جو کل شنبہ کے دن (۳) بجے ہونے والی ہے ۔ بعد اس کے نواب صاحب موصوف سے رخصت ہو کر اپنے بنگلہ کو واپس آیا ۔

میں نے شہر جانیکا ارادہ کیا اور اس خیال سے روانہ بھی ہوا مگر ایک میل جاکر خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ نواب صاحب بازدید کی ملاقات کو آجائیں اس لئے واپس ہو کر اپنے بنگلہ میں آتے ہی اطلاع ملی کہ چار بجے نواب صاحب بہادر بازدید کی ملاقات کو تشریف لانے والے ہیں مسٹر کارنش کو ڈبوں کے انتظام کے لئے اسٹیشن پر بھیجا چار بجے نواب صاحب معہ اپنے سکرٹری کپتان امیر احمد صاحب اور قاری محمد سلیمان صاحب ناظم تعلیمات و معتمد وظایف کے تشریف لائے ۔ میں نے موٹر تک استقبال کیا ۔ سید صادق حسین غبار (منتظم پیشی) سید اصغر علی بشیر الدین احمد حسامی موجود تھے ۔ نواب صاحب بہادر سے آدھے گھنٹہ تک پر لطف ہمکلامی رہی شاد شاد کام ہوا ۔ نواب صاحب کے تشریف لیجانیکے بعد میں کہیں نہیں گیا ساڑھے پانچ بجے نواب صاحب کے پاس سے ڈالی آئی جسمیں میوہ تھا ۔

(۲۳ ربیع الاول ۔ ۲۹ جنوری ۔ ۲۶ اسفندار شنبہ)

آج میں یہاں سے اجمیر شریف کو روانہ ہونیوالا ہوں ۔ غبار صاحب کو

بار برداری کی موٹریں منگوا کر سامان اسٹیشن پر روانہ کرنیکا حکم دیا۔
یہ بھی حکم دیا کہ نواب صاحب کے یہاں میوے کی ڈالیاں بھیجی جائیں
اور میں سید محمد علی مضطر اور سید برہان الدین کو لیکر بعض شاپوں میں
گیا جہاں میں نے پینٹنگ کا سامان پسند کر کے بلدہ کو روانہ کر دینے کا
آرڈر دیا اور وہاں سے کرافٹ مارکٹ میں آکر ایک جاپانی کتے کی جوڑی
سو روپیہ میں اور ایک طوطا خریدا ساڑھے بارہ بجے وہاں سے واپس آیا
نواب صاحب نے چار ریس کارڈ بھیجدئے (۲) بجے قاری محمد سلیمان
صاحب علوی حسب قرارداد موٹر لیکر آئے۔ اور میں سوار ہو کر ریس میں گیا
میرے ساتھ میر خورشید علی (دولھا نواب) اور قاری محمد سلیمان صاحب
تھے دوسری موٹر میں سید صادق حسین غبار (منتظم پیشی) تھے ہم وہاں
پہنچے ہزارہا آدمیوں کا مجمع تھا۔ گورنر بمبئی بھی تھے مگر مجھ سے ملاقات
نہیں ہوئی۔ چونکہ مجھے آج ہی روانہ ہونا تھا۔ اس لئے دو ہی ریسز
دیکھکر نواب صاحب سے رخصت ہوا۔ کپتان امیر احمد صاحب سکرٹری
موٹر تک پہنچانے آئے۔ دولھا نواب کو میں نے وہیں چھوڑ دیا اور
میں اپنے بنگلہ کو واپس آیا نواب صاحب کے یہاں پانچ کشتیوں میں
میوہ بھیجا گیا۔ چونکہ نواب صاحب اور سکرٹری ریس میں تھے لہذا
محل میں بھیجدیا گیا۔ غبار صاحب کو چار موٹریں محلات کے لئے

منگانیکا حکم دیا۔ چونکہ آج ریس کی وجہ اور نیز کسی جہاز کی آمد کی وجہ سے موٹریں ہر کارخانہ کی رزورڈ ہو چکی تھیں مختلف کارخانوں سے بہ دقّت چار موٹریں خود جاکر لائے۔

(۶) بجے غبار صاحب کو ساتھ لیکر حضرت پیر ابراہیم صاحب کی ملاقات کو گیا (۸) بجے تک ملاقات رہی اُن سے رخصت ہو کر بنگلہ کو آیا اسی وقت حضرتِ پیر ابراہیم موصوف بھی مجھے رخصت کرنیکے لئے میرے بنگلہ پر آئے اور خدا حافظ کہکر اُسی وقت رخصت ہو گئے۔

اسی وقت سکھ گور پرشاد مہنت بھی ملاقات کو آئے اگرچہ وقت نہ تھا لیکن کھڑی کھڑی اُن سے بھی ملا اور محلات کو سوار کرا کر اسٹیشن پر آیا۔ کپتان امیر احمد صاحب سکرٹری اور قاری محمد سلیمان صاحب اسٹیشن پر آئے اور نواب صاحب کی طرف سے مجھے خدا حافظ کہا۔ میرے تمام ہمراہیوں کی بوگی باستثنائے میرے اور محلات کے سیلون کے میل میں احمد آباد کو روانہ ہوئے اور میں معہ محلات ایک گھنٹہ کے بعد روانہ ہوا۔

بمبئی کی عام حالت پر ایک نظر

بمبئی کے اپنے قیام کو آج ختم کرتا ہوں لیکن اس شہر کے حالات

قلمبند کئے بغیر ختم نہ کرونگا۔ اگرچہ میں اپنے پہلے سفر کے روزنامچے موسومہ بہ سیر پنجاب میں اس شہر کی حالات کو لکھ چکا ہوں لیکن اس شہر کی حالت کی مثال مشک کی ہے کہ جس قدر حل کیا جائے خوشبو زیادہ ہوتی جائے۔ اسیطرح اس شہر کے جس قدر حالات لکھے جائیں کم ہیں۔ ان سابقہ حالات پر ذیل کے حالات اضافہ کئے جاتے ہیں

مشاطہ را بگو کہ بر اسباب حُسن یار
چیزے فزوں کند کہ تماشا بجا رسید

بمبئی ہندوستان بھر میں ایک عظیم الشان اور وسیع شہر ہے جس کو یوروپین سیاح ہندوستان کی آنکھ کہتے ہیں اور یہ قول فیصل ہے کہ ایشیا بھر میں ایسا دوسرا شہر آباد نہیں ہے بمبئی کا مشہور اخبار ٹائمز آف انڈیا اپنے شہر بمبئی کو ہندوستان بھر میں باعتبار آبادی و رونق درجہ اول بتاتا ہے۔ اور کلکتہ کا انگریزی اخبار ایمپائر اپنے شہر کلکتہ کو

ہیں ترے گھر کا ثنا خواں اور وہ فردوس کا
بحث آکر پڑ گئی ہے مجھ میں اور رضوان میں

ہم بھی کہتے ہیں کہ کلکتہ سے بمبئی باعتبار آبادی و رونق و تجارت بڑا شہر ہے اور اپنے دعوے کی دلیل میں مارچ ۱۹۱۱ع کی مردم شماری کی

رپورٹ پیش کرتے ہیں۔ دسویں مارچ ۱۹۱۱ء کو بمبئی کی آبادی (۹۷۹۴۴۵) تھی اور کلکتہ میں اسی دن (۸۹۶۰۹۷) آدمی تھے اب ناظرین فیصلہ کریں کہ کلکتہ بڑا ہے یا بمبئی چونکہ کلکتہ وسیع زمین پر پھیلا ہوا ہے اور بمبئی گنجان بہت ہے۔ مقامی حکام نے اپنی وسعت خیال سے سمندر کے ایک کنارہ کو مٹی وغیرہ سے بھر کر آبادی میں اضافہ کرنے کے لئے تین سو ایکڑ زمین نکالی ہے۔

بمبئی ابتدا میں ایک معمولی جزیرہ تھا چنانچہ سترھویں صدی مسیحی کے وسط تک اس کی حالت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کو ایسٹ انڈیا کمپنی نے ۱۶۶۸ء میں دس پونڈ سالانہ اجارہ پر لیکر اپنے کاروبار کی بنیاد ڈالی۔ اس وقت اس کی آبادی صرف دس ہزار تھی سو برس سے کچھ ہی زیادہ عرصہ گذرا کہ تجارت کیساتھ یوروپین روشن خیال نے ملکی اقتدار کی ترقی میں نمایاں حصہ لیکر اس کی آبادی کو معراج کمال پر پہنچا دیا ۱۷۷۳ء میں یہ شہر گورنر جنرل ہند کے ماتحت قرار پاکر پریزیڈنسی کہلانے لگا اگرچہ اس کے بعد کچھ عرصہ تک مرہٹوں کے محاربات اور مختلف انقلابات کا جولانگاہ بنا رہا مگر اٹھارویں صدی عیسوی ختم ہونے سے پیشتر اس شہر پر گورنمنٹ کا مستقل قبضہ ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہہ شہر ۱۸۱۸ء میں

مغربی ہند کا صدر مقام قرار پایا اس وقت تک ممالکِ ایران عراق عرب کا سب سے بڑا بندرگاہ سورت تھا جو بمبئی سے (۱۶۷) میل کے فاصلے پر جانبِ شمال واقع ہے خلیجِ فارس اور بحیرۂ قلزم کے تمام جہاز یہیں لنگر انداز ہوتے تھے۔ لیکن تھوڑی مدت میں موقع کی عمدگی ایسٹ انڈیا کمپنی کی روز افزوں ترقی تجارت اور انگریزی مغربی ہند کی حکومت کا صدر مقام ہونے سے اس کا ستارۂ اقبال ایسا چمکا کہ سورت کی تجارتی اور جہازی نمائش پر پانی پھر گیا اور یہ شہر مغربی ہند میں اول درجہ کا بندرگاہ بن گیا۔ اس وقت سے یہ شہر روز بروز وسعتِ آبادی تجارت تمول غرض ہر اعتبار سے ترقی کر رہا ہے

بمبئی میں فیصدی (۸۰) آدمی باہر کے آئے ہوئے ہیں۔ پچاس ہزار کلوں کے نوکر ممالکِ متحدہ سے اور بارہ ہزار دوکاندار راجپوتانہ سے آئے ہوئے بتائے جاتے ہیں بمبئی میں (۵۳۹) عورتیں فی ہزار پائی جاتی ہیں۔

مسافروں کی بکثرت آمد و رفت کے باعث بیسوں ہوٹل اس شہر میں موجود ہیں یوروپین مسافروں اور اُمراء کے واسطے واٹسن اور تاج محل دو ہوٹل اعلیٰ درجہ کے ہیں ہندوستانیوں اور اوسط درجہ کے لوگوں کے واسطے تین متوسط ہوٹل سیتارام بلڈنگ میں ہیں۔ جو

کرافٹ مارکیٹ کے قریب ہے ان میں سے شاہ جہاں ہوٹل مسلمانوں کے واسطے۔ سندھ پنجاب ہندو ہوٹل ہندوؤں کے واسطے اور کشمیر ہندو ہوٹل دونوں فرقوں کے واسطے ہے مسلمان مسافروں کے کھانے پینے اور مستورات کے پردے کے انتظام کے لحاظ سے شاہ جہاں ہوٹل سے بہتر اور کوئی ہوٹل نہیں ہے۔

اس شہر میں بارہ اسٹیشن ہیں جن میں بائی کلہ گرانٹ روڈ۔ چاندنی روڈ میرن لائن۔ چرچ گیٹ۔ مہالکشمی۔ پیرل۔ الفنسٹن روڈ۔ وکٹوریہ ٹرمنس اور قلابہ وغیرہ ہیں راستے اور بازار کے دونوں طرف سات سات آٹھ آٹھ منزلے مکان ہیں جن میں زیادہ پتھر کا کام ہے اور اپنی نزاکت و خوشنمائی سے نظر کو اپنی طرف کھینچتے ہیں بازار بہت لمبے وکشادہ ہیں۔ ہر بازار اپنی آپ نظیر اور اپنا جواب ہے۔ نل بازار۔ موتی بازار۔ جامع مسجد بازار مارکیٹ بازار۔ کپڑے کا بازار۔ ممبادیوی بازار۔ چور بازار۔ وغیرہ اپنی یکتائی کا جواب نہیں رکھتے۔ ہر دوکان اور ہر مکان میں بجلی کی روشنی سے شب یلدا میں روز روشن کا دھوکا ہوتا ہے۔ سڑکوں پر ٹراموے کی دوہری لین ہے بازار میں گاڑیوں کی آمد و رفت کے لئے پکی سڑکیں بنی ہوئی ہیں بازاروں میں ہر وقت وہ بھیڑ بھاڑ رہتی ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے ایک طرف سے ہوا کی طرح ٹراموے

دوڑی جاتی ہے ۔ دوسری طرف موٹر کار زمین کی طنابیں کھینچتی آتی ہے
تیسری طرف گاڑی والا بچو بچو (لے ہے باجو) کی صدا لگا رہا ہے ۔
چوتھی طرف بائیسکل والا ٹن ٹن کی خوش آیند صدا سنا رہا ہے چلنے پھرنے
والوں کی وہ ریل پیل ہے کہ شانہ سے شانہ چھلتا ہے اوپر کی طرف
دیکھتے ہیں تو تاروں کے جال تنے ہوئے نظر آتے ہیں یہ تار کچھ
ٹریموے کے کچھ بجلی کی روشنی کے کچھ بجلی کے پنکھوں کے کچھ ٹیلگراف
اور ٹیلیفون کے ہیں ایک ایک تار کے کھمبے کو اسی نوے تار لگے ہوئے
ہیں دکانیں ہر قسم کے سامان سے بھری پڑی ہیں شہر کیا ہے انسانی
زندگی کی ضرورتوں کا میگزین ہے جس طرف نکل جاؤ یکساں بازار یکساں دوکانیں
یکساں مکانات دیکھکر حیرت ہوتی ہے جس طرف جائیے جس طرف نظر کیجئے
ایک سے ایک حسین رشک حور گورے گورے بازو سینہ ابھارے
ریشمی بیلدار ساڑھی سے زینت کئے پھر رہی ہے ۔

عموماً ہر بازار ہر دکان میں بجلی کی روشنی پھیلی ہوئی ہے بڑے بڑے
دفاتر میں بھی بجلی ہی کے پنکھے عہدہ داروں کی ہواداری کا دم بھر رہے ہیں

سیتارام بلڈنگ حسن اتفاق سے کچھ ایسے نمایاں موقع پر واقع
ہوئی ہے کہ قلعہ اور شہر کی سیر کے واسطے تقریباً وسط کا حکم رکھتی ہے
جس کی نمائش ذیل کی سطروں سے ہو سکتی ہے ۔

سیتارام بلڈنگ سے شہر کی طرف

کرافت مارکیٹ - یہ عمارت نہایت وسیع اور ہوادار موقع پر بہتر ہزار مربع گز میں پھیلی ہوئی ہے - اس کا بارھواں حصہ مسقف اور باقی کشادہ ہے مسقف حصہ میں ہر قسم کی دوکانیں علیحدہ علیحدہ ہیں کہیں میوہ جات ترکاریاں اور پھول بکتے ہیں کہیں مچھلی اور گوشت - ایک طرف بسکٹ اور دیگر اشیا کی دوکانیں ہیں - دوسری طرف روزمرہ کی استعمالی اشیاء پاتابہ رومال - چھتری وغیرہ چیزیں بکتی ہیں -

اسی طرح بیرونی حصہ میں ہر قسم کے پرندے فروخت ہوتے ہیں اس لئے یہ کہنا خالی از مبالغہ ہے کہ شمالی ہند میں اس قسم کی کوئی مارکیٹ نہیں ہے -

بھنڈی بازار - یہ بازار پائی دھونی کے چوک سے شروع ہو کر دور تک چلا گیا ہے - اس میں کتب فروشوں - بزازوں اور ٹوپی بیچنے والوں کی بیشمار دکانیں ہیں - دہلی لکھنو کے اکثر تاجر اور کاروباری اسی بازار میں رہتے ہیں پائی دھونی اور بھنڈی بازار کے اطراف میں کئی عالی شان مساجد واقع ہیں نیز یہ بازار کتب مطبوعہ ایران و مصر کی سب سے بڑی منڈی ہے -

بائی کلہ - یہہ بھنڈی بازار سے شمال کی جانب ہے اس میں کئی

بڑی عمارتیں ہیں مثلاً سر جمشید جی ۔جی جی بھائی کا ہسپتال جو باٹلی والے کے ہسپتال کے نام سے مشہور ہے میڈیکل کالج ۔ونسنری کالج ۔وکٹوریہ گارڈن وکٹوریا میوزیم ۔چڑیا گھر ۔وکٹوریا جوبلی ٹیکنیکل نسٹیٹوٹ ۔اس وکٹوریہ میوزیم میں دنیا بھر کی عجیب وغریب چیزیں بہم پہنچائی گئی ہیں اور چڑیا گھر میں انواع واقسام کے زندہ حیوانات اور پرندے ہیں جس کے دیکھنے سے قدرت کا تماشا اور صانع کی صنعتگری کا جلوہ دکھائی دیتا ہے ۔

کرافٹ مارکیٹ سے قلعہ کی طرف

دائیں طرف پولیس کمشنر کا دفتر ہے پھر جے ۔جے ۔سکول آف آرٹ انجمن اسلامیہ ہائی اسکول ۔ٹائمز آف انڈیا کا پریس اور میونسپلٹی کا دفتر ہے بائیں جانب گریٹ انڈین پینشولا ریلوے اسٹیشن کی عظیم الشان عمارت ہے جہاں پونہ ۔مدراس ۔حیدر آباد دکن ۔کلکتہ ۔لکھنؤ اور دہلی کے مسافر اترتے ہیں اس اسٹیشن کا نام وکٹوریا ٹرمنس اور یہاں کے لوگ اسکو بوری بندر کہتے ہیں یہ عمارت پینتالیس لاکھ روپیہ کے صرف سے تیار ہوئی ہے اس کا فرش رنگین اور پھولدار چوکوں سے بنایا گیا ہے ستون ابر دار پتھر کے ہیں دیواروں اور چھتوں پر نفیس گلکاری کی گئی ہے اس کے مختلف حصے ریلوے دفاتر اور مسافروں کے آرامگاہ ہیں غرض کہ وسعت عظمت اور خوبی تعمیر کے لحاظ سے یہ عمارت بڑی شاندار

اور اپنی نظیر آپ ہے۔

میونسپل افس کے چوک سے سیدھے قلعہ کو جاتے ہوئے دائیں بائیں تھیٹر۔ مدرسے۔ کالج۔ پوسٹ آفس۔ تار گھر۔ راجا بائی ٹاور۔ کرنسی آفس اور واٹسن ہوٹل آتے ہیں۔ کرنسی آفس خاص کر تاجروں اور مسافروں کے واسطے بنایا گیا ہے۔ جہاں ان کے روپیوں۔ نوٹوں اور پونڈوں کا روزانہ مبادلہ ہوتا ہے واٹسن ہوٹل میں ہندوستانی امرا اور یورپین ٹھہرتے ہیں اسی موقعہ پر گورنمنٹ بمبئی کا دفتر سکرٹری ایٹ۔ کاؤنس کی کا یونیورسٹی ہال اور گھنٹہ گھر ہیں۔ اس گھنٹہ گھر کی بلندی تخمیناً ڈھائی سو فیٹ ہوگی۔ اوپر چڑھنے سے شہر اور بندرگاہ کا عجیب دلفریب نظارہ دکھائی دیتا ہے۔

ان عمارتوں کے مقابل ملک معظم اور کوئین وکٹوریہ کے اسٹاچو بیٹھے ہیں تھوڑے تھوڑے فاصلے سے استادہ ہیں قریب ہی سمندر کے کنارے اپالو بندر ایک نہایت پرفضا مقام ہے جس میں بمبئی کا سب سے بڑا اور عمدہ ہوٹل تاج محل ہے اس کا انتظام بڑے اعلیٰ پیمانے پر کیا گیا ہے جس کے باعث ہندوستانی والیان ملک اور اعلیٰ طبقہ کے یوروپین مسافر اس میں فروکش ہوتے ہیں۔

ٹرموے کے اختتام پر کلابا ریلوے اسٹیشن کے محاذی رڈ کی

ایک منڈی ہے جس کو "کاٹن گرین" کہتے ہیں اس میں روئی کے بڑے بڑے کارخانے ہیں اور تقریباً پچیس ہزار چھکڑے یہاں ہر روز آتے ہیں اور کئی کرور روپیہ کی روئی ہر وقت موجود رہتی ہے تمام دنیا میں بنوارلینز کے بعد بمبئی روی کی سب سے بڑی بندرگاہ ہے -

ریلوے اسٹیشن کے مغربی حصہ کی طرف چوپاٹی اور والکیشر بہت عمدہ سیرگاہیں ہیں چوپاٹی سمندر کے کنارے قوس کی شکل میں والکیشر تک پھیلی ہوئی ہے یہاں کی خوشگوار اور صحت بخش ہوا سے لطف حاصل کرنے کیلئے صبح و شام ہوا خواہوں کا مجمع رہتا ہے - گورنمنٹ ہوس بھی اسی جگہ ہے -

بمبئی کی مذہبی عمارتوں میں پارسیوں (آتش پرستوں) کا قبرستان خصوصیت سے قابل ذکر ہے جسکو یہ لوگ دخمہ کہتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ مجھے وہاں کوئی ایسا دوست پارسی نہ ملا جو اس کے اندرونی راز سے دکھا کر واقفت کرتا - باہر ہی چار دیواری کے احاطہ کا نظارہ دیکھا -

تجارت و حرفت کے لحاظ سے بمبئی تمام ہندوستان میں اول درجہ پر ہے تخمیناً اسی نوے کرور روپیہ سالانہ کی درامد برآمد مابین ہندوستان ممالک غیر اس راہ سے ہوتی ہے - اس کے لئے چار گودیاں جسمیں

لاکھوں من اناج اور مختلف قسم کے اجناس جہازوں پر لاکر دوسرے ملکوں کو جاتے اور کروروں روپے کا سامان مثل اونی وسوتی کپڑے شراب اور کلوں وغیرہ کے ولایت سے آتا اور ریل کے ذریعے سے ہندوستان میں جاتا ہے سواری اور بگھیوں کے گھوڑے عرب و کاٹھیاوار سے چھکڑوں کے بیل دکن و شمالی ہند سے بھینس وسط ہند سے۔ گائے بھیڑ اور بکریاں مختلف مقامات سے یہاں آتی رہتی ہیں اس تجارت میں انگریزوں۔ پارسیوں اور ہندوؤں کے علاوہ مسلمانوں کا بھی مشہور ہے کہ معقول حصہ ہے۔

شہر میں بنتر اسی سوت کاتنے اور کپڑا بننے کے دخانی کارخانہ ہیں جن میں پچاس ساٹھ ہزار آدمی روزانہ کام کرتے ہیں چند ریشمی اور بہت سے آہنی کارخانے بھی جاری ہیں کپڑے کے کارخانے میں جیکب ساسون کا کارخانہ پریل روڈ میں سب سے بڑا ہے۔ اس میں ریشمی کپڑا تیار ہوتا ہے اور دس ہزار آدمی روزانہ کام کرتے ہیں۔ سر آدم جی پیر بھائی کا چمڑے کے اشیاء اور پورٹ وغیرہ بنانے کا کارخانہ اعلیٰ درجہ کا ہے۔

اس تجارت و حرفت کے ساتھ مندرجہ ذیل خصوصیتیں ایسی ہیں جس سے بمبئی مشرق کا ایک منتخب شہر بن گیا ہے۔

(۱) ہر ہفتے ولایتی ڈاک کے جہاز یہاں سے انگلینڈ جاتے اور آتے ہیں۔ یورپ، اسٹریلیا اور چین کے تجارتی اور مسافروں کے لانے اور لیجانیوالے جہازوں کی ماہانہ آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے علاوہ بریں بعض کمپنیوں کے جہاز ہفتہ واری ایک طرف بصرہ اور دوسری طرف لنکا تک آمد و رفت رکھتے ہیں۔

(۲) ہندوستانی اُمرا سیر و سیاحت۔ کاروباری لوگ دستکاری و تجارت اور عوام الناس مزدوری و ملازمت اور جہازی خدمت کی غرض سے وقتاً فوقتاً آتے جاتے رہتے ہیں۔

(۳) ہندوستان۔ افغانستان اور ترکستان کے عازمانِ حج اور ہندوستان کے زائرین بغداد۔ کربلا و دیگر مقاماتِ مقدسہ و عتبات عالیات کی روانگی کے واسطے گورنمنٹ کے حکم سے صرف یہی بندرگاہ مخصوص ہے جس کے باعث زمانہ حج اور ایام زیارت میں وہاں کئی ماہ تک مسلمانوں کا بڑا ہجوم رہتا ہے۔

جہازی سفر کے واسطے متعدد کمپنیوں کے علیحدہ علیحدہ دفتر بمبئی میں موجود ہیں اور اپنے اپنے جہازوں میں مسافروں کے بٹھانے اور مال لانیکا بندوبست کرتے ہیں۔ دنیا کے مختلف حصوں میں جانیوالے مسافروں کے واسطے طامس کوک اینڈ کو بہت

مفید ہے جس کے ایجنٹ دنیا کے تمام نامور شہروں میں موجود ہیں مسافروں کو جہاز میں بٹھانے۔ ان کے مال کی روانگی۔ روپیہ کی حفاظت غیر ملکوں میں قیام کرنے ترجمانوں کے بہم پہونچانے ڈاک تقسیم کرنے۔ غرض ہر ایک کام جو مسافر سے متعلق ہو کمپنی نہایت قابلیت اور دیانت داری سے کرتی اور حق الخدمت میں ایک خفیف سی رقم ان سے وصول کرتی ہے۔

بمبئی کے مسلمانوں کی معاشرت میں یہ قابل تقلید ہے کہ انہوں نے شادی و غمی اور عام قومی تقریبات کے واسطے متعدد مکان بنائے ہیں جنکو یہہ لوگ دعوت خانہ کہتے ہیں۔ اس دعوت خانہ میں برتن۔ فرش سامان روشنی۔ اور ہر قسم کی دیگر ضروریات ہر وقت مہیا رہتی ہیں برادری کا ہر ادنیٰ اعلیٰ بلا دقت اس سے مستفید ہوتا ہے۔

سیر پنجاب (میرا پہلا سفر نامہ) میں بمبئی کی عام حالت کے متعلق میری ایک نظم چھپی ہے۔ ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے مکرر اس نظم کو بعد نظر ثانی لکھتا ہوں۔

یہہ نظم حضور پر نور خلد اللہ ملکہ جس زمانہ میں تشریف فرمائے بمبئی ہوئے تھے اُس وقت لکھی گئی تھی۔

نظم

بمبئی کیا تیری اعلیٰ ہے شان
شاہ آصف ہوئے ترے مہماں

تیری تقدیر کو اب اوج ہوا
اب ترے حسن کا سودا ہوگا

نام ملکوں میں ہے ترا مشہور
سیر تیری ہے ہر اک کو منظور

سن میں تو گرچہ بہت بڈھی ہے
نوجوانوں سے مگر اچھی ہے

حسن اور شان ہے تیری اعلیٰ
جمع سامان ہیں تجھ میں کیا کیا

کونسی شئے ہے وہ جو تجھ میں نہیں
اچھے اچھے ہیں ترے پاس نگین

اچھے اچھوں کو رجھاتی ہے تو
سب دماغوں میں ہے تیری خوشبو

دلفریبی میں ہے اول سب سے
دلربائی میں ہے افضل سب سے

تجھ میں کیا شانِ خود آرائی ہے
حُسن ہے آن ہے رعنائی ہے

راستے تیرے بڑے اور وسیع
ہیں مکاں اونچے بلند اور رفیع

شامیں اعلیٰ ہیں تھیٹر اعلے
ہسپتال اور مدارس ہر جا

مارکٹ گرنیاں اور ہیں بازار
رات دن ہوتا ہے جن میں بیپار

ہیں کلب اور کتب خانے بھی
اپنے بھی آتے ہیں بیگانے بھی

جتنے دفتر ہیں وہ سرکاری ہیں
جتنے کالج ہیں بہت بھاری ہیں

جیل خانے ہیں سزا دینے کو
اور خزانے ہیں جزا دینے کو

ہندوؤں کے ہیں دھرمسالے بھی
مسجدیں بھی ہیں خدا والے بھی

خانقاہیں بھی ہیں بتخانے بھی
کتنے مجذوب بھی مستانے بھی

تھیٹر ہیں ہوٹل بھی ہیں میخانے بھی
جسمیں شیشے بھی ہیں پیمانے بھی

بانو بازوں کے مدک خانے ہیں
ساری دنیا ہی کے افسانے ہیں

پادری سیکڑوں صدہا گرجا
دیولوں میں ہے ہمیشہ پوجا

چھاؤنی فوج کی ہے چھائی جدا
اور ہے خلق تماشائی جدا

فیاکٹریز اور پریس ہیں بہتر
خفیہ پولیس بھی ہے بخوف و خطر

پلٹنیں اور رسالے ہیں جدا
توپخانے ہیں برائے اعدا

پہرے پولیس کے نگہبان ترے
اور گورنر بھی ہیں مہمان ترے

اک طرف کوہ ہیں ٹیلے ہر جا
اور سمرہوز بھی اور ہے دریا

ہے سمندر بھی فدائی تیرا
کشتیاں پھرتی ہیں اسمیں ہر جا

اگبوٹ اور جہاز جنگی
مجھ سے تعریف ہو کیونکر انکی

ناخدا جتنے ہیں سب خانہ بدوش
سولجر جن میں شجاعت کا جوش

مستعد کاموں میں اپنے ہے فوج
اس لئے بخت کو ان کے ہے اوج

تار برقی کا نرالا ہے کام
اور ٹیلیفونوں سے سب کو آرام

راستوں پر ہیں موٹر چلتے
گاڑی موٹر کے ہیں چھوٹے چھکڑے

کہیں سردار رہا کرتے ہیں
اور بیپار رہا کرتے ہیں

فوج کی روز ڈرل ہوتی ہے — کبھی غافل وہ نہیں ہوتی ہے
کہیں کرکٹ کہیں ٹینس فٹ بال — کوئی مفلس نہیں سب مالا مال
شرط گھوڑوں کی ہوا کرتی ہے — فوجی کرتب کی انہیں یاد ہے لے
ہے ہر اک قوم کی مخلوق وہاں — اور حسین سیکڑوں معشوق وہاں
ہیں جو ہز ہائینس آغا خاں وہاں — وہ بھی اک قوم کے اعلیٰ ہیں نشاں
ہیں جواں بخت بہادر باخیر — کرتے ہر وقت ولایت کی ہیں سیر
میمن اور بھاٹئے بھورے باہمن — اور ولیوں کے وہاں ہیں مدفن
مارواڑی بھی ہیں تجار بھی ہیں — مومن اور صاحب زنار بھی ہیں
کنگ کی ساری رعایا خوش حال — ہیں جواں بخت تو ہیں با اقبال
ختم ہے ان پہ عدالت بہ خدا — دوست دشمن کو ہیں رکھتے یکجا
باگ بکری میں ہے الفت ایسی — ان میں ہوتی نہیں ہے جنگ کبھی
کچھ تعصب کا نہیں نام یہاں — بادشاہوں کو بھی ہے شایاں
گاڑیاں راہ میں ہیں موٹر ہیں — اور گھوڑے بھی بڑی پیکر ہیں
علما اور ہنرمند بھی ہیں — اہل ایران و سمرقند بھی ہیں
کہتے ہیں جس کو اپالو بندر — وہ بھی ہے حسن کا اسکے زیور
شام کے وقت کا پیارا منظر — دیکھکر ہوتے ہیں سارے ششدر
جمگھٹا روز پری رویوں کا — ہوتا ہے خلد کا اکثر دھوکا

نازنیں کوئی تو کوئی ہے حسیں
کوئی کمسن ہے کوئی ماہ جبیں

کوئی تو گھوڑے سے سوار آتی ہے
جس طرح باد بہار آتی ہے

کوئی یکہ پہ ہے جوڑی پہ کوئی
کوئی موٹر کی ہے شوفر بھی

ساتھ ہر اک کے ہے خاوند اس کا
ہاں لگا رکھا ہے توشہ اپنا

سیر کرتی ہے کوئی ہوٹل کی
کوئی سڑکوں پہ پیادہ چلتی

نظر آتی ہے خریدار کوئی
اور ہے یوسف بازار کوئی

کرتی ہے شاپ کا کوئی سودا
اور کسی پر ہے کوئی دل سے فدا

بچھڑے ہر روز ملا کرتے ہیں
وصل کی دل سے دعا کرتے ہیں

شام کی دھوپ وہ پیلی پیلی
سطح دریا کے کناروں سے لگی

کرنیں نرم ہیں شرمائی ہوئی
در و دیوار پہ ہیں چھائی ہوئی

مہر کا رنگ خبر دیتا ہے
کسی معشوق پہ یہ مرتا ہے

جستجو کرکے بہت چار پہر
غرب کی سمت وہ کرتا ہے سفر

جا کے آرام کرے گا شب بھر
اور نکلیگا بصد شان قمر

ساتھ تاروں کے رہیگی افواج
اور پروانوں کا ہوگا پھر راج

شمع محفل کو کرے گی روشن
ہو گئے ہشیار ڈکیت اور رہزن

شام ہوتے ہی ہوا طور جدا
ٹھاٹھ سب جگمگیا کچھ اور نیا

جمع حوروں کے پرے ہونے لگے
اور جوانمرد نکیلے بانکے

ہوٹلوں کی کھلی شب میں قسمت — جمع ہونے لگے اہل دولت
بیانڈ بجنے لگا اب خوش آواز — خوش گلو گانے لگے با صد ناز
روشنی ہونے لگی سب برقی — آرزو پوری ہوئی سب دل کی
راگ مالو بکی صدائیں دل کش — میکشی کر رہے ہیں سب مدہوش
کوئی اٹھلاتی ہوئی آتی ہے — اور کوئی ناچتی اور گاتی ہے
برج کی بازی میں مصروف کوئی — کھیلتا ہے کوئی بلیرڈ اچھی
کوئی ہے حسن پہ اپنے مغرور — کوئی ہے بادۂ الفت میں چور
کوئی باتوں میں ہے مصروف کلام — کوئی بیٹھی ہوئی بالائے بام
کوئی اخبار پڑھا کرتی ہے — کوئی پوشاک سیا کرتی ہے
عابدہ کوئی کوئی ہے میخوار — کوئی خوش باش تو کوئی نادار
مرد بھی بیٹھے ہیں سب مل جل کر — دل لگی کرتے ہیں بے خوف و خطر
وسکی اور سوڈا کوئی پیتا ہے — کوئی جوڑی تو کوئی تنہا ہے
کہیں ورزش کے مہیا ساماں — کہیں کشتی کے ہیں ہر جا ساماں
بمبئی ہے کہ ہے رشک جنت — ہر طرح سب کو میسر راحت
ہے اگر عیب تو یہ ہے اس میں — کرتے ہیں اس سے خبردار تمھیں
یہ دغا باز ہے قطامہ ہے — فتنہ گر ایک ہی علامہ ہے
نوجوانوں پہ یہ ہے دل سے فدا — اس کی طینت میں نہیں کچھ بھی وفا

خواہ مفلس ہو کہ دولتمند
اُس کو آجاتا ہے ہر اک پسند

ناز کرتی ہے لبھا لیتی ہے
جو کوئی آئے لگا لیتی ہے

ایسی بن ٹھن کہ وہ ہوتی ہے جواں
دیکھکر ہوتا ہے ہر اک قرباں

نذر کرتا ہے کمائی اپنی
سوچتا کب ہے بھلائی اپنی

اس کا جو کوئی کہ شیدائی ہے
اس نے اچھی ہی سزا پائی ہے

نوجوانوں کے لئے ہے قاتل
اس پہ آئے نہ کسی کا کبھی دل

جان کر جو کوئی دے جان اُس پہ
وہ نکلتا ہے وہاں سے مرکز

جو غنی جائے وہ مفلس ہو جائے
اپنے کرنی کی سزا اچھی پائے

میکشی سے نہیں بچتا کوئی
جو گیا فسق کی اس کو سوجھی

دام میں جو کوئی یکبار آیا
آخرش جان سے جا کر چھوٹا

جان کا جانا تو آسان ہے وہاں
ہو کے رہتا ہے تصدق ایماں

میکشی اور زناکاری ہے
توبہ توبہ وہ گنہگاری ہے

گلی کوچوں میں پڑے پھرتے ہیں
سب کی نظروں سے یونہیں گرتے ہیں

کسبیاں کیا ہیں چڑیلیں ہیں سب
داؤ دینے کے بہت یاد ہیں ڈھب

گانٹھ سے پیسے اڑا لیتی ہے
لیکے دل آنکھ چرا لیتی ہے

جب گئے شاپ میں جی للچایا
اور ہزاروں ہی وہاں کھو آیا

مارکٹ سے کوئی خالی نہ پھرا
خوب جی بھر کے کیا داں سودا

چھپ گیا جاکے جو تھیٹر میں کوئی	چاہتا کب ہے ہٹے وانسے جی
بال میں جاکے لیا سر پہ وبال	سر سے لے تا بہ قدم کھنچ گئی کھال
الغرض دل سے مری ہے یہہ دعا	نوجوانوں کو بچائے مولا
دام میں اس کے نہ آئے کوئی	اس سے یاں دل نہ لگائے کوئی
سیر کے واسطے صرف اچھی ہے	ورنہ یہہ صاعقہ ہے بجلی ہے

پند کرتے رہو دل شاد رہو
شاد زندہ رہو آباد رہو

۲۴ ربیع الاول سنہ ۱۳۳۴ھ - ۳۰ جنوری سنہ ۱۹۱۶ء - ۲۷ اسفندار سنہ ۱۳۲۵ف - یکشنبہ

میرے ہمراہیوں کا سیلون ½ ۸ بجے احمد آباد پہنچ چکا تھا میرے سیلون دس بجکر پانچ منٹ پر پہنچے - یہاں ہمارے سیلون چینج ہونے والے تھے جس کا انتظام بذریعۂ تار کیا جا چکا تھا - جسوقت ہمارے سیلون احمد آباد پہنچے وہ تیار تھے احمد آباد سے اجمیر شریف جانے والے سیلونوں میں سامان رکھا گیا اسٹیشن پر بچوں نے مسز کارنش کے ہمراہ جاکر پچاس روپیہ کے کھلونے خریدے - یہاں سے ایک تار سید امام الدین تعلقدار پرتور کے نام روانہ کیا گیا - اور بعض دیگر مقامات پر تار بھیجے گئے - غبار صاحب کو حضرت موسی سہاگ

کی درگاہ جانے کا حکم دیا اس کے قبل جو میں احمد آباد آیا تھا تو ایک منت مانی تھی جس کو اس مرتبہ پورا کیا گیا ۔ پانچ بجے ایک لینڈ و کرایہ کی منگا کر بچے ہوا خوری کو گئے (۸) بجکر (۴۰) منٹ پر ہمارے ساتھ رزورڈ سیلون اجمیر کی جانے والی ٹرین میں لگا دئے گئے اور ہم اجمیر شریف کو روانہ ہوئے ۔

احمد آباد کے تاریخی حالات

میں نے اس شہر کو اپنے پچھلے سفر میں تفصیلی نظر سے دیکھا تھا ۔ مگر اس کے تاریخی حالات لکھنے کا موقع نہ ملا تھا ۔ اس سفرنامہ میں وہ حالات منضبط کرتا ہوں :۔

یہ قدیم شہر دریائے سابرمتی کے کنارے آباد اور احمد شاہ والئ گجرات کی یادگار ہے جسنے سنہ ۸۱۳ھ ۱۴۰۷ع میں اس کا بنیادی پتھر رکھا اس کا مادۂ تاریخ (خیر) ہے ۔

سلطان احمد شاہ اور سلطانِ محمود شاہ بیگھڑا سلاطین گجرات کے زمانہ میں اس کو بڑی شہرت ہوئی علم و فضل صنعت و تجارت کے اعتبار سے دہلی کے بعد یہ ہندوستان کے ممتاز شہروں میں شمار ہوتا تھا ایک زمانہ میں اسکی آبادی دس لاکھ تک پہنچ گئی تھی

ایک ہزار سے زیادہ مسجدیں اور مقبرے تھے جن کے ساتھ عمدہ عمدہ باغ لگے ہوئے تھے۔

شہر کے اطراف و جوانب میں پانچ پانچ میل تک پرانی عمارتوں کے کھنڈر دیکھنے سے آبادی کی اس کثرت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے شہنشاہِ اکبر کے عہد تک احمد آباد صنعت۔ تجارت اور فراوانی دولت میں اپنی پوری شان و شوکت پر تھا مگر محمد شاہ کے زمانہ میں مرہٹوں کے حملوں سے اس کی رونق میں فرق آگیا ۱۸۱۷ء سے سرکار انگریزی کے قبضے میں ہے۔ اور اس وقت کمشنر گجرات کا صدر مقام ہے اس کی آبادی تخمیناً دو لاکھ ہے جینی لوگ باوجودیکہ ان کی آبادی دس فیصدی سے زیادہ نہیں مگر تجارت اور تمول میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔

ریلوے اسٹیشن شہر سے ملا ہوا ہے چاروں طرف شاہی زمانہ کی پختہ فصیل ہے پانچ کنوئیں کے دروازہ سے شہر میں داخل ہوں تو ایک بڑے بازار سے گذر ہوتا ہے۔ جو تقریباً ایک میل طولانی ہوگا اس کی عمارتیں خوشنما۔ سڑکیں مصفا اور دوکانیں تجارتی مال سے بھری نظر آتی ہیں۔ وسط میں مانک چوک کے قریب سلطان احمد شاہ کی جامع مسجد بڑی عظیم الشان ہے اس کے صحن کا طول (۷۰) گز اور

عرض (۴۲) گز ہے۔ مسجد کے علوشان کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ (۳۵۲) ستونوں پر چھت قائم اور اس میں چھوٹے بڑے پندرہ گنبد ہیں اس کے مشرق کی طرف ایک احاطہ میں سلاطین گجرات کی قبریں اعلیٰ درجہ کی صناعی وگلکاری کے باعث قابلِ دید ہیں۔ یہ لمبا بازار تین در کے دروازہ سے ہوتا ہوا اس موقع پر ختم ہوتا ہے جہاں سلاطین گجرات کی محلوں کی بقیہ عمارتیں اب تک اپنا جلوہ دکھا رہی ہے جامع مسجد اور شاہی قبروں کے علاوہ بعض اور عمارتیں بھی قابلِ دید ہیں خصوصًا رانی سپری کی مسجد جس کو سلطان محمود شاہ بیگڑہ کی بیوا رانی سپری نے سنہ ۹۲۰ھ ۱۵۱۴ء میں تعمیر کرایا تھا۔ اس میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی طرزِ تعمیر یکجا دکھلائی گئی ہے۔ اور عمارتی خوبیوں کے لحاظ سے احمد آباد کی سب مسجدوں سے خوبصورت اور سرمایۂ فخر و ناز ہے فصیل شہر سے لگا ہوا ایک میونسپل باغ ہے جس کے اس طرف دریائے سابرمتی بہتا ہے یہاں اکثر لوگ شام کے وقت ہوا خوری کو آتے ہیں۔

شہر کی مشرقی جانب "کانکریا" ایک عظیم الشان تالاب سب سے اچھی سیرگاہ ہے اس کے وسط میں ایک باغ اور باغ میں پختہ عمارت بنی ہوئی ہے۔ گرداگرد باقاعدہ درختوں کی قطاریں اور جابجا پھولوں کے تختے ہیں۔ ایام بارش میں یہ تالاب لبریز ہو جاتا ہے۔ اس میں کشتیاں

پڑی رہتی ہیں شایقین ان میں سوار ہو کر لطف حاصل کرتے ہیں - یہہ تالاب سلطان قطب الدین بن محمد شاہ گجراتی کی یادگار ہے - کہتے ہیں کہ شاہی زمانہ میں تالاب کے چاروں طرف عمدہ عمدہ عمارتیں اور خوشنما باغات تھے -

شہنشاہ جہانگیر کے زمانہ میں ان کی مرمت بھی ہوئی تھی مگر زمانہ کے بیدرد ہاتھوں نے ان سب کو برباد کر دیا -

احمد آباد کے لوگ صناعی اور دستکاری میں مشہور ہیں - سوتی ریشمی اور طلائی و نقرئی تار کا کپڑا بنانے میں ایک خاص کمال رکھتے ہیں - ان تینوں چیزوں کی دستکاری وہاں اس قدر زیادہ ہے کہ شہر کے بڑے حصہ کی روزی اس پر منحصر ہے - اسیوجہ سے ان کے ہاں ایک پرانی مثل چلی آتی ہے "احمد آباد تین تاروں پر لٹکتا ہے" دھوتیاں ساڑھیاں بکثرت بنتی اور تمام پریزیڈنسی میں فروخت ہوتی ہیں - ریشمی جالیاں ململ - پگڑیاں - اور کمر بند بھی عمدہ تیار ہوتے ہیں - کمخواب یہاں اعلی درجہ کا ہوتا ہے - خالص سونے اور چاندی کے تاروں کے کپڑے خوب بنتے ہیں - جس کو سنہرے اور روپہلے کہتے ہیں سونے اور چاندی کا تار بنانے میں یہاں کے لوگ ایسے مشاق ہیں کہ ایک تولہ چاندی کا آٹھ سو گز لمبا تار جنتری میں ہاتھ سے کھینچ لیتے ہیں لکڑی اور چمڑے کا

کئی قسم کا کام عمدہ تیار ہوتا ہے۔

عماراتِ بیرونِ شہر

شاہی زمانہ میں احمد آباد کے اطراف و جوانب میں پانچ پانچ میل تک آبادی پھیلی ہوئی تھی کئی سو مسجدیں اور چند عالی شان مقبرے جو اس وقت ویرانے کو آباد کر رہے ہیں اس زمانہ کی یادگار اور سیاحوں کی خاص دلچسپی کا باعث ہیں ان میں سے صرف چند مقامات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) دادا ہری کا کنواں۔ یہ کنواں (۱۹۶) فٹ طویل اور (۴۰) فٹ عریض ہے اس میں اُترنے کے واسطے تین گیلریاں اور ہر گیلری میں متعدد زینے بنے ہوئے ہیں آخری گیلری سطحِ آب سے دو تین فٹ بلند ہے گیلریوں کے بنانے میں یہ رعایت کی گئی ہے کہ ایک طرف کی سیڑھی دیگر اطراف کی سیڑھیوں سے جاملی ہے جس سے ایک گیلری سے دوسری گیلری میں بآسانی پہنچ سکتے ہیں۔

(۲) شاہِ عالم کی درگاہ۔ شہر سے دو میل جنوب کی طرف شاہِ عالم درگاہ ہے درگاہ میں داخل ہونے کیلئے اول ایک فصیل آتی ہے۔ اُس کے پھاٹک میں داخل ہونے میں پھاٹک کے بیرونی

طاقوں میں لوگ پتھر پھینکتے ہیں۔ اگر طاق میں رہ گیا کام ہو گیا ورنہ
ناکامیابی کا فال ہے اس کے آگے ایک احاطہ اور پھاٹک آتا ہے
اندر پہنچکر سامنے خاص درگاہ کی عمارتیں نظر آتی ہیں۔ بڑی عظیم الشان
درگاہ ہے تیسرے درجہ میں اجمیر شریف کی درگاہ کا سماں آنکھوں میں
پھر جاتا ہے داہنی طرف مسجد ہے عظیم الشان۔ مینار نہایت بلند اور
خوشنما مسجد میں اوداسی اور پریشانی شہد کی بڑی بڑی مہالیں لگی ہوئی
ہیں۔ روضے کا گنبد اور غلام گردش کی عمارت اپنی یکتائی میں بے مثل
غلام گردش (۹) قدم عریض ہے روضہ اندر سے نہایت وسیع سنگ مرمر کے
ڈیڑھ گز بلند کٹہرے ہیں حضرت شاہ عالم کا مزار پر انوار ہے۔ یہ حضرت
سہروردیہ طریقہ کے کامل ترین بزرگواروں میں سے ایک بزرگ اور
ولی کامل تھے شاہانِ گجرات میں ان کا اعلیٰ درجہ کا رسوخ تھا۔
سلطانِ محمود بیگھڑا کے مرشد تھے مزار کے اوپر سیپ کی ایک راوٹی ہے
اور شتر مرغ وغیرہ کے انڈے آویزاں ہیں اگرچہ روضہ نہایت عالیشان
خوشنما۔ خوش وضع اور وسیع ہے۔ مگر چاؤ را بلیں چمگاڈروں کا
مسکن ہے جس سے روضہ میں ایک ناگوار بدبو آتی ہے مسجد کے قریب
ایک اور خوبصورت مقبرہ ہے اس میں درمیانی قبر کے سینے پر ایک
پتھر نصب ہے جس میں قدموں کے نشان بنے ہوئے ہیں مسجد میں

وہ چوبی تخت آویزاں ہے جس پر حضرت وعظ فرمایا کرتے تھے مسجد کے صحن میں پانی کے ٹانکے ہیں جن میں برسات کا میٹھا پانی بھرا رہتا ہے درگاہ کے سرہانے مجلس خانہ ہے جس کو دیوانخانہ کہتے ہیں کسی زمانہ میں یہ مقبرہ سونے اور جواہرات سے مزین تھا اب بھی اس کا برنجی دروازہ قابل دید ہے جو صناعان احمد آباد کی اعلیٰ صنعت کا نمونہ ہے۔

(۳) سرخیز یہ بنگلہ شہر سے پانچ میل کے فاصلے پر سلطان محمود بیگھڑا کی سیر گاہ ہے شاہی زمانہ میں یہاں ایک بڑا تالاب اور اس کے کنارہ پر عالیشان عمارتیں تھیں اب تالاب خشک اور عمارتیں شکستہ ہیں اس کے ایک طرف سلطان محمود بیگھڑا اور اس کے بیٹے سلطان مظفر کے عالیشان مقبرے ہیں۔

تالاب کے شمالی کنارے پر شیخ احمد ختو ایک بڑے بزرگ کا مقبرہ ہے جو سلطان احمد شاہ کے مرشد تھے۔

سرخیز کو جاتے ہوئے سڑک سے شمال کی طرف ایک مقبرہ "شیر خدا" کے نام سے مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ ہر شب کو یہاں شیر آیا کرتا ہے۔

(۴) حضرت موسیٰ سہاگ۔ دہلی دروازہ کے باہر کیمپ کے سڑک پر پہلے حضرت موسیٰ بارک اللہ شاہ صاحب اور اس کے تھوڑی دور

اس کے حضرت موسیٰ سہاگ صاحب کی درگاہ ہے یہ دونوں بزرگوار حضرت شاہ نظام الدین محبوب الٰہی کے خلیفہ ہیں۔ موسیٰ سہاگ کی درگاہ میں جاتے ہوئے۔ اول ایک وسیع احاطہ ہے دروازہ میں داخل ہو کر ایک اور احاطہ نظر آتا ہے اس احاطہ کے دروازہ پر ایک خشک قدیمی درخت ہے کہتے ہیں کہ یہ چمپا کا درخت ہے اور حضرت کے زمانہ کا ہے اس میں لوگ منت کی چوڑیاں ڈالتے ہیں حضرت موسیٰ سہاگ اور ان کے سلسلے کے فقیر سہاگن عورتوں کے لباس میں رہتے تھے اس لئے ان کی درگاہ میں چوڑیاں چڑھائی جاتی ہیں دوسرے احاطہ میں داخل ہو کر ایک مسجد ہے اور حضرت کا چھوٹا سا روضہ۔ روضہ کا گنبد گو چھوٹا سا ہے مگر حضرت امیر خسرو کے گنبد کی شکل ہے اس کے اندر چار قبریں ہیں اور ان پر سرخ غلاف پڑا ہوا ہے۔ یہ چاروں قبریں حضرت کی بیان کی جاتی ہیں چاروں پر چوڑیاں پڑی رہتی ہیں۔

روضے کے گرد قبرستان ہے اور ان قبروں پر چونہ میں چوڑیاں جمی ہوئی ہیں۔ یہ درگاہ گورنمنٹ کے قبضے میں ہے نذر ایک مقفل بکس میں ڈالی جاتی ہے جسکی گورنمنٹ مالک ہے کچھ فقیر بطور مجاور و خدمتگذار یہاں رہتے ہیں جو سرخ لباس پہنتے ہیں رجب کے مہینے میں دسویں تاریخ عرس ہوتا ہے۔

یہاں سے واپسی میں تھوڑی دور چلکر حضرت سید پیر محمد شاہ صاحب
کا مزار ہے یہ ایک نہایت عالیشان اور وسیع عمارت ہے۔ وسط میں
خوبصورت وخوشنما گنبد ہے۔ سنگ مرمر کا فرش ہے اور مزار ایک
آراستہ پیراستہ چھپرکھٹ کے پردوں میں چھپا ہوا ہے سید پیر محمد شاہ
قادری سلسلے کے فقیر تھے اکثر بوہروں کو مرید کرتے تھے چنانچہ اب بھی
اس درگاہ کے سنی بوہرے مہتمم ہیں درگاہ کی سات ہزار سالانہ کی آمدنی ہے
یہاں سے کچھ فاصلہ پر حضرت شاہ وجیہہ الدین گجراتی کا مزار ہے
یہ بھی شاندار درگاہ ہے حضرت شاہ صاحب بڑے عالم و فقیہ تھے
سلسلۂ شطاریہ سے تعلق تھا حضرت محمد غوث گوالیری سے بھی فیض
حاصل کیا ہے ۹۹۸ ہجری میں رحلت فرمائی۔ مزار پر ایک چوبی
راوٹی بنی ہوئی ہے جس میں سیپ کی مینا کاری ہے یہ راوٹی حضرت
محبوب الٰہی کی راوٹی کی مثل ہے ایک شمہ فرق نہیں۔ اکثر سیپ کے
ٹکڑے جھڑ گئے ہیں۔ مرتضیٰ خاں الملقب بہ فرید خاں دریادل کی
بنائی ہوئی ہے۔ حضرت محبوب الٰہی کے روضہ شریف میں بھی انہیں
فرید خاں نے سیپ کی راوٹی بنائی تھی۔ فرید خاں جہانگیر بادشاہ
کے امرا میں تھے اور غالباً حضرت شیخ سلیم چشتی کی اولاد میں تھے
اس درگاہ میں ایک حوض ہے مسجد کے قریب اس پر ایک مخصوص جگہ

بنی ہوئی ہے مشہور ہے کہ یہاں بیٹھکر حضرت نے وضو کیا تھا اب لوگ اس جگہ سے پانی لیکر بطور تبرک وشفاء استعمال کرتے ہیں اور پارسلوں میں اطراف ہند میں بھیجتے ہیں۔

۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ ۳۱ جنوری ۱۹۱۶ء ۲۸ اسفندار ۱۳۲۵ ف دوشنبہ

ہم نصف سے زیادہ حصہ اپنی منزل مقصود پر پہنچنے کا طے کر چکے ہیں یہاں ہمنے تھرڈ کلاس کی ایک بھری ہوئی گاڑی ملازمین کی اجمیر شریف کو روانہ کردی ہے اور چھ گاڑیاں جن میں ایک میرا سیلون محلات کی بوگیاں۔ اسٹاف کی گاڑی اور ایک تھرڈ کلاس جسمیں میز خانہ۔ رسوئی خانہ۔ کلی خانہ۔ توشک خانہ۔ خزانہ پلٹن کے پہرہ والے۔ اور دفتر منتظم پیشی ہے ایک جا ہیں۔

ہم اس وقت سوجت روڈ اسٹیشن پر (جو علاقہ جودھپور میں ہے) مقیم ہیں ہوا اپنی تیزی سے ہوش وحواس اڑا رہی ہے خاک اڑ رہی ہے آندھی کا منظر ہے زمین وآسمان ایک رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ ہوا اور خاک علاقہ مارواڑ کی ان نمایشی چیزوں میں سے ہے جن کا اسوقت میں اور میرے تمام ہمراہی لطف اٹھا رہے ہیں سارا دن اسی کیفیت میں بسر ہوا شب کو بھی اسٹیشن ہی پر رہا صبح کے پانچ بجے ہماری گاڑیاں اجمیر کو جانے والی ٹرین میں اٹیچ کی گئیں اور ہم

اجمیر شریف کو روانہ ہوئے۔ روانگی سے ایک گھنٹہ پہلے میں اُس گاڑی میں گیا جس میں مولوی سید عبدالرؤف صاحب غبار صاحب قیس صاحب تھے اس کے قبل اورنگ آباد کے قیام میں اپنے اسٹاف کے قیام پر بے تکلف و بے اطلاع جانے سے جو منظر نظر آچکا ہے آج بھی وہی سماں وہی منظر پیش نظر تھا مگر بہت جلد ان لوگوں نے اپنے کو سنبھالا میں نصف گھنٹے سے زیادہ یہاں ٹھیرا شعر و سخن کا چرچا رہا۔ غبار صاحب منتظم پیشی نے ایک نعتیہ قصیدہ کی تشبیب کے چند شعر میری فہمائش پر سنائے جس میں انھوں نے عالم ذر کی مقامی تصویر اور اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ وَقَالُوْا بَلیٰ کے سوال و جواب کو نہایت دلچسپ پیرایہ میں ادا کیا ہے اور وہ اشعار یہ ہیں :-

	بیاضِ صبحِ آرامِ وطن کی جب جھلک پائی
سوادِ شامِ غربت کی وہیں کالی گھٹا چھائی	
	کہیں رہنے دیا دل کی تمنا نے نہ اک دن بھی
عدم سے آکے کیا پایا بس آنے کی سزا پائی	
	لکھا تقدیر کا حرفِ مکرر ہو کے بگڑا ہے
غلط نامے نے میری لوحِ قسمت میں جگہ پائی	
	نہ گھبراؤں کہاں تک گردشِ نیرنگِ قسمت سے

نہیں ہے دل میں اب گنجایشِ تابِ شکیبائی
نفس کی آمد و شد بھی مجھے بادِ مخالف ہے
گزرگاہِ فنا میں ہوں چراغِ راہ پیمائی
مثالِ آسیا ہوں محوِ سرگشتگی ہر جا
نہ پھر نا راس آیا نے نشستِ کنجِ تنہائی
کجا میں اور کجا یہ ہرزہ گردی کیا قیامت ہے
کہاں سے گردشِ تقدیر میرے پاؤں میں آئی
سفر کی سختیاں ناقابلِ برداشت اس سے ہیں
کہ ناہموار رستا ہے اور اس پر آبلہ پائی
پھرا کرتا ہے سر آنکھ میں پھرتے ہیں دشت و در
سفر ہے باوجودِ اعتکافِ کنجِ تنہائی
پھرے میرے نہ دن گو میں پھرا طفلی سے اس سن تک
کہ پیری سے بدل جانے لگے ایامِ برنائی
مٹایا ضعفِ پیری نے میرے زورِ جوانی کو
توانائی ہوئی ہے پائمالِ ناتوانائی

قطعۂ عالمِ ارواح

کبھی وہ دن بھی تھے جب عالمِ ارواح میں میں تھا

نہیں بھولی وہ شانِ بزم وطرزِ عالم آرائی
حقیقت میں وہ جلسہ دیدنی تھا بزمِ قدرت کا
بیانِ وصف میں جسکے کمی کرتی ہے گویائی
وہ جلسہ تھا کہ فہرستِ کتابِ عالمِ امکاں
ازل سے تا ابد مخلوق کی تھی جس میں یکجائی
ہوا تھا نقش بندِ کاف و نوں خود مہتمم اس کا
جو اس کثرت میں وحدت کا ہوا اپنی تماشائی
وہ اک دربار تھا جس کا سماں آنکھوں میں پھرتا ہے
نہ مجمع ایسا دیکھا پھر نہ بزم ایسی نظر آئی
مرا دیکھا ہوا وہ خواب ہے گو لیکن اس پر بھی
سراپا خواب ہو جاؤں جو دے پھر مجھکو دکھلائی
قدم کی روشنی تھی وجہ تزئینِ حدوثِ کل
بقا کا آئینہ صورت نمائے عالم آرائی
وہ میدان ایک صاف و دل کشا مثلِ دلِ مومن
خیالِ انبیا عاجز وہ لمبائی وہ چوڑائی
سراسر منظرِ دشت و جبالِ ربعِ مسکوں سے
مبرا شانِ تسلیم و بلد سے اُس کی زیبائی

نہ شہروں کی وہ آبادی نہ قریوں کی وہ بربادی
نہ بستی تھی نہ ویرانہ نہ جمعیت نہ تنہائی
بلندی تھی نہ پستی اک سطح صاف میدان تھا
نہ فرش خاک زیر پا نہ سر پر چرخ مینائی
نہ کعبہ تھا نہ بت خانہ نہ مسجد تھی نہ مے خانہ
نہ کوئی گھر نہ کوئی در عجب اک سادگی چھائی
نہ اس میں کوئی گلشن تھا نہ جنگل تھا نہ دریا تھا
نہ موسم تھا کوئی نے فصل گرمائی و سرمائی
مہینہ تھا نہ کوئی سال کوئی وقت نے ساعت
نہ صبح عالم آرا تھی نہ شام راحت افزائی
ہوا اس میں نہ آب اس میں نہ خاک اسمیں نہ آگ اسمیں
نہ خار اس میں نہ گل اسمیں نہ سبزے کی خود آرائی
نہ دوری تھی نہ نزدیکی نہ رستا تھا نہ منزل تھی
نہ اسمیں دھوپ کا پرتو نہ سائے نے جگہ پائی
نہ دن کی روشنی اسمیں نہ تاریکی شب اس میں
نہ جلوہ مہر کا اس میں نہ مہہ کی جلوہ افزائی
بتاؤں کیا کہ واں کیا تھا بتاؤں کیا نہ واں کیا تھا

نہ تھا کچھ بھی مگر سب کچھ تھا ہاں لازم ہے بینائی
نہ تھا کچھ بھی مگر راز و نیاز خالق و مخلوق
سرِ حادث قدم کے سامنے وقفِ جبیں سائی
وجود ذات وحدت نے جو چاہا ہو گئی کثرت
کہ جیسے ایک لفظ کن ہے وجہ عالم آرائی
نہ تھے کون اُن میں اور تھا کون کون اسکو خدا جانے
تمیز نیک و بد میں عقلِ کل کی عقل چکرائی
وہ کل مخلوق عالم سلسلہ تھا جن کا محشر تک
ہر اک مستِ مے وحدت ہر اک مخمور یکتائی

اس کے بعد میں اپنے سیلون میں گیا۔

۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ - یکم فروری ۱۹۱۶ء - ۲۹ اسفندار ۱۳۲۵ف - سہ شنبہ

١١ - بجے ہماری گاڑی اجمیر شریف کے اسٹیشن پر پہنچی - اقبال چند عرف دولھا راجہ جو میو کالج (جس کی بنیاد لارڈ میو وائسرائے ہند نے راجپوتانہ کے رئیس زادوں کی تعلیم کے واسطے ۱۸۷۰ء میں ڈالی تھی) میں تعلیم پا رہے ہیں اور سید محمد حنیف صاحب جو درگاہِ شریف میں میرے وکیل ہیں اور ان کے بھائی وغیرہ موجود تھے سواریوں کا

بھی انتظام تھا۔ میں نے منتظم پیشی کو یہاں چھوڑا اور ہمراہی دولھا بھائی اور سید محمد حنیف صاحب وہ کوٹھی دیکھنے گیا جو کرایہ پر لی گئی تھی یہ کوٹھی سیٹھ نمی چند کی ہے جس میں اس کے قبل رانی بھرت پور مقیم تھیں اور اسی وجہ سے بھرت پور کی رانی کی کوٹھی مشہور ہو گئی کوٹھی اچھی ہے بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ بمبئی میں جو تکلیف مکان کی اٹھائی تھی اُس تکلیف کی تلافی یہاں ہو گئی۔

کوٹھی دیکھکر واپس آیا اور گاڑیوں سے سامان اُتارنے کا حکم دیکر محلات اور بچوں کو موٹر اور بگھیوں میں سوار کرا کر اس کوٹھی میں آیا تمام ملازمین بھی آ گئے۔ سید محمد حنیف صاحب نے کوٹھی میں فرش و فرنیچر وغیرہ کا پہلے سے انتظام کر رکھا تھا ہر چیز مہیا تھی جو اُن کی مہمان نوازی کی دلیل ہے۔ دو بجے تھے کہ میں اپنے کمرہ میں آرام و اطمینان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ منتظم پیشی نے اورنگ آباد کو واپس آئی ہوئی ڈاک کو پیش کیا دیر تک اُس کو دیکھتا رہا بعض احکام منتظم پیشی کو دئے۔ چار بجے کے قریب حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب چشتی دہلوی (جو آج صبح کی میل میں ممبئی سے آئے تھے) میری ملاقات کو تشریف لائے دیر تک اُن سے باتیں کرتا رہا ان کے جانیکے بعد ماسٹر سنت سنگھ صاحب سکرٹری ٹمپرنس فیڈرشن امرتسر آئے

اُن سے ملا اور دو سو روپیہ چندہ بائیسکوپ میں دیا چھ بجے بگھی میں مولوی سید محمدؐ حنیف صاحب و مولوی سید عبد الرؤف صاحب کے ساتھ سوار ہوکر مولوی سید نثار احمدؐ صاحب متولی اور حضرت خواجہ حسن نظامی کی ملاقات کو گیا اور وہاں سے درگاہ شریف کی زیارت سے مشرف ہوکر ساڑھے سات بجے کوٹھی پر واپس آیا۔

۲۷ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ ۲ فروری ۱۹۱۶ء ۳۰ اسفندار ۱۳۲۵ف چہار شنبہ

شب کو نیند کم آئی یہی سبب تھا کہ آج میں کسی قدر دیر میں بیدار ہوا فرصت پاکر سید محمدؐ حنیف صاحب کے ساتھ درگاہ شریف میں حاضر ہوکر شرف زیارت سے مشرف ہوکر صاحبزادی بی بی حافظ جمال صاحبہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور وہاں صاحبزادہ ابو سعیدؒ کی قبر کی زیارت سے مشرف ہوکر حضرت خواجہ غریب نواز کے برادر نسبتی حضرت سید ابو صالحؒ کے مزار پر فاتحہ پڑھکر جھالرہ شریف کا وہ حصہ جو ہمارے اعلیحضرت قدر قدرت حضور پر نور خلد اللہ ملکہ نے کھدوایا ہے معائنہ کیا اس کے بعد جامع مسجد میں ہوتا ہوا بہشتی دروازہ کو بوسہ دیکر حضرت کے محلات مطہرات کی قبروں پر فاتحہ پڑھتا ہوا روضہ سے باہر آیا اور حضرت سید نثار احمدؐ صاحب متولی بارگاہ کی ملاقات کو گیا۔ وہاں حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔ زیادہ خوشی ہوئی

جب کہ وہاں اپنے بے ریا دوست حکیم جمشید علی خاں صاحب کو دیکھا جو میری آمد کی خبر سُنکر جبلپور سے آئے تھے میں اُن سے ملکر بہت خوش ہوا نہایت بامذاق سلیم الطبع اور صاحبِ علم و کمال ہیں۔

عارف صاحب بدایونی نے بامیاء جناب متولی صاحب وہیں ایک قصیدہ بھی مجھے دیا جو حکیم جمشید علی خانصاحب نے پڑھکر سُنایا۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بیٹھکر وہاں سے رخصت ہوا اور اپنے بنگلہ پر آیا۔

منتظم پیشی نے اورنگ آباد سے واپس آئے ہوئے مراسلات کو پیش کیا اور بعض انتظامی احکام کیمپ کے متعلق حاصل کئے پانچ بجے حضرت سید نثار احمد صاحب متولی درگاہ شریف حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب اور حکیم جمشید علیخاں صاحب آئے بہت دیر تک لطف ہمکلامی رہا اُن کے جانیکے بعد سید محمد حنیف صاحب و مولوی سید عبدالرؤف صاحب کو ساتھ لیکر درگاہِ شریف کی زیارت کو گیا حسبِ عادت زیارت سے مشرف ہو کر بہشتی دروازہ کے اندرونی صحن میں تھوڑی دیر بیٹھکر اُس دھوئے گنبد اور کلس کے جلوۂ قدرت کا نظارہ کرتا رہا وہاں سے قوالی میں شریک ہو کر اپنی کوٹھی کو جب واپس آنے لگا دیکھا کہ مولوی سید عبدالرؤف صاحب غائب ادھر دیکھا اُدھر دیکھا پوچھا تو معلوم ہوا کہ نماز پڑھنے گئے مگر خدا جانے نماز پڑھکر کہاں چلے گئے

تھوڑی دیر اُن کا انتظار کر کے اپنی کوٹھی کو واپس آیا شب کو کوئی واقعہ قابلِ اندراج روزنامچہ پیش نہیں آیا ۔

۲۸ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ ۳ فروری ۱۹۱۶ء یکم فروردی ۱۳۲۵ف پنجشنبہ

آج میں بہت سویرے بیدار ہوا حوائج ضروری سے فراغت پائی ۔

آج آٹھ دس بجے بڑی رانی کی سواری پشکر کو جانیوالی ہے راجہ پلٹن کا پہرہ ۔ فراش و پردے والے چار بجے روانہ ہو چکے تھے (۸) بجے انکی سواری بجمعیت مسٹر کارنش روانہ ہوئی ۔ غبار صاحب منتظم پیشی کو بھی انتظام کی غرض سے ہمراہ بھیجا مذہبی رواسم سے فارغ ہو کر چھپنا (نقد خیرات) ہوئی تین بجے سواری واپس ہوئی اسکی اطلاع ملی ۔

پشکر

پشکر اجمیر سے سات میل کے فاصلے پر پہاڑوں کے بیچ میں واقع ہے اجمیر سے پشکر جاتے وقت چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں سے گزر ہوتا ہے جن کے دو طرف سر بفلک کشیدہ پہاڑ ہیں اور درخت و سبزہ وغیرہ ہے بالکل صاف اِن پہاڑوں کے پتھر دھوپ میں اس طرح چمکا کرتے ہیں جیسے شب تاریک میں آسمان پر تارے معلوم ہوتا ہے کہ ان پہاڑوں کے پتھروں میں خصوصاً اور اجمیر شریف کے کل پہاڑ ونکے

پتھروں میں عموماً ابرک کا جز و زیادہ ہے راستوں میں لنگور لاکھوں کی شمار میں ہیں کہا جاتا ہے کہ ان پہاڑوں کے دروں میں اور چوٹیوں پر مرتاض فقرا رہتے ہیں جو ریاضت اور تزکیۂ نفس کی تعلیم پاتے ہیں۔

پشکر میں ایک جھیل ہے جس کے چار طرف گھاٹ اور مندر بنے ہوئے ہیں جھیل کے بیچ میں ایک چھوٹی سی منڈھی ہے جس کو برہما کی جگی کہتے ہیں یعنے یہاں برہما نے جگ کیا تھا۔ یہاں برہما کا ایک مندر بھی ہے جس میں برہما کی چومکھی مورتی اور اس کے چاروں لڑکوں کی مورتیں بھی بنی ہوئی ہیں۔ اس کے سوا تمام ہندوستان میں برہما کا مندر اور کہیں نہیں ہے اس جھیل میں پانی بے انتہا ہے مگرمچھ اور کچھوے وغیرہ پانی کے جانور کثرت سے ہیں جو آدمیوں پر بھی چوٹ کرتے ہیں ہندو اس جھیل کو پرتھوی کا نیتر (زمین کی آنکھ) کہتے ہیں اور بہت متبرک سمجھتے ہیں اور تیرتھوں کی طرح یہاں بھی تین ہزار پنڈے ہیں۔ پشکر کی جھیل کے علاوہ اجمیر کے شمالی دروازہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک اور مصنوعی جھیل ہے جس کا نام اناساگر ہے اور جو سیکڑوں ایکڑ رقبہ میں پھیلی ہوئی ہے اس کا طول چھ سو گز اور عرض سو گز ہے برسات میں اس کا دائرہ چھ میل تک

وسیع ہو جاتا ہے یہ انتہا درجہ کی خوشنما ہے۔ کنارے پر کئی بارہ دریاں جو مغل بادشاہوں کے عہد کی بنی ہوئی ہیں انسے اسکے نظارہ میں دلفریبی پیدا ہو گئی ہے۔ اس موقع پر ایک خوبصورت باغ شاہی زمانہ کا ہے جو دولت باغ کے نام سے مشہور ہے جس میں چیف کمشنر صاحب کی کوٹھی ہے اور اس کے سامنے ریلوے کا بڑا دفتر ہے دولت باغ سے جب شہر کے باہر باہر جائیں تو سنگ سرخ کا عالی شان مندر راہ میں آتا ہے جو قابلِ دید ہے ہر کاتک کے مہینے میں ایک بڑا میلہ ہوتا ہے جس میں اونٹ گھوڑے اور ہاتھی دور دور سے فروخت کے لئے آتے ہیں۔

آٹھ بجے میں سوار ہوا دوسری گاڑی میں سید محمد حنیف صاحب اور مولوی سید عبدالرؤف صاحب بھی سوار ہوئے۔ پہلے میں درگاہِ شریف میں شرف حضوری سے مشرف ہوا وہاں سے دیوان جیصاحب (سید شرف الدین علی خاں صاحب) کے مکان جاکر کھٹرے اُن سے ملا مولوی لطیف الزماں محمد چشتی فرزند مولوی حسن الزماں محمد چشتی سے جو حیدرآباد کے سرآوردہ علماء و فقراء میں شمار کئے جاتے ہیں ملاقات کی۔ مولوی صاحبِ موصوف جوانِ صالح اور بامذاق سلیم الطبع ہیں شاد کے محبت کرنیوالوں میں ہیں۔ وہاں سے

متولی صاحب کے مکان پر جاکر حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب اور مولوی سید عبدالرؤف صاحب کو ساتھ لیکر نواب سید اصغر حسین خان صاحب کاکوروی کی ملاقات کو سرائے چشتی چمن میں گیا جہاں نواب صاحب بارہ برس سے معتکف ہیں اُن سے ملکر شادبجید شاد کام ہوا یہ بزرگوار میرے متعارفین اور میرے مہربانوں سے نکلے۔ مگر ان کی عزلت گزینی نے ہمیں ایسا بے خبر کر دیا تھا کہ ہم انہیں بھول گئے تھے بارے ؎

اپنے پہلو ہی سے نکلا آخر ش	اس جہاں میں ڈھونڈتے تھے جسکو ہم

نواب صاحب موصوف اسیر زنجیر حضرت خواجہ ہیں زندہ دلی پاکیزہ خیالی علم مجلس میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔

حقیقت یہ ہے کہ اُن کی سادہ زندگی اُن پُر اسرار جذبات سے لبریز ہے جن کیلئے طالبانِ حق اپنی عمر کا پورا حصہ صرف کرنے پر بھی حاصل نہیں کر سکتے اگر کوئی شئے انسانی زندگی کی مشکلات کو جن کا اثر انسان پر پڑتا ہے آسانی کے ساتھ آسان بنانے کے قابل بناتی ہے تو وہ وہی قابل اعتبار جذبات ہیں جن کا تعلق تزکیہ نفس اور ریاضت سے ہے۔ راحت واطمینان قلب کی تلاش میں جو شخص جس طرف جاتا ہے اپنی حالت کو قابلِ اطمینان بنانے کی

کوشش کرتا ہے۔

فطرتِ انسانی پر ایک باریک نظر سے غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو ہمہ تن اعتبار ہوتا ہے اور اُس کی بدولت دنیا اس کو ایک سبز باغ معلوم ہوتی ہے اور ہر چیز سے خواہ وہ خورد سال ہی کیوں نہ ہو اُمید و اطمینان کی جھلکی نظر آتی ہے اسی کا نام بچپن کی بھولی بھالی سادگی ہے اور یہی وہ چیز ہے جو اُس کے ایک صاف سیدھے سادے دل کو زنگ معصیت سے محفوظ رکھکر معصومیت کا نورانی حلہ پہناتی ہے لیکن جب وہ وادئ حیات میں آگے قدم بڑھاتا ہے تو بہت جلد اس راہ کی دشوار گزار صعوبتیں اُس پر ثابت کر دیتی ہیں کہ ہر چمکیدار شئے طلائے خالص نہیں ہے اور نہ ہر سبزۂ خوابیدہ تازگی بخش روح ہے بلکہ اکثر اُس میں سانپ بچھو انسان کی گھات میں چھپے ہوئے بیٹھے رہتے ہیں پس ایسی حالت میں اگرچہ اس وحشت خیز تجربہ کا ابتداء میں یہہ میلان ہوتا ہے کہ انسان اپنے سایہ سے بھی ڈرنے لگے لیکن اگر اس کا دل قوی اور اس کے جذبات کی رہبری کے لئے صحیح اُصول تربیت موجود ہوتے ہیں تو اس کو بہت جلد کھوٹے کھرے میں تمیز ہو جاتی ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ انسانی زندگی کیا ہے

اور کن پُر اسرار جذبات سے اس کو لبریز ہونا چاہئے۔
کچھ شک نہیں کہ نواب اصغر حسین خاں صاحب نے ان اسرار کو سمجھ لیا اور اس مسلک کے سالک بننے کے اہل تسلیم کئے جا چکے ہیں

آنکس است اہل بشارت کہ اشارت داند
نکتہ ہا ہست بسے محرم اسرار کجا

نواب صاحب کا دوازدہ سالہ اعتکاف دنیا طلبی کے لئے ریائی نہ تھا بلکہ حقیقی تھا

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ ہست

نواب صاحب کی یہ عاقبت اندیشی رشک کے قابل ہے کہ انھوں نے حضرت خواجہ کے آستانہ پر ہی تمام دنیا کی کائنات کو پیش نظر رکھ لیا ہے اور ایک جگہ بیٹھکر وہ تجربہ حاصل کیا ہے کہ کسی سیاح کو نصیب نہیں ہوسکتا۔ ایسی خوشگوار زندگی پر مسیح و خضر بھی مرتے ہیں اور کیوں نہ ہو

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے را باکسے کارے نباشد

جلوۂ خواجہ پیش نظر جن کے ہوئے ہورہے ۔جہاں بیٹھے بیٹھے ۔
اُن کی یہ آزادانہ روش قابلِ رشک ہے ۔

بہت دیر تک اُن کی دلچسپ باتوں سے لطف حاصل کرتا رہا
ڈیڑھ بجے وہاں سے کوٹھی کو واپس آیا ۔ ساڑھے پانچ بجے میرا
تیسرا داماد اقبال جنید چھوٹے دولھا راجہ مظفر صاحب اور
اصغر علی صاحب کو ساتھ لیکر دیوان جی صاحب کی ملاقات کے
ارادہ سے کوٹھی سے روانہ ہوا چونکہ وقت بہت تنگ تھا
اس لئے ان کی ملاقات کو دوسرے وقت پر منحصر رکھکر متولی صاحب
سید نثار احمد صاحب کے مکان پر حضرت خواجہ حسن نظامی
صاحب کی ملاقات کو چلا گیا اتفاق سے وہ بھی مکان پر نہ تھے
درگاہِ شریف میں حاضر ہوا اور جالی کے قریب بیٹھ گیا اس لئے کہ
روشنی میں شریک ہونیوالا تھا حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب بھی
آگئے ۔ میری خوش نصیبی تھی کہ ایک فانوس اُٹھا کر میں بھی خدام
بارگاہ کی صف میں کھڑا ہو گیا یہ خدمت سوائے خدام کے اور
کسی کو نصیب نہیں ہوتی ۔ مجھ پر اس وقت ایک ایسی حالت
طاری ہوئی جس کا حوالہ قلم کرنا ناممکن ہے یہاں سے رخصت ہو کر
دیوان جی صاحب کی ملاقات کو اُن کے مکان پر گیا ۔

میرے ساتھ مضطر صاحب ثاقب صاحب۔ اصغر علی صاحب
اور دولھے راجہ تھے۔ دیوان صاحب کو حسب قرارداد میرا انتظار تھا۔
میں اُن سے ملا اور چار اشرفیاں میں نے ایک اشرفی میرے داماد نے
پیش کی۔ ایک چوکی قوالوں کی حاضر تھی جنہوں نے غذائے روح
مہیا کی یعنی قوالی شروع کی قریب ایک گھنٹہ کے لطف رہا اب میں نے
اجازت چاہی تو دیوان جی صاحب رخصت کرنے سے پہلے مجھے
کمرہ کے اندر لیگئے اور وہاں ایک تلوار۔ علی بند اور گلوبس عطا فرما کر
گلے میں پھولوں کا ہار پہنایا میرے مصاحبین اور میرے داماد کو اگرچہ
وہ رخصت ہو چکے تھے ایک ایک دستار عطا فرمائی اور میرے بچوں
کے لئے دستاریں اور شیرینی کی کشتی تسبیح صندلی میرے ہمراہ کر کے
مجھے رخصت کیا میں وہاں سے رخصت ہو کر پھر درگاہ شریف میں
حاضر ہوا۔ یہاں حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب اور سید محمد حنیف
صاحب موجود تھے۔ خواجہ صاحب اور میں بہشتی دروازہ کے
اندرونی حصے میں جا کر بیٹھے مراقبہ کیا۔ اللہ اللہ عجیب لطف ہے
اور عجیب بہار ہے وہ لوگ جو دنیا کے بکھیڑوں سے چھوٹ کر یکسوئی
حاصل کرتے ہوں گے خدا جانے ان کو ان باتوں کا مزہ کس قدر
حاصل ہوتا ہوگا۔

الغرض وہاں سے چلکر جنوبی دروازے کی طرف مع مصاحبین کچھ دیر کھڑا ہوا جلوۂ قدرت کا معائنہ کرتا رہا میں ابھی یہیں کھڑا تھا کہ پنجشنبہ کی معمولی مجلس کی آواز کانوں میں آئی وہاں گیا دیکھا کہ متولی صاحب اور دیگر خدام وزائرین حاضر تھے میں بھی شریک ہوا پندرہ منٹ کے بعد دیوان صاحب بھی تشریف لائے ساڑھے نو بجے قوالی ختم ہوئی۔ درگاہِ شریف کا دروازہ معمور ہوتے وقت کڑکا[57] کہا جاتا ہے خاص وہ قوال جن کے بزرگواروں سے نسلاً بعد نسلٍ یہ خدمت چلی آتی ہے وہی قوال اس خدمت کو انجام دیتے ہیں۔

یہ سین اہل عبرت کیلئے قابل دید ہوتا ہے۔ میں اس منظر کو دیکھنے کے بعد دس بجے کے قریب اپنے بنگلہ کو واپس آیا شب کو کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا جو قابلِ اندراج روزنامۂ ہذا ہوتا۔

۲۹ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ ۴ فروری ۱۹۱۶ء ۲ فروردی ۱۳۲۵ف جمعہ

غبار صاحب منتظم پیشی نے شب کو تاراگڑھ جانے کی اجازت چاہی تھی اور وہ ۸½ بجے ڈاکٹر عبدالرحمان۔ خواجہ بدیع اللہ قیس کے ساتھ تاراگڑھ پر گئے۔

حضرت میراں سید حسین خنگ سوار اور تاراگڑھ کے حالات

[57] کڑکا اس کو کہتے ہیں کہ حضرت غریب نواز کے واقعات منظوم گائے جاتے ہیں اسکے بعد بارگاہ کا دروازہ معمور ہوتا ہے

حضرت خواجہ غریب نواز کے حالات کے سلسلے میں بیان کئے جائیں گے۔

قریب ایک بجے کے حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب اور حکیم جمشید علی خاں صاحب آئے بہت دیر تک ملاقات رہی۔ پانچ بجے محلات کو لیکر اناساگر کی طرف بطریق ہوا خوری گیا اور (۷) بجے واپس آیا۔ محلات کو کوٹھی میں اُتار کر حضرت خواجہ کے دربار میں حاضر ہوا وہاں زیارت سے مشرف ہو کر متولی صاحب سے ملتا ہوا بنگلہ کو واپس آیا۔

۲۰ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ ۵ فروری ۱۹۱۶ء ۳ فروردی ۱۳۲۵ف شنبہ

صبح کے ساڑھے سات بجے حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب تشریف لائے کچھ دیر بیٹھکر میں اُن کے ساتھ درگاہِ شریف کی زیارت کو گیا سید محمد علی مضطر ہمراہ تھے جب میں دربار شریف کے صدر دروازہ پر پہنچا تو اراکین مدرسہ معینیہ عثمانیہ معہ معتمد سید نثار احمد صاحب متولی اور نائب معتمد عبدالوحید صاحب و منتظم مدرسہ مولوی محمد یونس صاحب موجود تھے میں اُن سے ملکر پہلے آستانہ شریف کی زیارت سے مشرف ہوا اُس کے بعد صاحبزادی صاحبہ اور حضرت کے برادر نسبتی و محلات کی زیارت سے شرف اندوز ہوتا ہوا مع اپنے

وکیل سید محمدؐ حنیف صاحب کے مدرسۂ معینیہ عثمانیہ میں گیا۔
یہ مدرسہ سماع خانۂ سر آسمانجاہ مرحوم میں ہے یہیں درس ہوتا ہے
وہاں صدر مدرس مولوی معین الدین صاحب اور اراکین مدرسہ
معتمد صاحب و نائب معتمد صاحب و منتظم صاحب نے استقبال کیا
مدرسہ میں جانیکے بعد چند طلباء نے قرآن خوانی کی جن میں صاحبزادگان
وغیرہم کے بھی کچھ اطفال تھے مجھ کو بہت مسرت ہوئی اس کے
بعد ایک طالب علم نے بطور وعظ کچھ تقریر کی۔ منتظم مدرسہ نے
ایک اڈریس پیش کیا اور پڑھ کر سنایا۔ صدر مدرس صاحب نے ایک
دلچسپ تقریر کی حضرتِ خواجہ حسن نظامی صاحب نے خصوص جو
سحر آمیز تقریر موعظت کے پیرایہ میں کی وہ نہایت دل پذیر تھی
معتمد صاحبِ مدرسہ نے دو کتابیں میرے سامنے پیش کیں انمیں
ایک وصولی چندہ کی تھی اور دوسری کتابُ الرائے۔ اس کے
بعد اڈریس کے جواب میں صرف زبانی شکریہ ادا کیا اس لئے کہ
اڈریس کی نقل مجھے پہلے پہنچی نہ تھی اور نہیں تیار تھا انشاء اللہ تعالےٰ
اس کا جواب جو کچھ تحریراً دونگا ناظرین کے ملاحظہ کیلئے درج کرونگا۔
ساڑھے چار بجے شاہ لطیف الزماں صاحب جنکی معرفی اسکے
قبل کرآیا ہوں ملاقات کو آئے اُن سے مِلا میرے بچوں نے ہدیہ

پیش کیا و دیر تک لطف ہمکلامی رہی (۹) بجے کے قریب گئے۔

یکم ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ ۱۶ فروری ۱۹۱۶ء ۲۵ فروری یکشنبہ

آج سردی کی اس قدر شدت ہے کہ دار الخیر اجمیر کرۂ زمہریر بنا ہوا ہے آج محلات اور بچے درگاہ شریف کو جانیوالے ہیں گاڑیاں ٹانگے وغیرہ موجود ہیں۔

ساڑھے دس بجے میں مع محلات اور بچوں کے سوار ہوکر درگاہ کو روانہ ہوا اغیار صاحب ہمراہ ہیں دہلی دروازہ اور درگاہ بازار کے وسط میں ایک برات ملی جو سیٹھ نمی چند کے یہاں جے پور سے آئی تھی۔ دولھا کی سواری تزک و احتشام سے آرہی تھی جسکی وجہ سے منڈی کے کنارے ہماری گاڑیوں کو کسی قدر وقفہ تک رکنا پڑا۔ برات کا جلوس قابلِ بیان ہے۔

آگے بینڈ باجا اُس کے پیچھے کوتل گھوڑے ساز و سامان سے آراستہ اور ایک ہاتھی جس پر غالبًا دولھا کا کوئی رشتہ دار سوار تھا اُسکے پیچھے پھر ایک بینڈ باجا اُس کے بعد دولھا کا ہاتھی تمام زیور سے آراستہ مورچھل اُڑتا ہوا دولھا کے پہلو میں اس کا غالبًا بھائی یا اور کوئی رشتہ دار سوار تھا۔ ہاتھی کے پیچھے دو تین سو گاڑیاں اور ٹانگے تھے جن میں براتی سوار تھے جنکی تعداد میرے اندازہ میں

ڈیڑھ ہزار کے قریب تھی تماشائیوں کے ہجوم سے تمام بازار بھرا ہوا تھا۔
قاعدہ یہ ہے کہ ہر قوم کی برات اس طرف سے جاتی ہے اور
پابوسی کرتی ہے دولہا جب دلہن کو واپس لاتا ہے اس وقت بھی
اسی طرف سے آنا ضروری ہے تاکہ پابوس ہو کر دولہا مکان کو واپس ہو
وہ سین لائق وجد ہوتا ہے جب برات درگاہ کے بلند دروازے کے
محاذی پہنچتی ہے اور بیانڈ سلامی دیتا ہے بیانڈ کی سلامی جب ہی اترتی ہے
جب بادشاہ یا وہ افسر جو سلام لینے کا مستحق ہو سامنے رہتا ہو۔ قربان
جائیے اس شان کے مزار مقدس وہاں سے دو ہزار قدم کے فاصلے
ہے مگر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ غریب نواز برآمد ہیں اور بیانڈ
اُن کی حضوری میں سلامی دیرہا ہے جل شانہ۔

بمشکل تماشائیوں کو ہٹا کر پہلو سے ہماری گاڑیاں نکلیں اور میں مع
محلات اور بچوں کے پونے گیارہ بجے صدر دروازۂ درگاہ پر پہنچا
وہاں سید محمد حنیف صاحب وکیل درگاہ نے مجھ کو گاڑی سے اتارا
اور میں اُن کے ہمراہ درگاہ کے اندرونی انتظام کے دیکھنے کو گیا
سماع خانہ میں ہو کر جامع مسجد میں ہوتا ہوا اندرون گنبد گیا بالکل تخلیہ تھا
پولیس کا پورا پورا انتظام تھا پولیس کے انتظام کے متعلق غبار صاحب
منتظم بیشی نے شب ہی کو سپرنٹنڈنٹ پولیس سے احکام جاری کرادیئے تھے

میں واپس آیا۔ فراشوں نے زنانے پردے گاڑیوں کے قریب کھولدئے گاردنوں نے پردہ میں محلات کو لیا میں آگے ہوا اور محلات پردہ میں میرے پیچھے پیچھے چلے یہاں تک کہ ہم آستانہ شریف میں پہنچے اور قریب ایک گھنٹے کے زیارتِ باسعادت سے شرف اندوز سعادت رہے اس کے بعد زنانہ اسی پردہ واہتمام کے ساتھ سوار ہوا میں مع بچوں اور لڑکیوں کے آستانہ مبارک میں ٹھہرا رہا اور اپنے وکیل صاحب کو بلوا کر پھولوں کی چادریں اور صندل کے پیالے چڑھائے مٹھائی پر فاتحہ دلاکر آستانۂ مبارک سے رخصت ہو کر حضرت صاحبزادی صاحبہ کے مزارِ پُرانوار پر حاضر ہوا اور چادر گل چڑھائی وہاں سے فارغ ہو کر صاحبزادہ صاحب کے مزار پر حاضر ہوا چادر چڑھائی وہاں سے دیگر مزارات پر چادر گل چڑھاتا ہوا جامع مسجد میں آیا اور بہشتی دروازہ سے گزر کر حضرت بابا فرید شکر گنج کے چلے پر حاضر ہوا وہاں سے حضرت کے محلات مبارک پر چادر گل چڑھاتا فاتحہ پڑھتا ہوا اپنے وکیل صاحب کے ساتھ واپس ہوا۔ چونکہ دیوان صاحب نے برخوردار خواجہ پرشاد و خواجہ نصراللہ و خواجہ سلیم اللہ و خواجہ اسداللہ اطال اللہ عمرہم کے دیکھنے کا اشتیاق ظاہر کیا تھا میں بچوں کو لیکر وہاں گیا دیوان جی صاحب نے اپنا بزرگانہ ہاتھ

سب کے سر پر رکھکر دعائے خیر دی اور تبرکات عطا فرمائے (۲۰) منٹ وہاں بیٹھکر قریب ایک بجے کے میں اپنے بنگلہ کو واپس ہوا پھر میں شام تک کہیں نہیں گیا۔

۲ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ ۷ فروری ۱۹۱۶ء ۸ فروری ۲۵ ۱۳۲۵ف دو شنبہ

سردی زوروں پر ہے بتعالی ہر چیز پر یخ کا گمان ہوتا ہے دھوپ میں بھی گرمی نام کو نہیں آج میں کہیں نہیں گیا۔ منتظم پیشی کے پیش کئے ہوئے کاغذات کو معائنہ کرتا رہا ضروری احکام جاری کئے۔

ساڑھے دس بجے دیوان سید شرف الدین علی خاں صاحب میری ملاقات کو آئے ان کے ہمراہ شاہ لطیف الزماں صاحب اور سابق دیوان امام الدین علی خاں مرحوم کے علاتی بھائی بھی تھے ایک گھنٹہ تک میں ان کی ملاقات کا لطف حاصل کرتا رہا بعد اس کے درگاہ شریف کے قوالوں کا جو دیوان صاحب کے ہمراہ آئے تھے گانا ہوتا رہا قریب ۱۲ کے تشریف لیگئے۔

چار بجے سید نثار احمد صاحب متولی درگاہ شریف حکیم جمشید علیخاں صاحب ڈاکٹر عبد الخالق صاحب معتمد مدرسہ مولوی عبد الوحید صاحب ملاقات کو آئے دیر تک بیٹھے رہے پونے چھے بجے گئے میں کہیں نہیں گیا۔

۳ ربیع الثانی سنہ ۱۳۳۴ھ ۸ فروری سنہ ۱۹۱۶ء ۱۱ فروردی سنہ ۱۳۲۵ف شنبہ

آٹھ بجے صبح کے میں اپنے بنگلہ سے ٹہلتا ہوا چلا۔ ثاقب صاحب۔ اصغر علی صاحب اور نیز دیگر خدمتی میرے ساتھ تھے گاڑی پیچھے پیچھے تھی۔ قریب دو سو قدم جانے کے بعد سید محمد حنیف صاحب وکیل مجھے ملے جو میرے پاس آرہے تھے وہ بھی ٹانگہ سے اُتر کر میرے ساتھ ہولئے۔ اثنائے گفتگو میں اکبر شاہنشاہ ہند کا ذکر آگیا کہ آگرہ سے پیادہ پا اسی سڑک سے سات مرتبہ آئے ہیں یہی باتیں کرتا ہوا میں بھی چلا جب درگاہ بازار میں پہونچا تو میرے سامنے سے ایک ہندو کی برات آرہی تھی جس کے ساتھ بینڈ باجا تھا درگاہ شریف کے دروازے پر پہنچکر اس نے سلامی دی۔ میں نے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ جبتک کوئی بادشاہ یا حاکم سامنے نہ ہو سلامی نہیں اتر سکتی۔ حضرت کی شاہی ایسی شاہی ہے کہ حاضر و غائب بھی سلامی دیجاتی ہے۔ یہاں کے اس قاعدے کو میں اس سے پہلے لکھ آیا ہوں۔ آستانہ شریف میں حاضر ہوا اور تمام زیارتوں سے مشرف ہو کر سید نثار احمد صاحب متولی کے مکان پر گیا۔ نصف گھنٹہ تک اُن سے ملاقات رہی وہاں سے دیوان صاحب کی ملاقات کو گیا وہاں قوالوں کی دو چوکیوں کا گانا ہوا دو گھنٹے بیٹھکر ساڑھے بارہ بجے گاڑی میں سوار ہو کر بنگلہ کو واپس ہوا۔

غبار صاحب نے کاغذات پیش کئے اِن کا معائنہ کرتا رہا۔ پانچ بجے حکیم جمشید علی خاں صاحب آئے اُن سے مِلا اسی وقت مسلم انسٹیٹیوٹ کا وفد آیا جن میں مولوی عبدالوالی صاحب اسسٹنٹ سکرٹری اور سید رضا صاحب انجم ترمذی وغیرہ تھے کچھ دیر اُن سے باتیں کرتا رہا اسی وقت میر خورشید علی دولھا نواب (داماد) بھی آگئے میں نے غبار صاحب کو دیوان صاحب کے پاس جانے کیلئے مامور کیا۔

۴ ربیع الثانی۔ ۹ فروری۔ ۷ فروردی۔ چہار شنبہ

آج میں صبح کو کہیں نہیں گیا۔ غبار صاحب کو حکم دیا کہ آج میری لڑکی (فضل النسا بیگم) کی موتراشی درگاہ شریف میں کرائی جائے گی اور کیا عجب ہے کہ محل سے بھی درگاہِ شریف جائیں لہٰذا پردہ کا انتظام کیا جائے چنانچہ بذریعہ پولیس اجمیر درگاہ میں انتظام ہوا گیارہ بجے لڑکی بھی اپنے ملازمین کے ساتھ گئی ساڑھے بارہ بجے یہ رسم ادا ہوگئی باہر آستانے کے فدیہ دیا گیا۔ اس کے بعد محل سے لڑکی کی والدہ اور نیز دیگر زنانہ بھی وہاں گیا پردہ کا کافی انتظام تھا دو بجے کے قریب بنگلہ کو واپس ہوئے پانچ بجے میں سوار ہوا میرے ساتھ مضطر صاحب قیس صاحب تھے۔ پہلے میں دولت باغ (انا ساگر) گیا اور وہاں شاہی عمارتوں کا معائنہ کرتا رہا وہاں کی سنہری کا نقشہ

واٹر کلرمیں بنیٹ کیا۔ وہاں سے درگاہِ شریف میں گیا اور حسبِ عادت زیارت سے مشرف ہوا۔ متولی صاحب سے ملا تھوڑی دیر بیٹھکر معہ ہمراہیوں کے سید اصغرحسین خاں صاحب کاکوری کی ملاقات کو گیا۔ وہاں تان رس خاں کی چوکی کو بلوا کر ایک گھنٹہ تک قوالی کا لطف حاصل کرتا رہا وہاں سے ۸ بجے کے قریب بنگلہ کو واپس آیا۔

۵ ربیع الثانی۔ ۱۰ فروری ۔ ۸ فروردی ۔ پنجشنبہ

ساڑھے نو بجے سوار ہو کر متولی صاحب کی ملاقات کو گیا۔ بچے میرے ساتھ تھے اس موقع پر جس قدر غزلیات اور ٹھمریاں میں نے بسنت میں لکھکر میرے خواجہ کے ملاحظہ میں پیش کیں اور قوالوں نے گایا وہ سب ضیافت طبع کے لئے درج ذیل ہیں:۔

مضطر صاحب اور اصغر علی صاحب میرے ہمراہ تھے۔ آج آستانہ مبارک پر بسنت چڑھنے والا ہے جب بسنت درگاہِ شریف کے صدر دروازہ پر آگیا متولی صاحب اور میں جا کر شریک ہوئے بسنت اپنا رنگ دکھا رہا تھا اور ہر طرف اس کا منظر نہ صرف آنکھوں کو خوشنما معلوم ہوتا تھا بلکہ دلوں پر اس کا بہار تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی شہنشاہ کی خدمت میں یہ رسم جاری ہے اور مقبولیت کا سہرا عنایت ہوا ہے بہر حال قلم سے اس کی توصیف لکھنے سے عاجز ہوں جو لوگ اس وقت اس بسنت

میں شریک تھے اِن کے دلوں سے اُس کی داد مِل سکتی ہے بارگاہ اقدس تک بسنت پہنچ گیا مگر اسیرانِ خواجہ ایسے بیخود مست و مدہوش تھے کہ انہیں بسنت کی بھی خبر نہ رہی - چوبدار و چپراسی وغیرہ درگاہِ شریف کے حاضر تھے بسنت کے ساتھ ساتھ آستانہ مبارک تک آئے جب بسنت بیگمی دالان کے سامنے پہونچا وہاں میرے وکیل سید محمد حنیف بھی مجھ سے مل گئے زیارت سے مشرف ہوا - وکیل صاحب نے مجھے اور بچوں کو بسنتی دستار بندھوائی وہاں سے مشرف ہوکر صاحبزادے کے مزار پر حاضر ہوکر زیارت سے مشرف ہوا -
بائیں دروازہ کے باہر شاہ لطیف الزماں صاحب کے وکیل اُن کو شملہ باندھ رہے تھے کچھ دیر وہاں ٹھیرا اُن سے ملاقات کرکے بیگمی دالان کے سامنے ہوکر صحن چراغ میں آیا دیوان صاحب کے مختار نے اطلاع دی کہ دیوان صاحب انتظار کر رہے ہیں اِن کے ساتھ خانقاہ میں گیا جو دیوان صاحب کے نشست کی جگہ ہے -
دیوان صاحب سے ملاقات کی اور کچھ دیر کے بعد دیوان صاحب کے ہمراہ اُن کے مکان پر گیا وہاں سے بچوں کو کوٹھی واپس کیا -
دیوان صاحب کے مکان پر درگاہِ شریف کے قوال بسنت لیکر آئے کچھ دیر قوالی ہوئی وہیں متولی صاحب کا رقعہ آیا کہ وقت تنگ ہونیکی

وجہ سے میں نے آپ کو تکلیف نہیں دی تھی لیکن اگر آپ تھوڑی
دیر کے لئے یہاں بھی تکلیف کریں تو یہی صحبت میرے یہاں بھی ہے
چونکہ وقت نہ تھا نیز مجھے بھی آخر وقت درگاہ شریف پر بسنت چڑھانا تھا
عذر کر دیا اور سید حنیف صاحب کو زنانہ کے متعلق انتظام کی ہدایت
کرکے کوٹھی کو واپس آیا چار بجے میں معہ محلات و اسٹاف درگاہ لطیف
گیا وکیل صاحب نے محلات کے لئے جو مکان تجویز کیا تھا اُس میں
زنانہ کو اُتار کر متولی صاحب کے مکان پر چلا گیا۔ وہاں بسنت کے
جلوس کے بینڈ باجے نے سلامی دی۔ تان رس خاں کی چوکی جسکو
متولی صاحب نے خاص اسی موقع کے لئے بلدۂ حیدرآباد سے
طلب کیا تھا اور درگاہِ شریف کے قوالوں کی چوکی بسنت لیکر آئی
اربابِ نشاط بھی موجود تھے سب قوالوں کے ہاتھ میں پھولوں کے
گڑوے تھے مخلوق کا ازدحام تھا عجب سماں اور دلپذیر کیفیت تھی
جس وقت قوالوں نے مزار مقدس کی طرف دیکھکر یہ گایا۔

	اری اے ری سہاگن آج بسنت منالے	
انجن منجن کر پیا پیارے لمبی لہر لگا		تو کیوں سوئے نیند کے ماتی شو جاگے تیرے ساتھ
	اری اے ری سہاگن آج بسنت منالے	

قلم اس کی تصویر کھینچنے سے عاجز ہے ہر دل متاثر تھا یہ چوکیاں قوالی

کرتی رہیں بسنت کو آگے بڑھا دیا جب یہ اطلاع ملی کہ بسنت درگاہ شریف کے صدر دروازے پر پہنچگیا تو میں معہ متولی صاحب و وکیل صاحب اور تمام اسٹاف کے صدر دروازہ پر پہنچا اور بسنت کے ساتھ ساتھ درگاہ شریف تک آئے وہاں جاکر زیارت سے مشرف ہوا وہاں سے رخصت ہوکر زنانہ کو سوار کراکر کوٹھی کو واپس آیا۔ آج ہی شام کی گاڑی میں سید صدیق حسن منتظم انگریزی بلدہ سے آئے۔

میں نے بھی اس موقع پر جو بسنت لکھا تھا وہ درج ذیل ہے:۔

بسنت

لائی ہوں بسنت توری نجریا
رنگ دے خواجہ موری چونریا

ابنوا موہے ٹیسو پھولے   لاگ نہ جائے کہیں نجریا

لائی ہوں بسنت توری نجریا
رنگ دے خواجہ موری چونریا

آجا آجا رے سنجر پیارے   سونی پڑی ہے من کی سجریا

لائی ہوں بسنت توری نجریا
رنگ دے خواجہ موری چونریا

سب سکھیاں مل عبیر اڑائیں | بھر دے خواجہ موری گگریا

لائی ہوں بسنت توری نجریا
رنگ دے خواجہ موری چونریا

آن پری نیا بھنور میں | پار لگا دے موری بجریا

لائی ہوں بسنت توری نجریا
رنگ دے خواجہ موری چونریا

واری مورے رنگرجوا واری | نیکی رنگ دینی موری چونریا

لائی ہوں بسنت توری نجریا
رنگ دے خواجہ موری چونریا

شاد پیا کے بل بل جاؤں | سنور دینو میکو سنوریا

لائی ہوں بسنت توری نجریا
رنگ دے خواجہ موری چونریا

دیگر

ایورے بسنت خواجہ پیارے
پیلا ٹیسو من کو بھاوے
عشق کی زردی چھائی ہر مکھ پر

گڑوا لائی ہوں تورے دوارے
مورے کنھیا راج دلارے
جر دیکھے ہیں نینن سارے

آگ لگت ہے جیرا جرت ہو ۔ مدھوا موہے پلا دے پیارے
توری پیت کے بل بل جاؤں ۔ رنگ ہیں واکے سگرے نیارے
سنجر والے اجمیر بسیّا ۔ پیّاں پروں تورے مکند مرارے
توری کاری سب کا کنھیّا ۔ توہی تو ہے عثماں کے دُلارے
رنگ میں بھیجی موری چنریا ۔ عبیر گلال مکھ پر مارے
سوتن سے پیت ہم سے رکھائی ۔ نیاو کرو پربھو ہمارے
توری کہا کے میں کٹ جاؤں ۔ آن پری ہوں تورے دوارے

تورے دمنوا شاد لگو ہے
لاج رکھو واکی خواجہ پیارے

غزل

تجھکو دینے کیلئے آیا ہی امداد بسنت ۔ ہو مبارک تجھے اجمیر کا اے شاد بسنت
زردی عشق پہ چھائی ہوئی کیا ٹیسو پہ ۔ صاف کھل کھل کے ہے دیتا ہی روداد بسنت
تو نے ترسایا بہت اور کہوں کیا آخر ۔ نہ کہوں تجھکو اگر میں ستم ایجاد بسنت
کیا ہے احسان مرے حال پہ ماشاء اللہ ۔ عشق خواجہ سے ہے کرتا مجھے دلشاد بسنت
گڑوے ہاتھوں میں نہیں ہیت کبھی کو سکھی ۔ کامرانی کی ہمیں دے گیا استاد بسنت
نغمۂ عیش سے خالی نہیں ہے اب کے سال ۔ تیری فریاد جو ہے اے لب فریاد بسنت

نہ تو مے ہے نہ تو ساغر نہ صراحی نہ تو باغ
کیا منائیں گے بھلا عابد و زہاد بسنت

ایک ہی رنگ میں اپنے کو ڈبو دیتے ہیں
یوں مناتے ہیں مگر وامق و فرہاد بسنت

گڑوے کے بدلے میں دل نذر کئے دیتے ہیں
کچھ عجب طرح کیا ہم نے بھی ایجاد بسنت

کفر و اسلام میں دونوں میں بھی مقبول ہے تو
کس لئے پھر نہ منائیں ترے آزاد بسنت

در خواجہ پہ اسیطرح منائے ہر سال
انجدا شاد بھی اور شاد کی اولاد بسنت

خواجہ کی جانب سے کچھ پیغام لاتا ہے بسنت
شاد ہوا ے شاد تو دل شاد آتا ہے بسنت

جام ہے اک ہاتھ میں اک ہاتھ میں انتظام
ٹھاٹھ سے اجمیر میں پھر اب کی آتا ہے بسنت

ٹھیک ہے تقدیر کا کیا پوچھنا تدبیر کا
خواجہ سے جو مانگتا ہے آج پاتا ہے بسنت

رنگ کا تیرے اثر خواجہ ہوا اس پہ اک نظر
تیرے ہی دربار سے اعزاز پاتا ہے بسنت

گڑوے لیکر چلو جو کہتے پشیمانی ملو
دیکھو اس دربار میں کیا رنگ لاتا ہے بسنت

خواجہ سے اب زائرو جو مانگنا ہو مانگ لو
کوچہ و بازار میں یہ راگ گاتا ہے بسنت

شاد کچھ تو نے سنا کیا تجھ سے خواجہ نے کہا
شاد ہو دل شاد یہ پیغام لاتا ہے بسنت

ہر سمت زرد رنگ ہوا سبزہ زار کا
آیا بسنت لیکے یہ موسم بہار کا

ٹیسو جو پھولا دشت میں اس سال زرد زرد
کچھ اور رنگ ہو گیا لیل و نہار کا

مرقد پہ خواجہ کے ہے عیاں رنگ عشق
جوبن برس رہا ہے عروس بہار کا

وہ ایسے بھول جاتے ہیں گویا نہیں ہیں یاد
کیا کہنا ان کے لطف کا اور چاہ پیار کا

یہ بارگاہِ شاہ ادب کا مقام ہے
سر سے طواف چاہیے ان کے مزار کا

لیتے خبر نہیں مرے دل کی ہزار حیف
پھر حال پوچھتے ہو شکیب و قرار کا

آئینگی آرزو میں ہوئی صبح وہ نہ آئے
کہنا ہی کیا ہے میری شبِ انتظار کا

ہنستے بھی جاتے ہیں مجھے تڑپاتے بھی ہیں آپ
لیتے ہیں امتحان دلِ بے قرار کا

اس کی بقا کے ساتھ ہماری بقا ہے شاد
ہے زیست نام ہستیٔ ناپائدار کا

مرا خواجہ جس میں ہے وہ دل یہی ہے
نہاں جسمیں لیلی ہے محمل یہی ہے

ترے ناوکِ ناز کا ہے جو زخمی
وہ بسمل یہی ہے وہ بسمل یہی ہے

اداؤں سے جسکی زمانہ ہے گھایل
وہ قاتل یہی ہے وہ قاتل یہی ہے

بلی کہکے جس نے بلا میں پھنسایا
وہ کمبخت ناداں مرا دل یہی ہے

بگڑ کر بنا بتکدے سے جو کعبہ
خدا کی قسم ہے کہ وہ دل یہی ہے

فنا کردو ہستی کو اپنی اسی میں
مگر عارفو عیش کامل یہی ہے

کچھ آساں نہیں دعوئ عشق و الفت
جو مشکل نہ حل ہو وہ مشکل یہی ہے

مرے دل میں آؤ کہ گھر ہی تمہارا
تمہاری سکونت کے قابل یہی ہے

اسی دل میں ہیں سوز اور ساز دونوں
ادھر آئے شاد محفل یہی ہے

گرہی جور و جفا گرہی بیداد رہے
کیوں نہ پھر شاد کا دل بھی دل ناشاد رہے

ہے جو بسمل کے تڑپنے کا تماشا منظور
تیر کچھ اور سوا خنجر بیداد رہے

کیا بھلا کوئی سنے شیشۂ دل کی جھنکار
درد کا بھیس جو بدلے ہوئے فریاد رہے

نہ امارت کی ہی صورت نہ فقیری کی ہے شان
ہم بھی ہیں کوئی جہاں میں ہمیں کیا یاد رہے

تم اگر بھولتے ہو ہم کو تمھاری مرضی
ہم نہیں بھولتے ہیں تم کو ذرا یاد رہے

وصل اور ہجر ہیں دونوں کے نرالے انداز
کس طرح یہ دل ناشاد مرا شاد رہے

نہ تو آپ آتے ہیں دل میں نہ بلاتے ہیں مجھے
دیکھوں کب تک یہ جفا اور یہ بیداد رہے

ترے کوچہ کی ہوس اور دکن میں ہیں بند
کسطرح پھر نہ تمنا مری برباد رہے

اپنا تم کہہ چکے غیروں کا ہو پھر بھی غلام
نئی بیداد ہے مجھ پر یہ ذرا یاد رہے

ایک چلو کی تمنا ہے پلا دے داتا
تو سلامت رہے بھٹی تری آباد رہے

کاش یوں اپنی زباں سے کریں ارشاد حضور
شاد بندہ ہے مرا خوش رہے دل شاد رہے

کب اس اجمیر میں تقدیر لئے پھرتی ہے
بخدا آپ کی تسخیر لئے پھرتی ہے

دل ترا آئینہ حسن ہے تیرا خواجہ
آنکھ میری تری تصویر لئے پھرتی ہے

خال رخسار کا صید ہی ہوا دھر طائر دل
دام ادھر زلف گرہ گیر لئے پھرتی ہے

کیا ہی تقدیر ہے سودائی کی ترے خواجہ
زلف اس کیلئے زنجیر لئے پھرتی ہے

خاک کوچہ کی ترے خاک شفا ہی شاید
یوں مجھے خواہش اکسیر لئے پھرتی ہے

رات کو دن پہ فضیلت ہے اسی باعث سے
مشعلِ نالۂ شبگیر لئے پھرتی ہے

تو کہاں شاد کہاں کوچۂ خواجہ لیکن
سچ تو یہ ہے تری تقدیر لئے پھرتی ہے

رباعیات

جب وصل کے بعد پھر جدائی ٹھہری
کس کام کی شاد آشنائی ٹھہری
الفت میں آپ کی مرے بندہ نواز
میرا رونا بھی جگ ہنسائی ٹھہری

دیگر

عقبےٰ کا نہ سائل ہوں نہ دنیا کا میں
طالب ہوں شاد عشق مولیٰ کا میں
حاصل ہو مرے قلب کو بس اطمینان
شیدا دل سے ہوں اس تمنا کا میں

دیگر

کہتا ہے یہی ہر سر دربار بسنت
منظور ہو مقبول ہو سرکار بسنت
ہے شاد کی یہ دعا آل و اولاد
آ آ کے منائے یونہیں ہر بار بسنت

دیگر

یہ عرض ہے میری سن لیں میرے سرکار
قایم رہے آپ کا یہ راج اور دربار
بلجائے فقط خلعت فقرائے خواجہ
واللہ کہ شاد کو بھی یہی ہے درکار

دیگر

دولت سے زیارت کی رہوں مالامال
دیدار سے آپ کے ہمیشہ خوشحال
اے شاد مرے دل میں تمنا ہے یہی
دربار میں خواجہ کے ہوں حاضر ہر سال

۱۶ ربیع الثانی سنہ ۱۳۳۴ھ - ۱۱ فروری سنہ ۱۹۱۶ء - ۹ فروردی سنہ ۱۳۲۵ف جمعہ

آج میں چار بجے تک کہیں نہیں گیا۔ چار بجے دیوان جی صاحب تشریف لائے شاہ لطیف الزماں صاحب اُن کے ہمراہ تھے چونکہ آج چھٹی ہے اور معمولاً ہر مہینے کی چھٹی کو مجلس خواجہ کے ثواب میں حصہ لیا کرتا ہوں میں نے اس کو ناغہ نہیں کیا۔ درگاہِ شریف کے قوالوں کی تین چوکیاں اور ایک چوکی تان رس خاں کی طلب کی گئی۔ حکیم جمشید علی خاں صاحب بھی آگئے اور صاحبزادے بھی جو درگاہِ شریف کے فاتحہ خواں تھے شریک ہوئے دیر تک پر لطف مجلس سماع ہوتی رہی ساڑھے پانچ بجے مجلس ختم ہوئی اسکے بعد دیوانجی صاحب کے ساتھ مدرسہ

اسلامیہ ہائی اسکول گیا۔ چونکہ وقت کم تھا اس لئے اچھی طرح سے بہ خبر کے دیکھنے کا موقع نہ ملا۔ دوسو روپیہ وہاں کے بچوں کو شیرنی کے طور پر دیکر وہاں سے دیوان جی صاحب کے مکان پر گیا تھوڑی دیر وہاں بیٹھکر نواب سید اصغر حسین خاں صاحب کا کی کوروی سے ملتا ہوا (۹) بجے مکان کو واپس آیا چونکہ میں کل شنبہ کی شام کو پانچ بجے یہاں سے متھرا کو روانہ ہونیوالا ہوں اس لئے میں نے غبار صاحب کو حکم دیا کہ جو لوگ آگے جانیوالے ہیں انکو مع سامان اسٹیشن پر بھیجدئے جانے کا انتظام کیا جائے چنانچہ گاڑیاں منگواکر بارہ بجے تک تمام سامان اسٹیشن پر بھیجدیا گیا اور پانچ بجے صبح کے ٹرین میں (۳۷) آدمی مع سامان متھرا کو روانہ کردئے گئے۔

۲۵ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ ۱۳ اسفندار ۱۳۲۵ف ۱۹۱۶ء ۱۰ فروری شنبہ

آج میں پچھلے پہر کے اول وقت گاڑی منگواکر غبار صاحب اور ثاقب صاحب کو ساتھ لیکر درگاہ شریف کی زیارت کو گیا۔

کائنات کے مینا بازار میں جتنی چیزیں صناع قدرت نے آراستہ کی ہیں اصطلاح میں موجودات عالم کہلاتی ہیں یہ تمام چیزیں اپنی نوعیت اور وضع کے لحاظ سے مختلف اور ساخت کے اعتبار سے عجیب و

غریب صنعت وکمال قدرت کا نمونہ ہیں کہ ان سے بہتر اور اعلیٰ
پیدا نہیں ہوسکتیں جس طرح ان کی صورت اور ظاہری کیفیت مختلف ہے
اسیطرح ان کے فوائد اور اغراض بھی جدا جدا ہیں اور ہر چیز فی حد ذاتہٖ
ایسی کامل ہے کہ نہ صرف اس کی صورت ہی نظر فریب اور دو کا
آفرینش کی زینت و آرایش کا باعث ہے بلکہ اس سے وہ غرض بھی
بہت اچھی طرح پوری ہوتی ہے جس کیلئے وہ بنائی گئی ہے۔

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے حقیقت شناس آنکھ دی ہے وہ
دیکھتے ہیں کہ صانع قدرت کا جلوہ موجودات کے ہر ذرہ میں موجود
اور ادنیٰ و اعلیٰ ہر ایک چیز ظاہر کر رہی ہے کہ اس کا کوئی صانع ہے
جس کی قدرت اور حکمت کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ
السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَا
زمین۔ آسمان۔ دریا۔ سمندر۔ پہاڑ۔ پھل پھول۔ چاند سورج۔ سیارے
ستارے۔ دن۔ رات صبح شام۔ انسان اور حیوان وغیرہ غرض
کل نظام قدرت اس کے بے انتہا علم اور غیر محدود دانش کی آئینہ
ہیں جن لوگوں نے نظام قدرت کے وصول چشم غور و نظر تعمق سے
معائنہ کئے ہیں وہ ذرا ذرا سی بات میں ایسے ایسے اسرار مخفی پاتے ہیں

لہ تحقیق پیدا کرنے میں آسمان و زمین کے اور آگے پیچھے آنے میں رات دن کے البتہ نشانیاں ہیں عقلمندوں کیلئے ٭٭

کہ انسان خواہ کیسا ہی کامل کیوں نہ ہو بغیر استعجاب کے رہ نہیں سکتا اور اس کو کم سے کم اتنا تو ماننا پڑتا ہے کہ قوتِ بشری ایسے اظہار صنائع اور انتظام سے عاجز ہے۔ پس جب انسان کہ اشرف المخلوقات ہے ایسا عاجز و نارسا ہے تو بدیگراں چہ رسد۔ کارخانہ عالم میں ایک نظام شمسی ہی ہے کہ عقل دیکھ دیکھکر دنگ ہوتی ہے منجم جانتے ہیں کہ ایسے ایسے بے شمار نظام ہیں اور اس زمین اور اس دنیا سے بڑے بڑے کرہ ہیں جن پر وہ قادر ذوالجلال حکمرانی کرتا ہے اس نظام میں ایک سیارہ دوسرے سیارے کے گرد اس طرح گردش کرتا ہے اور وہ بہ لحاظ قدوقامت فاصلہ سمت۔ رفتار ایسا ٹھیک اور مناسب ہے کہ کل ملکر ایک عمدہ انتظام اور اتحاد پیدا کرتے ہیں۔ پروفیسر فلنٹ بیان کرتے ہیں کہ زمین چاند اور سورج سے اس طرح متعلق ہے کہ موسموں کے تغیر و تبدل فصلوں اور وقتوں کی آمدورفت مدوجزر کے وقوع میں نہ کبھی بے ترتیبی ہوتی ہے نہ دھوکہ اور اس نظامِ شمسی کے سے اور اس سے کہیں بڑے بڑے کروروں اور نظام ہیں اور لاکھوں سورج اور ستارے فضا میں پھیلے ہوئے ہیں لیکن اُن میں ایسی ترتیب اور تعلق ہے اور ایسے ریاضی کے اُصول پر قائم ہیں کہ وہ باہم ایک دوسرے کی اور کل نظام کی کامل محافظت کرتے ہیں اور ہر جگہ

اتحاد و خوبی پیدا کرتے ہیں۔ ہر ایک مدار دوسرے مدار پر اثر ڈالتا ہے اور ان کا تجاذب اس طرح پر ہے کہ اگر اس میں ذرا فرق ہو تو تمام نظام منتشر ہو جائے لیکن یہ نظام ایسے حیرت انگیز اصول پر قایم ہے کہ عقل دنگ ہو جاتی ہے۔

اگر نیچر میں کوئی ترتیب اور قاعدہ نہ ہوتا تو اس امر کے شبہ کرنے کی وجہ ہوتی کہ اس پر کوئی حکمران نہیں ہے۔ مگر نیچر کے تمام سلسلے مدارانہ ترتیب اور کامل قوانین قدرت سے وابستہ ہیں جنکو نہ کبھی تبدیل کی ضرورت ہوتی ہے نہ جن میں کبھی تغیر واقع ہوتا ہے قوانین قدرت اپنے مقنن کی بے انتہا قدرت کا اظہار اپنے فعل سے کرتے ہیں

اشعار

ہے عقل کا نا پیش قدرت میں امتحاں
باہر ہے حد قوت صنع بشر سے چرخ
دلچسپ ہے فضائے گلستان ممکنات
ہر شئے نظر فریب ہے دیکھیں کسے کسے

اے آنکھ دیکھ پھرتا ہے پتلی میں آسماں
نہ اس کا اوج ہے کسی نہ رفعت ایسی کسی کی شاں
ہر چیز میں ہے قوت جذب نظر عیاں
ہر بزم دلفروز ہے جائیں کہاں کہاں

اس پر فضا سہانے اور مظہر قدرت وقت کی کیفیت کو الفاظ میں ظاہر کرنا محالات سے ہے۔ غبار صاحب نے اس وقت کی تصویر نظم میں

کھینچی ہے جو ضیافت طبع ناظرین کے لئے درج کی جاتی ہے حقیقت میں اس سے بہتر اور دلکش سنہری الفاظ میں نہیں دکھائی جا سکتی۔

نظم

نقاب الٹتا ہے چہرہ سے خسروِ خاور — کہو یہ لیلیٔ شب سے کہ اوڑھ لے چادر
ہے وقت پچھلے پہر کا سکون خیز اک وقت — خدا کی قدرتِ کامل کا دل کشا منظر
سماں بندھا ہوا جوشِ بہارِ قدرت کا — سکوت چھایا ہوا ممکناتِ عالم پر
گھروں کے بند ہیں دروازے سب کا [illegible] — چہل پہل ہے نہ ہنگامہ ہے نہ شور و شر
پرند سوتے ہیں سب اپنے آشیانوں میں — چرند تھان پہ بیٹھے ہوئے جھکائے سر
تمام خلق کو گھیرا ہے خوابِ غفلت نے — گماں ہے شہرِ خموشاں کا سارے عالم پہ
ہر ایک شئے پہ سیاہی کا رنگ پھیلا ہے — سیہ ہیں ارض و سما و جبال و بحر و بر
چمک رہے ہیں جو تارے قیاس کہتا ہے — فلک کی نیلی قبا میں ٹکے ہوئے ہیں گہر
چراغ ماہ کی بھی روشنی ہوئی مدھم — ہے وقت برہمیٔ صحبتِ مہ و اختر
بلا کشانِ شبِ ہجر سے کوئی پوچھے — کہ رات تم نے گزاری ہے یار بن کیونکر
خیال خوابِ پریشاں ہے شب کی بیداری — لگی تھی آنکھ ہوئی انتظار میں جو سحر
وداع ہوتے ہیں دیکھو وہ شاد کامِ وصال — نکل چکی ہے مگر حسرتِ دلِ مضطر
ادھر ہے شرم و تمنا ادھر ہے شرم و حجاب — نیاز و ناز کی ہیں صحبتیں یہ پچھلے پہر

اشارے ہوتے ہیں رخصت کے آنکھوں آنکھوں میں
ادھر کی آنکھ ادھر ہی ادھر کی آنکھ ادھر

مسافر اٹھے ہیں پچھلی پہر کی خنکی میں
کمر کو باندھ رہے ہیں لپیٹ کر بستر

وہ شب کی ہلکی سیاہی سحر کی ضو وہ سپید
وہ اک سے ایک کی رخصت کا دلکشا منظر

شفق کے رنگ کے آمیزش سفیدۂ صبح
عروس وقت کے تن پر تھا قدرتی زیور

جھکا وہ جانبِ مغرب سرمہ کاہل
چلا وہ آنکھیں جھپکتا نجوم کا لشکر

فلک کا چار پہر میں کیا ہی دورہ ختم
ہے شب کے جاگنے کا بار ان کی آنکھوں پر

وہ نکلا صبح کا تارہ وہ رات ختم ہوئی
سفیدۂ صبح کا تھا روئے لیلی شب پر

نماز صبح کو اٹھنے لگے نماز گذار
جھکے ہیں سجدۂ معبود میں تمام شجر

وظیفہ سحری میں ہیں سب کے سب مصروف
بلند و پست جبال و بحار و دشت و در

نظر فریب سہانا وہ وقتِ صبح بہار
بھرا ہی کوٹ کے لطفِ خدا کا جس میں اثر

نسیم صبح کے وہ خوشگوار جھونکے سرد
جو گدگداتے ہیں غنچوں کو بیشتر آ کر

ہنسی جو دیر سے غنچے کئے ہوئے تھے ضبط
تو ہنس پڑے لبِ گلہا تنک سی وہ کھل کھل کر

دھلا کے دایۂ ابر بہار نے رخِ گل
پنھا دیا در شبنم کا قدرتی زیور

سنک جو پائی ہے موج نسیم کی اس دم
تو سبزہ لیتا ہے انگڑائیاں اٹھا کر سر

سماں یہ دیکھ کے مرغانِ نغمہ سنج اٹھے
سُروں میں گانے لگے بھیروں بہاگر

نسیم صبح کی دیکھی جو چال مستانہ
نظر بھی لوٹ گئی فرش سبزۂ تر پر

شجر نہال تھے موج صبا کی جنبش سے
گلوں کے رخ پہ تھا رنگ بہار کا پوڈر

درخوش آب کا دانہ تھا موتی کی کلی — نگین عقیق یمن کا تھا لالۂ احمر
نسیم آئی دبے پاؤں صحن گلشن میں — کہ بوئے گل کو جو پائے تو لے اڑے باہر
بڑے درختوں کی ہلکی سی سنسناہٹ کا — ہوا طیور کی نغمہ سرائیوں پہ اثر
کہ سر ہلا کے لگے بازیاں لگے کرنے — صدا سے تانوں کے تھے وجد میں تمام شجر
ہوا میں گونج رہی تھی جو مرغ صبح کی تان — تو ایک وجد ہو طاری تمام لشکر پر
دہن سے غنچے کے گرتے ہیں قطرۂ شبنم — کہ جیسے دودھ اگلتا ہے شیر خوار پسر
مذاق شبنم و گل میں ہے حسن و عشق کا بند — ادھر تو خندہ لبی ہے ادھر ہے دیدہ تر
کسے سنائے کوئی داستان بلبل و گل — مشاہدہ کا تقاضا ہے دیکھ لو آکر
وہ دیکھو پہلوئے بلبل میں گل کی خندہ لبی — سنو وہ زمزمہ سنجی بلبل خود سر
نیاز و ناز کی صحبت میں دخل ہو کس کو — ہوائے صبح بھی آئے تو آئے تھم تھم کر

ہوا پرست چمن جا رہے ہیں گلشن کو
نظر فریب ہے اس وقت باغ کا منظر

میں گاڑی سے اتر کر جس وقت داخلِ روضۂ اقدس ہوا ہوں فرشِ سنگی کی خنکی سے دل و دماغ کو ٹھنڈک پہنچتی تھی۔ تجلیاتِ انوارِ خواجہ نے زمین و آسمان پر قبضہ کر رکھا تھا۔ اس وقت کی دل کش کیفیت اور

تقرب کا اثر دل میں محسوس کرتا تھا۔ وہ روضہ کی نورانی تجلی۔ وہ وقت کی دلفریبی وہ میرا شوق زیارت سمند شوق پر تازیانے کا کام کرتا تھا میں سیدھا بہشتی دروازے کے قریب روبضریح کرکے بیٹھا۔ میں نہیں بتا سکتا کہ آنکھوں نے کیا دیکھا کانوں نے کیا سنا دل میں کیا شوق پیدا ہوا

ایسا کچھ دیکھا کہ آنکھوں کو تمنا رہ گئی

ساڑھے چھ بجے تک میں درگاہ شریف میں حاضری دیگر تمام مزارات پر فاتحہ پڑھکر رخصت ہوا اور کوٹھی کو واپس آیا۔ گیارہ بجے رائے بہادر سیٹھ اُمیدمل جو اجمیر شریف کے سر آوردہ متمولین سے ہیں ملاقات کو آئے پندرہ منٹ تک بیٹھے ان کے جانیکے بعد گئوشالہ کے ممبر آئے اور خواہش کی کہ میں گئوشالہ کا معائنہ کروں۔ اُن کی خواہش پر منتظم پیشی کو ساتھ لیکر اُن کے ساتھ گئوشالہ میں گیا۔ میری گاڑی تک استقبال کو بابو روی شنکر سکرٹری۔ رامچندر ممبر آئے اور مجھے گاڑی سے اُتار کر وہاں لے گئے جہاں خدا کی بے زبان مخلوق جمع تھی وہاں امرناتھ چڑجی سے ملاقات ہوئی۔ میں نے اُن بے زبانوں کی حالت دیکھی اور ڈیڑھ سو روپیہ ان بے زبان جانوروں کی نذر کرکے وہاں سے دیوان جی صاحب سے رخصت کے لئے گیا۔ چند منٹ بیٹھکر وہاں سے رخصت ہوا وہاں سے درگاہِ شریف میں خصتی زیارت کے لئے حاضر ہوا

میرے لڑکے خواجہ اسداللہ و خواجہ نصراللہ اطال اللہ عمر ہما پہلے ہی سے زیارت کو آئے ہوئے تھے میں ان کو ساتھ لیکر بیگمی دالان سے آستانہ مبارک میں گیا۔ سید نثار احمد صاحب متولی بھی وہیں آگئے تھے چونکہ آخری نظارہ تھا مجھ پر ایک کیفیت طاری ہوئی دل بھر آیا سوز جگر نے جگر بھون ڈالا۔ درد دل اُٹھ اٹھ کر گلے ملتا تھا۔ سید محمد حنیف (وکیل) نے تبرکات پیش کئے اور ایک تلوار معہ علی بند میری کمر میں باندھی وہاں سے یہ تبرکات لیکر تمام مزاراتِ انور کی زیارت سے مشرف ہوتا ہوا باہر آیا متولی صاحب سے رخصت ہوکر (۳) بجے کوٹھی کو واپس آیا۔ سامان اسٹیشن کو روانہ کیا گیا اور میں ساڑھے چار بجے معہ محلات اسٹیشن کو روانہ ہوا سیلون پہلے سے ریزرو کئے جا چکے تھے محلات کو اُن میں بٹھلا دیا گیا اور میں اپنے سیلون میں بیٹھ گیا ساڑھے پانچ بجے ہماری گاڑی متھرا کو روانہ ہوئی مگر دل دربار خواجہ ہی میں رہا۔ اجمیر شریف کے قیام کے حالات تو ختم ہوئے لیکن حضرت خواجہ کے زندگی کے حالات ابھی مجھے لکھنا باقی ہیں۔ اجمیر میں میرا آنا اور اس قدر قیام کرنا حضرت خواجہ کے لئے تھا۔ اُن کے حالات کو میں قلم انداز نہیں کرسکتا۔ میں نے اپنے پہلے روزنامچہ موسومہ بہ سیر پنجاب میں حضرت خواجہ کے حالات اجمالاً لکھے تھے۔ اس روزنامچہ میں میں

چاہتا ہوں کہ حضرت کے سفر کے حالات اور ہندوستان میں نزول اجلال فرمانے کے واقعات کسی قدر تفصیل سے لکھوں۔ ناظرین مجھے معاف کریں گے اگر حضرت کے واقعات و حالات میں طول ہو جائے۔

حضرت قطب العارفین غوث المشائخ خواجہ خواجگان خواجہ بزرگ غریب نواز ہند الولی معین الدنیا والدین محمد معین الدین حسن چشتی سنجری اجمیری مولائے ما قدس اللہ سرہ العزیز

کا سفر نامہ

حضرت کی ولادت باسعادت سنہ ۵۳۰ھ ہجری میں اصفہان میں ہوئی اور نشو و نما مضافات خراسان معروف بہ سنجر میں خراسان جاکر آپ نے قرآن مجید حفظ کیا پھر سمرقند ہوتے ہوئے مضافات بخارا پہنچے تفسیر و حدیث میں مشغول رہے بعد اتمام کسب علوم ظاہریہ علم باطنی کی طرف میل فرما کر مرشد کامل کی تلاش میں پھر سفر اختیار کیا جذبہ عشق کی رہبری سے طلب مولیٰ کے شوق و تمنا میں عراق و عرب کے دشوار گزار بیابان و ریگستان طے اور سفر و راہ کے صعوبات و مصائب برداشت

گرستے آخر بار ہاتف غیبی آواز نقشِ درویشی حضرت سلطان العارفین خواجہ عثمانِ ہارونی سنکر نیشاپور قصبہ ہارون کو روانہ ہوئے بالآخر سعادت ازلی وہمت عالی سے بغداد میں پہنچکر شرف پائبوسی حضرتِ عثمانِ ہارونی سے مشرف ہوئے حضرتِ امام الاولیا خواجہ عثمانِ ہارونی نے نہایت لطف وکرم سے آغوش رحمت میں لیا اور کمالِ محبت وشوق سے آپکی ارادت واخلاص کو قبول فرمایا۔ آپ کی جبین نورانی میں سعادتِ ازلی وفضیلتِ باطنی کے آثار مشاہدہ فرماکر گویا ایک شہسوار میدانِ معرفت اور عنقائے قاف حقیقت کو اسیر کیا۔ آپ کی مریدی اور طلب بیعت کو فخر ومباہات وسعادت سمجھا مرشد کامل نے حاضر خدمت رہنے کا حکم دیا

دلیل العارفین میں حضرت قطب المشائخ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ حضرت مرشدی ومولائی غوث المشائخ خواجہ غریب نواز نے مجھ سے فرمایا "اے قطب جب یہ فقیر حضرتِ مرشدی شیخ الاسلام سلطان المشائخ خواجۂ عثمانِ ہارونی کے حضور میں حاضر ہوا بعد شرفِ بیعت بیس برس کامل خدمت وصحبت حضوری سے سرفراز رہا اس عرصہ میں لذت وآرام وراحت وعیش نفس پر حرام کیا رات دن یکساں جانکر خدمت وغلامی حضرت مرشدی برحق کو واجب وبرحق سمجھکر ہمیشہ سفر وحضر میں بستر خواب وتوشہ آب وغیرہ اشیائے ضروری

سر پر لئے ہمراہ رکاب رہتا اور ہر امر والا کو باخلاص وارادت تمام بجا لاتا
اس کے صلے میں وہ نعمت بیحد ارزانی فرمائی کہ آج تک حصر و شمار میں نہیں
آسکتی"۔ جب حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی عمر کے ستر مرحلے طے ہو چکے
اس وقت جو کچھ نعمت و برکت و تبرکات حضرت خواجگان چشت سے
سینہ بسینہ پہنچے تھے معہ خرقۂ خلافت و اجازت نامہ حضرت خواجہ غریب نواز
کو مرحمت فرمائے اور خود معتکف ہو کر سیر و سیاحت کے لئے آپ کو ہدایت
فرمائی اور ارشاد کیا "اے معین الدین خلق سے طمع نہ رکھنا۔ آبادی میں
ہرگز نہ ٹھہرنا کوئی شئے کسی سے طلب نہ کرنا"۔ بعدہٗ فاتحہ خیر پڑھ کر سر و چشم
مبارک پر بوسہ دیا اور روانہ کیا۔ اس وقت حضرت خواجۂ غریب نواز کا
سن مبارک باون برس کا تھا۔ جہاں جاتے جس شہر یا گاؤں میں پہنچتے
گورستان میں قیام فرماتے اور جب شہرت پاتے خفیہ وہاں سے تشریف
لیجاتے۔ اس سیر و سیاحت میں کاملین وقت و مشائخین عصر کی خدمت
بابرکت میں حاضر ہوتے اور فیوض و برکات و طلب ہمت و دعوات
حاصل کرتے اکثر طالبین حق اور سالکان راہِ طریقت اور آرزومندان
معرفت و حقیقت کو مستفیض و مستفاد فرماتے۔

چنانچہ قصبہ سنجار میں پہنچکر حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ کے
ساتھ کہ اجل و اکمل زمانہ تھے پندرہ روز تک قیام فرمایا۔ بغداد شریف میں

شیخ اوحدالدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کو جو ابتدائے سلوک میں تھے
اور آپ سے معتقد ہو کر حظ صحبت پایا۔ خرقہ خلافت عطا فرمایا۔ اسیطرح
حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کہ ان کا بھی ابتدائی حال تھا
حضرتِ خواجہ کی صحبت میں آکر کسب فیوضات فرماتے رہے۔
ہمدان پہنچکر حضرت خواجہ یوسف ہمدانی کو دیکھا وہاں سے تبریز آئے
اور حضرت ابوسعید ابوالخیر تبریزی سے جو شیخ جلال الدین تبریزی کے
مرشد تھے ملکر کچھ عرصہ تک برکاتِ طریقت حاصل کئے۔ حضرت
محبوب الٰہی شیخ المشائخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ
حضرتِ شیخ ابوسعید ابوالخیر تبریزی ایسے کامل زبردست شیخ تھے
جن کے شیخ جلال الدین تبریزی سے ستر کامل و اکمل مرید تھے۔ پھر
خرقان تشریف لائے لیکن اس وقت خواجہ ابوالحسن خرقانی رح
رحلت فرما چکے تھے۔ دو برس اُس ولایت میں اقامت فرمائی اور
فیض روحانی سے حظ وافر پایا وہاں سے استرآباد تشریف لے گئے
اور حضرت خواجہ ناصر الدین استرآبادی کی خدمت میں پہنچکر جو بڑے
اولوالعزم کامل مکمل شیخ تھے عمر شریف کے ایک سو ستر مرحلے طے کئے تھے
مستفیض ہوئے اور عرصہ تک صحبت پاکر نعمت و برکت بے نہایت
حاصل کی جیساکہ حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی اور حضرت ابوسعید ابوالخیر

تبریزی نے بھی انہیں دیرینہ بزرگوار سے صحبت پاکر استفاضہ و برکات حاصل کئے تھے اس بزرگ زمانہ کو حضرت سلطان العارفین شیخ بایزید بسطامی تک دو واسطوں سے سلسلہ پہنچتا تھا۔ پھر خواجہ بزرگ متوجہ ہرات ہوئے۔ عادت تھی کہ ایک جگہ قیام نہ فرماتے دن بھر پھرتے رہتے اور راتوں میں اکثر اوقات خواجہ عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ میں آرام فرماتے۔ فقط ایک خادم ساتھ رکھتے جب ہرات میں آپ کی شہرت زیادہ ہوئی اور لوگوں نے ہجوم کیا وہاں سے سبزوار چلدیئے۔ وہاں کا حاکم محمد یادگار نامی سخت مزاجی فسق و فجور میں اپنی یکتائی کا دعویدار نہیں رکھتا تھا شیعہ مذہب رکھتا تھا حوالی شہر میں اس کا ایک باغ تھا۔ باغ کے وسط میں ایک نہایت عالیشان پرلطف مکان تھا جس میں لطور سیر و تفریح وہاں آکر فسق و فجور عیش و نشاط و شراب خواری میں مصروف ہوتا تھا حضرت خواجۂ بزرگ اُسی مکان کے حوض کے کنارے فروکش ہوئے غسل و وضو فرماکر بعد ادائی نماز تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہوئے۔ اتفاق سے محمد یادگار کی آمد آمد مشہور ہوئی فراشوں نے حوض کے کنارے آپ کے پہلو میں فرش و قالین وغیرہ بچھائے لیکن بسبب ہیبت و عظمت کسی کو آپ سے کہنے اور وہاں سے اُٹھانیکی جرأت نہ ہوئی

جب حاکم محمد یادگار آیا حضرت خواجہ کو وہاں پاکر نوکروں پر غضبناک ہوا کہ تم نے اس درویش کو یہاں سے کیوں نہیں اٹھایا۔ اس کی بیہودہ سرائی سُنکر حضرت خواجہ نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ دیکھنا تھا کہ اس پر رعشہ طاری ہوا اور بیہوش ہو کر گر پڑا چہرہ کا رنگ فق ہو گیا اس کے ملازم و مصاحب یہ حال دیکھکر آپ کے قدموں پر گر پڑے اور منت و عاجزی معافی چاہی حضرت خواجہ نے بمقتضائے رحمدلی اپنے خادم کو حکم دیا کہ حوض سے پانی لیکر بسم اللہ کہکر اس کا منہ دھلاؤ منہ دھلایا گیا۔ ہوش میں آتے ہی دوڑ کر حضرت کے قدموں میں گر کر زار زار رونے لگا اور عرض کیا کہ یا حضرت میں اپنے بُرے کاموں سے توبہ کرتا ہوں۔ توبۃً نصوحا۔ آپ میرا قصور معاف فرمائیں۔ حضرت خواجہ نے اس کا سر اٹھا کر بہ لطف و کرم فرمایا "تعجب ہے کہ دعویٰ محبت اہل بیت کرتے ہو اور ان کی متابعت سے گریز کرتے ہو ہرگز ہرگز بے اتباع محبت کارآمد نہیں اور اس محبت کی صحت کا کوئی ثبوت نہیں نہ ایسا ایمان ایمان ہو سکتا ہے"۔ بعدہٗ آپ نے مناقب اہل بیت و ائمہ ہدیٰ ایسی خوبی اور اس شد و مد سے بیان فرمایا کہ محمد یادگار اور اس کے رفقا بے اختیار ہو کر رونے لگے اور سب نے اپنے بُرے کاموں سے حضرت کے ہاتھ پر توبہ کی۔ محمد یادگار کا دل

پاک وصاف ہوکر انوارِ عرفانِ حقیقت سے منور ہوا۔ حضرت کے زمرۂ
خدام میں شامل ہوکر عرصۂ قلیل میں فیضِ صحبت سے واصلین حق
اور اہل اللہ میں داخل ہوئے چنانچہ اب تک محمد یادگار کی اولاد
خدمتِ آستانہ سے مشرف ہے متعلقین آستانۂ مبارک میں شیخ زادگان
اولاد حضرت شیخ محمد یادگار کے نام سے شمار کیجاتی ہے اور نذر مزار شریف
وجاگیرات وکلید برداری وغیرہ میں مثل سیدزادگان اولاد حضرت
فخر الدین بن حضرت خواجہ یہ بھی حصہ دار ہیں ۔

حضرتِ خواجہ نے انتظاماً وہاں کا ملک تاحکم ثانی اُن کے زیر نگرانی
رکھا اور آپ بلخ کو روانہ ہوئے بلخ میں پہنچکر حضرتِ خواجہ نے خانقاہ
حضرت خواجہ احمد حضرویہ میں کئی ماہ قیام فرمایا۔ اُس وقت وہاں
ایک فاضل معقولی مولانا ضیاء الدین حکیم نامی بہت مشہور فلسفی تھے
بلخ کے قریب کسی گاؤں میں انھوں نے ایک باغ ومدرسہ بنایا تھا
جس میں علومِ فلسفہ ومعقول وغیرہ کا طلباء کو درس دیا کرتے تھے
علم عرفان وتصوف اور حضراتِ صوفیہ سے اعتقاد نہ رکھتے تھے
بلکہ شاگردوں سے استہزاءِ صوفیۂ کرام کا ذکر کیا کرتے تھے حسنِ اتفاق
حضرتِ خواجۂ بزرگ کا بھی وہاں گذر ہوا۔ چونکہ حضرت ہمیشہ سفر میں
رہنے کی وجہ سے تیر وکمان اور سنگ چقماق ونمکدان وغیرہ ساتھ

رکھا کرتے تھے چنانچہ اس روز حضرت نے ایک شکار کیا اور خادم کو
کباب تیار کرنے کا حکم دیا آپ ایک درخت کے سایہ میں مشغول
عبادت ہوئے قضارا مولوی ضیاء الدین حکیم بھی وہاں آنکلے
آپ کو نماز پڑھتے اور خادم کو کباب بناتے دیکھکر وہاں ٹھہر گئے
جب حضرت نماز سے فارغ ہوئے حکیم صاحب حضرت کے قریب
جاکر بیٹھ گئے خادم نے اس عرصہ میں کباب تیار کرکے حضرت
خواجہ کے روبرو رکھے آپ نے بسم اللہ پڑھ کر ران کا ایک ٹکڑا
اس میں سے علیحدہ کرکے مولانا کو دیا مولانا نے ایک لقمہ اس
کباب پاک وحلال کا کھایا تمام کدورت اور زنگ فلسفہ دل سے
دور ہو گیا دل میں نور عرفان کی جھلک پیدا ہوئی اسرار طریقت و حقیقت انوار
کا تحمل نہ کرسکے مدہوشی طاری ہوگئی۔ آپ وضو کے چھینٹے دئے
ہوش آیا انجام یہ ہوا کہ مولانا ضیاء الدین حکیم تمام کتابیں دریا برد کرکے
مع شاگردوں کے مرید ہوئے اور حضرت کی خدمت وصحبت اپنے
اوپر لازم سمجھے۔ جب خواجہ بزرگ کی شہرت کی ہوا تیز ہوئی حضرت نے
خرقۂ خلافت مولانا ضیاء الدین حکیم کو عطا فرما کر آپ غزنین کی طرف
روانہ ہوئے وہاں حضرت شمس العارفین خواجہ عبدالواحد سے
جو حضرت خواجہ نظام الدین ابو المؤید کے پیر تھے ملے۔ وہاں سے

حرمین شریفین کی طرف روانہ ہوئے مکہ معظمہ زادہا اللہ شرفاً میں چند روز قیام کیا بعد وہاں سے مدینہ منورہ میں داخل ہو کر آستانۂ رسالت حاضر ہوئے بارگاہِ رسالت سے حکم ہوا کہ "اے معین الدین تو معین دنیا و ناصر دین ہے ولایتِ ہند تیرے زیر حکومت دیجاتی ہے اور ولی الہند کا خطاب" تو ہند میں جا اجمیر تیرا مسکن و مدفن مقرر کیا گیا اسمائے الٰہی سے اسم اعظم سنداً عطا فرمایا گیا حضرتِ خواجہ دربار رسالت سے فرمان پاکر منتِ سرمدی اور شکریۂ صمدی ادا کرتے ہوئے مع چالیس ہمراہیوں کے عازم ولایت ہند ہوئے

اسی طرح سیر و سیاحت فرماتے ضلع ماوراء النہر میں پہنچکر قصبہ اوش میں تشریف لائے۔ باشندگانِ قصبہ نے ارادت و اخلاص کے ساتھ آپ کا خیر مقدم کیا۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی

ان کی والدہ ماجدہ نے بھی جو نہایت ضعیفہ پارسا تھیں حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری و بزرگی و کمالات کی کیفیت معلوم کر کے اپنے فرزند حضرتِ قطب الدین بختیار کاکی کو کہ چار برس چار مہینے کے تھے اور کنارِ شفقت مادرینہ میں پرورش

پار ہے تھے کیونکہ باپ کا سایہ ڈیڑھ برس کی عمر میں سر سے اٹھ گیا تھا حضرت خواجہ کی خدمتِ بابرکت میں حاضر کیا کہ یہ یتیم ہے اسکی رسم تسمیہ خوانی آپ کی کریم النفسی پر منحصر ہے حضرت خواجہ بزرگ نے نظر لطف وکرم فرمائی دیکھا کہ مصرع | می تافت ستارہ بلندی |

آثار سعادت وولایت جذبِ روحی ووجاہتِ معنوی اس طفل کی پیشانی پر مشاہدہ فرمائے۔ اور بزرگانہ لطف ومرحمت سے بسم اللہ پڑھائی۔ بعد اس کے فرمایا کہ جس سعادت میں جس کا حصہ ہے اس کو ضرور ملے گا۔ اس گل سرسبد ولایت کی تعلیم کی سعادت حضرت قاضی حمید الدین ناگوری کے حصہ میں ہے یہاں حضرت قاضی حمید الدین ناگوری کو بشارت دیگئی کہ اوش میں پہنچکر تختۂ تعلیم قطب الدین کے لکھو اور علوم ظاہری میں اس کی مدد کرو۔ یہ بشارت پاتے ہی قاضی صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔ زمین کی طنابیں کھچ گئیں اور بیک چشم زدن قاضی صاحب اوش میں حضرت خواجہ بزرگ کی خدمت میں پہنچے قطب الدین کی سرو پیشانی پر بوسہ دیا تختۂ تعلیم ہاتھ میں لیکر پوچھا "اے قطب الدین کیا لکھوں" کہا لکھئے سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ قاضی صاحب نے کہا صاحبزادہ

یہ تو پندرھواں پارہ ہے فرمایا میری مادر معظمہ کو پندرہ سیپارے حفظ ہیں جب میں شکمِ مادر میں تھا ان کی شب کی عبادت و تلاوت میں یہ تعلیم الٰہی مجھے بھی پندرہ پارے یاد ہو گئے قاضی صاحب نے کہا آپ کے آثار ولایت تو شکم مادر سے عیاں ہیں اچھا سنائیے اس طفل نے پندرہ پارے فر فر سنا دئے۔ قاضی صاحب نے سورۂ بنی اسرائیل سے آخر تک لکھ کر دئے اس ولی مادرزاد نے چار روز میں پندرہ پارے حفظ کر لئے قاضی صاحب نے کہا یہ سعادت میرے حصے میں تھی حالانکہ تم تعلیم یافتہ علم الٰہی ہو اب میں رخصت ہوتا ہوں پھر جب خدا چاہے گا ہمارا تمہارا ساتھ ہوگا۔ چنانچہ دہلی میں بعہد سلطنت حضرت سلطان شمس الدین التمش بحکم حضرتِ خواجہ بزرگ آپ نے اقامت فرمائی حضرت قاضی حمید الدین ناگوری آخر وقت تک آپ کے ہم صحبت رہے اور حق ولایتِ باطنی ادا کیا اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمۃ اللہ علیہ سے باوجود حق استادی خرقہ خلافت باطنی حاصل کیا حتیٰ کہ حسبِ وصیت آپ کے پائین میں مدفون ہو کر قیامت تک کا ساتھ اختیار کیا۔ الغرض قاضی صاحب نے حضرت خواجۂ بزرگ کے حوالہ کیا اور رخصت ہوئے۔ حضرت خواجۂ بزرگ نے

بنظر تربیت و تعلیم تخم محبت و معرفت اس یتیم کے دل میں بو کر وہاں سے کوچ فرمایا علوم ظاہری کی تعلیم حضرت قطب الدین نے حضرت شیخ ابو حفص سے پائی۔ علم دین آداب شریعت انہیں سے حاصل کئے بعد اس کے بتوفیق ازلی و بواسطہ موانست روحی بغداد پہنچکر مسجد ابو اللیث سمرقندی میں حضرت خواجۂ بزرگ کے شرف قدمبوسی سے پانچویں رجب ۵۱۱ھ میں مشرف ہوئے کلاہِ ترکی عنایت ہوئی اور ملازمتِ صحبت کا حکم ہوا۔ اس وقت دربار حضرت شیخ اوحد الدین کرمانی اور شیخ برہان الدین چشتی اور شیخ محمد اصفہانی وغیرہ کو ہر ایک کامل و اکمل ولی زمانہ تھے حاضر تھے سب نے قطب کے حال پر شفقت و بخشش کی اور انواع و اقسام کی نعمت و برکت مرحمت فرمائی۔ بائیس برس ملازم خدمت و صحبت رہکر مرتبۂ مردان خدا کو پہنچے اور قطب الاقطاب کا خطاب دربار خواجہ سے عطا فرمایا گیا۔

القصہ جب حضرت خواجۂ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ مع چالیس ہمراہیوں کے عازمِ ولایت ہند ہوئے۔ دمشق۔ شادمان بلخ۔ بخارا۔ بدخشاں۔ غزنیں۔ قندھار وغیرہ ہوتے ہوئے ملتان پہنچے وہاں سے مشائخ و صوفیائے کرام سے مستفیض و مستفاض ہوتے ہوئے لاہور میں نزول اجلال فرمایا۔

انہیں ایام میں حضرت خواجہ علی ہجویری عرف داتا گنج بخش وفات فرما چکے تھے اس وقت راجہ اجمیر پتھورا عرف پرتھی راج ہند کے عظیم القدر کے حکمرانوں میں تھا دہلی۔ اجمیر اور گجرات وغیرہ دور دور تک اُس کی حکومت پھیلی ہوئی تھی انتظامِ مملکت داری - فنون سپہگری وشہسواری اور جمیع آداب شاہی اور علومِ حکمت ونجوم وغیرہ سے بخوبی ماہر تھا۔

اجمیر اور اس کی وجہ تسمیہ

اجمیر کی آبادی جیسا کہ زمانہ موجودہ ہے اور روضۂ منورہ خواجہ بزرگ کہ اب اندرونِ شہر واقع ہے اُس وقت گوشۂ جنوب و مغرب پہاڑوں کے وسط میں قلعہ تاراگڈھ کے دامنِ غرب رویہ واقع تھا چنانچہ اس وقت کی شہر پناہ کے نشان اب تک جا بجا پہاڑوں پر موجود ہیں۔ روضۂ منورہ بھی بیرونِ شہر تھا بلکہ ایک محلہ موجودہ اندر کوٹ کے نام سے اسی سمت پہاڑوں کے درمیان اب تک آباد ہے جس کی وجہ تسمیہ شہر پناہ کے اندر ہونیکی گواہی دیتی ہے حالانکہ اب وہ بیرونِ شہر شمار کیا جاتا ہے اس محلہ میں فقط مسلمان آباد ہیں اور اندر کوٹی کہکر پکارے جاتے ہیں اس میں ایک مسجد

بنام ڈھائی دن کا جھوپڑا حضرت کے زمانہ ورود کے قریب کی ہے جس کو سلطان شمس الدین التمش نے بتخانہ منہدم کر کے ڈھائی دن میں اس کو مسجد بنایا تھا۔ یہ ایک بڑا المباد الان ہے جو سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے۔ بہتر ستونوں پر استادہ ہے بیچ میں ایک جانماز اور منبر سنگِ مرمر کا بنا ہوا ہے اس کے ستونوں اور چھت میں بے مثل گل کاری کی ہوئی ہے۔ اجمیر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آجا ایک راجہ کا نام ہے جو قدیم زمانہ میں تمام بلادِ ہند پر قابض تھا اور میر ملک کی زبان میں پہاڑ کو کہتے ہیں چونکہ یہ آبادی اُس زمانہ میں بالائے کوہ اُسی کے زمانہ میں واقع ہوئی تھی مرکب ہو کر آجامیر نام ہوا دونو الف کثرتِ استعمال سے حرف علت تو تھے ہی حذف ہو کر اجمیر نام پڑ گیا۔

قبل تشریف آوری خواجہ بزرگ رائے پتھورا کی والدہ جو علم نجوم وسحر میں یکتائے روزگار تھی حضرتِ خواجہ کی آمد سے رائے پتھورا کو مطلع کر چکی تھی کہ اتنے زمانہ کے بعد ایک مرد صاحب کمال فقیر صورت اس ملک میں آئے گا اور وہی تیری عزت و دولت کے لئے باعث زوال ہوگا۔ آخر وہی ہوا حضرت کا اجمیر میں نزول اجلال ہونا اور جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا کا عملی ثبوت

ظاہر ہوگیا جب سے حضرت لاہور سے روانہ ہوئے تھے پرتھی راج کو حضرت کے کمالات - خوارق عادات - قدرت - ہمت - زہد اور روحانی کراماتوں کے روزانہ پرچے گذرتے تھے - اپنی والدہ سے بھی سن چکا تھا حضرت کے یہاں تشریف لانے سے اس کو پورا وثوق اپنی بربادی حکومت و تباہی کا ہوگیا آخر یہ تدبیر سوچی کہ جیپال جوگی سے جو سحر و طلسم میں یکتائے روزگار تسلیم کیا جاتا تھا - اور جس کا یہ بڑا معتقد تھا مدد و ہمت طلب کرے -

جیپال اجمیر و پشکر کے پہاڑوں میں رہتا تھا - علم مجاہدہ و کمالات قدرت سے بھی بے بہرہ نہ تھا اس کے ڈیڑھ ہزار چیلے تھے جن میں کے سات سو چیلے ہر ایک طلسم و جادوگری میں یگانۂ آفاق تھا - جیپال جوگی سے پرتھی راج نے حضرت کی تشریف آوری کی خبر دیکر خواہش کی کہ جس طرح ہوسکے سحر و جادو سے ان قلیل مسلمانوں کو یہاں سے نکال دے یا ہلاک کردے - جیپال نے راجہ کی منت و سماجت سے اثر لیکر اس کی تسلی و تشفی کی اور دوسرے روز اپنے شاگردوں اور راجہ کو مع خدم و حشم لیکر حضرت خواجہ سے مقابلہ و مجاہدہ کو نکلا - کہتے ہیں کہ اس وقت جیپال نے زور سحر ہرن کے چمڑے پر آسن لگائے ہوا میں معلق اڑتا ہوا چلتا تھا - یہ مقابلہ جو جیپال جوگی کا

حضرتِ خواجہ کے ساتھ ہوا اس کو معرکۂ جیپال کے نام سے مشہور کرتے ہیں۔ مونس الارواح سیر الاقطاب میں بھی اسی نام سے ذکر کیا گیا ہے۔

حضرتِ خواجہ بزرگ علیہ الرحمہ نے جیپال کی آمد کی خبر پاکر اپنے گرد دور تک حصار کھینچا اور ساتھیوں کو حکم دیا کہ اس حصار سے کوئی باہر نہ جائے۔

جیپال نے اپنے شاگردوں کو جو سحر و ساحری میں یکتائے روزگار تھے حکم دیا شاگردوں نے منتر پڑھکر لکھو کھا سانپ اور بچھوؤں سے تمام پہاڑ و جنگل بھر دئے۔ بعض نے پتھر برسانے شروع کئے خیال تھا کہ مسلمان ہماری ان شعبدہ بازیوں سے ہلاک ہو جائیں گے اور ہم راجہ کے سامنے عزت و دولت سے کامیاب ہوں گے۔ حضرتِ خواجۂ بزرگ نے جو حصار جبر دست خدائے بزرگ و برتر کی حفاظت میں تھے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ ان سانپوں اور بچھوؤں کو پکڑ کر بے خطر پہاڑوں کی طرف پھینکدو اصحاب نے تعمیل کی قدرتِ خدا سے جہاں وہ سانپ بچھو جس پہاڑ یا میدان میں گرتے تھے درخت ہو کر اُگ آتے تھے۔ کہتے ہیں کہ درخت چیڑ اول اور برنہ جو اس نواح میں بکثرت موجود ہے یہ حضر

خواجہ بزرگ ہی کے کرامت کا نتیجہ تھا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت
خواجہ نے ایک بچھو کو اپنے ہاتھ سے دفن کر دیا تھا وہ درخت ہو کر
زمین سے نکلا کژدم و مارگزیدہ کو اس کی لکڑی اکسیر کا حکم رکھتی تھی
وہ درخت خاص آستانہ شریف میں شرقی جانب روضۂ مبارک کے
روبرو پانچ چھ برس قبل تک موجود تھا۔ حاجتمند منتیں مان کر دودھ سے
اس کو سینچا کرتے تھے وہ خشک ہو کر گر گیا اس کی جگہ برنے کا دوسرا
پودا لگا دیا گیا ہے۔

ساحروں کا جب یہ جادو بھی کارگر نہ ہوا تو آگ برسانی شروع کی
وہ بھی بقدرت خدا حصار کے پاس سے واپس ہو کر انہیں ساحروں کو
جلاتی تھی فَغُلِبُوا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوا صَاغِرِينَ یعنے وہ ہارے
اور بھاگے۔ یہ حال دیکھ کر جیپال کی رگ حمیت متحرک ہوئی حضرت
کے سامنے آیا اور کہا "شاہ جی ابھی تک تمہیں کام ان لوگوں سے
پڑا تھا وہ مقابلہ نہ کر سکے اب مجھ سے واسطہ ہے سنو! میرا نام
جیپال ہے اگر اپنی جان عزیز ہے تو یہاں سے چلے جاؤ نہیں تو
آسمان پر چڑھ کر اس قدر بلائیں اور آفتیں تم پر نازل کرونگا کہ تم عاجز
ہو جاؤ گے اور مجھ سے جان چھڑانا مشکل ہو جائے گا۔ حضرت مسکرائے
اور فرمایا اللّٰہ

تو کار زمیں را نکو ساختی	کہ با آسماں نیز پرداختی

یہ سن کر اجیپال نے سانپ کی طرح بل کھا کر ہرن کی کھال ہوا میں اُڑا دی اور بزور سحر جست کر کے اُس پر جا بیٹھا اور آسمان پر اڑنا شروع کیا اتنا بلند ہوا کہ لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گیا حضرت نے اپنی نعلین کی طرف اشارہ کیا کہ تو بھی جا اور اس کے سر کی خبر لے اور نیچے اُتار کر لا مخلوق تماشائی تھی کہ نعلین معلق ہوا میں اڑی جا رہی تھی یہاں تک کہ اجیپال تک پہنچی اور اس کی سرکوبی کرتی ہوئی نیچے لائی اجیپال عاجزی کے ساتھ حضرت کے قدموں میں آ کر گرا آپ نے رحم سے کام لیکر اس کا قصور معاف فرمایا اور تھوڑا پانی اس کو پلایا جس سے کدورت شرک و کفر اُس کے دل سے دور ہو گئی سچے دل سے کلمۂ طیب پڑھکر مسلمان ہوا آپ نے اس کا نام عبداللہ رکھا اور فرمایا کہ جو آرزو ہو بیان کر اجیپال نے عرض کیا میرے مولا اللہ والے مجاہدہ و ریاضت کر کے فقر میں مقام عالی حاصل کرتے ہیں مجھے بھی اس میں سے کچھ حصہ عنایت ہو۔ فرمایا یہ مرتبہ بے صحبت فقرا خودی و خودبینی چھوڑے بغیر حاصل نہیں ہوتا عرض کیا حضور کی توجہ مجھے ناکام نہ رکھے گی۔ آخر حضرت کی نظر کیمیا اثر نے

اس کو خاک سے پاک کر کے اس مقام پر پہنچا دیا جہاں بڑے بڑے مرتاض و مجاہدہ کرنے والے بھی نہ پہنچ سکتے تھے۔

اولیا را ہست قدرت از الٰہ	تیر جستہ باز گردانند ز راہ

اجمیر کے پہاڑوں اور جنگلوں میں رہنمائی کی خدمت پر مامور فرمایا بعد اس کے حضرت نے شیخ محمد یادگار کو حکم دیا کہ میرے قیام کے لئے کوئی جگہ دیکھ آؤ حسب الحکم شیخ نے شادی دیو کے قیامگاہ کے قریب جگہ پسند کی جہاں اب روضہ منورہ ہے۔ حضرت نے یہاں آکر راجہ پتھورا کے پاس اپنے اصحاب کو بھیجکر دعوتِ اسلام کی اس پر آپ کی دعوتِ اسلام کا کچھ اثر نہ ہوا۔

گلیم بخت کسے را چو بافتند سیاہ
باآب کوثر ہر گز سفید نتواں کرد

آخر اس کا تاج و تخت بمدد باطنی حضرت خواجہ سلطان شہاب الدین غوری کے ہاتھ سے تاراج ہوا اب حضرت خواجہ کے اخلاق حسن نے عام اہل ہند کے دلوں پر قبضہ کیا اور آپ کی بزرگی و جلالت کا سکہ بیٹھیا ہر قوم و ہر مذہب کے لوگ کمال عقیدت و اخلاص سے حاضر ہونے لگے اور آپ کے انفاس قدسیہ سے برکات حاصل کرنے لگے چنانچہ آج تک وہی طریقہ جاری ہے

اور جب تک خدا کو منظور ہے جاری رہے گا۔ وہی حسن عقیدت ہر طبقہ ہنود کو آپ کے ساتھ ہے جیسا اہل خلوص مسلمانوں کا اعتقاد حضرت کی نسبت ہے اسی ادب و نیاز سے حضور میں حاضر ہوتے ہیں اور اپنی حاجتوں کے لئے منتیں اور نذریں پیش کرتے ہیں بلکہ اکثر رؤساء اہل ہند کیا نواب اور کیا راجگان خواہ ہندو ہوں خواہ مسلمان۔ اہل گجرات ہوں یا مالوہ۔ باشندگان دکن ہوں یا پنجاب۔ ساکنین افغانستان ہوں یا بنگالہ۔ اہل بمبئی ہوں یا کلکتہ سب اس دربار کے عقیدتمندوں کی صف میں دست بستہ کھڑے نظر آتے ہیں بلکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بعض امور میں عقیدۃً اہلِ ہنود کو مسلمانوں پر بھی ترجیح ہے۔

قلعہ تاراگڑھ

قلعہ تاراگڑھ کی بنا سمت ۶۱۴ میں راجہ آجا نے ڈالی تھی جس کا ذکر اس کی قبل کی تاریخوں میں کیا جاچکا ہے سمت ۶۲۱ میں یہ قلعہ تیار ہوا (سب سے پہلے ہندوستان میں یہی قلعہ تعمیر ہوا ہے) چونکہ یہ قلعہ راجہ نے اپنے بیٹے تارا کے زیر نگرانی بنوایا تھا اسلئے اس کا نام تاراگڑھ رکھا گیا۔ اس کی بلندی ۲½ کوس بتائی جاتی ہے

اس قلعہ کی فتح کے متعلق مختلف خبریں ہیں بعض کہتے ہیں کہ
سلطان شہاب الدین غوری کے زمانہ میں فتح ہوا اور حضرت
میراں سید حسین خنگ سوار قلعہ دار تصور کئے گئے بعض کہتے ہیں
کہ حضرت میراں نے اس کو اپنی قوت بازو اور روحانی کرامت سے
فتح کیا اور اس کے لئے بعض بعض ثبوت بھی پیش کئے جاتے ہیں
مثل اس کے کہ خنگ کی ٹاپ کا نشان یا ایک بہت بڑے پتھر کا
بزور سحر اوپر سے آنا اور حضرت کا اس کو راہ میں روحانی قوت
سے روکنا۔ اس پتھر میں دو انگلیوں اور چابک اور گھوڑے کے
دو گھٹنوں کا نشان جو اتبک موجود ہے وغیرہ۔

بہرحال حضرت میراں کا حضرت خواجہ کے وقت اُس قلعہ کا
قلعدار ہونا ہر طرح سے ثابت ہوتا ہے۔ قطب الدین ایبک
(جو سلطان شہاب الدین غوری کی طرف سے دہلی کا بادشاہ تھا)
کے انتقال کے بعد کسی راجہ نے بیشمار لشکر کے ساتھ تاراگڑھ پر
حملہ کیا اور کمندوں اور نردبانوں کے ذریعہ سے قلعہ پر پہنچکر
شب خون مارا سردار قلعہ حضرت میراں سید حسین خنگ سوار
اور اُن کے عم بزرگوار سید وجیہہ الدین مشہدی (خسر حضرت
خواجہ غریب نواز) اور اُن کے تمام اصحاب باصفا شہید ہوئے

اور قیامت تک اس قلعہ پر اپنا قبضہ رکھا۔ حضرت خواجہ غریب نواز
کو جب یہ خبر پہنچی گریاں و نالاں سر و پا برہنہ قلعہ تاراگڑھ پر تشریف
فرما ہو کر ہر ایک کو بعد ادائی نماز دفن کیا۔ حضرت میراں خنگ سوار
کو جس مقام پر ان کی لاش پائی گئی بلندی کوہ پر دفن کیا اور
ان کے چچا حضرت سید وجیہہ الدین مشہدی (اپنے خسر) کو
اس بلندی سے کچھ نیچے جنوب کی جانب معہ کثیر شہدا علیحدہ
علیحدہ بہ ترتیب دفن کیا۔ اب وہ مقام گنج شہیداں کے نام سے
مشہور ہے۔ نہایت پر فیض و متبرک مقام ہے گرد چہار دیواری کا
پختہ احاطہ ہے اور خاص مزار شریف کے گرد سنگ مرمر کی جالی
کا عمدہ کٹہرا بنا ہوا ہے۔ حضرت کے مزار مبارک کے برابر جو شہدا
کے مزار ہیں وہ برابر برابر ایک ہی قسم کے اور ایک ہی صف میں
ہیں کہا جاتا ہے کہ آج تک ان کی صحیح گنتی نہیں ہو سکتی تخمیناً
چالیس قبریں ہیں۔ آستانہ نہایت بابرکت اور بارونق ہے۔
ارادتمندوں کا ہر وقت مجمع رہتا ہے۔ زائرین کی عقیدت و
ارادت کی وجہ سے عمدہ عمدہ عمارتیں مثل بلند دروازہ۔
نقار خانہ محفل خانہ اور دالان وسیع و مرتفع و مساجد وغیرہ
اعلیٰ پیمانہ پر بنی ہوئی ہیں۔ اٹھارویں رجب کو ایک دن

رات یہاں حضرت کا عرس ہوتا ہے نزدیک و دور سے جوق
جوق لوگ آتے ہیں صوفیئہ کرام کا خاص طور پر مجمع ہوتا ہے۔
محفل سماع کے درمیان فاتحہ ہوتی ہے۔ چونکہ حضرت میراں کا عروسی
کے زمانہ میں شہید ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ اس لئے عرس کے
موقع پر تمام رسمیں شادی کی ادا کی جاتی ہیں کٹہرے کے چاروں
طرف مہدی کا لگانا کنگنے کا باندھنا وغیرہ۔

مشہور ہے کہ ۸ ماہ رجب کو بوقت ظہر کنگنا خود بخود کھل کر نیچے
کی طرف ڈھلک پڑتا ہے جس کو خصوصیت کے ساتھ اہل ہنود
لوٹتے ہیں اگر مسلمانوں سے کوئی دست اندازی کرتا ہے تو
اسی وقت اس کو سزا ملتی ہے مصارف آستانہ کے لئے تین
گاؤں سلطنتِ مغلیہ کے زمانہ سے وقف معافی ہیں۔

اس پہاڑ پر ایک چھاونی بھی ہے جس میں کچھ فوجی افسر
اور فوج رہتی ہے۔

یکشنبہ

۸ ربیع الثانی - ۱۳ فروری - ۱۱ فروردی

حسب ایماء ہز اکسیلنسی

ہم متھرا کو جارہے ہیں۔ اچھنیرا کے اسٹیشن سے ایک تار بنام
تعلقدار پرتورکو دئے جانیکا حکم دیا ۹ بجکر ۵ منٹ پر متھرا کنٹونمنٹ
پر ہماری گاڑی پہنچی ہمارے سیلون علحدہ کرکے سائڈنگ میں

پہنچائے گئے۔ کسی قدر ترشح ہو رہا تھا۔ ابر محیط آسماں تھا۔ کل کی رام چولے جو ہمارے خاندان کا پانڈا ہے اسٹیشن پر موجود تھا۔ گاڑیاں تیار تھیں میری بڑی رانی محل راجہ گنگا پرشاد بیکنٹھ باشی جو میری نانی ہوتی ہیں نیز دیگر زنانہ اور خدمتیوں کو ساتھ لیکر بسرام گھاٹ پر اشنان کرنے کو سوار ہوئیں فراشوں اور راجہ پلٹن کا پہرا۔ راٹھوروں کا پہرہ اور پردہ والوں کو پہلے ہی سے بھیجا جا چکا تھا۔ غبار صاحب (منتظم پیشی) کو سواریوں کے ساتھ جانے کا حکم دیا۔ تین بجے اشنان دیو جا وپن دان سے فرصت پاکر سواریاں واپس آئیں۔ سو برہمنوں کو بھوجن کرایا گیا۔

ابر ابھی تک محیط آسمان ہو رہا ہے سرد ہوا کے جھونکے سرد مہری دکھا رہے ہیں ایک تو ترشح دوسرے ہوا سرد اسٹیشن پر کوئی محفوظ مقام نہیں۔ غبار صاحب کے اس انتظام سے میں نہایت خوش ہوا کہ چند خیمے کرایہ سے منگوا کر استاد کرائے جس میں تمام کیمپ کو بیحد آرام ملا۔

متھرا کے نامی گرامی حالات

یہ شہر جمنا کے کنارے آباد ہے اور ہندوستان کے قدیم مشہور معبدوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ سری کرشن جی جو ہندو مذہب کے بڑے فلاسفر اور اوتار (مظہر حق) ہیں اسی شہر میں پیدا ہوئے تھے اسی وجہ سے ہندو اس کو نہایت مقدس سمجھکر زیارت کی غرض سے آتے ہیں اسے مہاراجہ رام چندر کے زمانہ میں مدھوبن بھی کہتے تھے اس لئے کہ راجہ مدھو جو چندربنسی نسل میں کا حکمراں تھا۔

چار پانچ ہزار سال پہلے یہ مقدس زمین بوسہ گاہ عالم تھی اور رہے گی اور مہاراج سری کرشن کے فیض قدم سے ہر ہندو کا ہی یہ قول نہیں بلکہ جو محض اللہ والے ہیں اور جن کی چشم بصیرت نے کفر و اسلام کو زلف و روئے یار سے تشبیہ دی ہو وہ بھی سمجھتے تھے اور یہی کہتے آئے ہیں اور کہتے ہیں اور کہے جائیں گے کہ

	بر زمینے کہ نشان کف پائے تو بود سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود	

اے پوتر بھومی متھرا کی ہم بھی خاک کے پتلے ہیں اور تو بھی خاک ہی
مگر ہم تجھے پرنام کرتے ہیں اور تیرا بوسہ لیتے ہیں اور تیری خاک
کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناتے ہیں تیری عزت کرتے ہیں اگرچہ
پاؤں سے تجھ پر چلتے ہیں مگر تجھکو سر پر ملتے ہیں اور تجھکو کیمیا جانتے
ہیں۔ کس لئے؟ صرف اس لئے کہ تجھ پر سری کرشن جلیا پرماتما
کا اس ایشور سروپ چلا ہے۔ پھرا ہے اور اپنے قدموں سے
تجھ کو شرف بخشا ہے اور تو نے ان کے چرنوں کے بوسے
لئے ہیں تجھ میں جو کچھ اپوترائی تھی وہ پوترائی سے بدل گئی
تو خاک تھی مگر اس کیمیاگر وحدت نے اپنے قدمِ کیمیا اثر سے اکسیر
بنا دیا دھن تیرے بھاگ۔

اے متھرا آج ہم بھی تیرے درشن کو آئے ہیں اور درشن کر کے
تجھے پرنام کرتے ہیں تیری خاک کو اپنے جسم کا بھسم بنا کر ملتے ہیں
صرف اس لئے کہ تو کرشن بھگوان جیسے ایشور کی قدمبوسی سے
مستفیض ہو چکی ہے اور اس کے فیض قدم نے تجھ کو پوتر بنا دیا ہے
پس جو شئے پوتر ہوتی ہے وہ مجھ جیسے پاپی کے دھبہ کو جو اپوتر
ہے پوتر کر دیگی۔ اور یہ مٹی ٹھکانے لگ جائے گی پس اس کے
سوا اثر ہی اور کوئی عظمت نہیں اور نہ تو اترانا کہ تجھ میں کوئی خاص

گن ہے۔

تاریخی حیثیت

حضرت مسیح سے چار سو برس پیشتر پیروان بدھ مذہب کا یہ مرکز تھا
اُن کی بیس خانقاہیں یہاں ایسی تھیں جن میں بدھ مذہب کے
تقریباً تیس ہزار متی اور راہب رہا کرتے تھے چنانچہ ان کی بعض
یادگاریں اب تک متھرا کے گرد و نواح میں موجود ہیں اسلامی تاریخ
میں سب سے پہلے متھرا کا ذکر محمود غزنوی کے حالات میں ملتا ہے
تاریخی حیثیت سے شہر متھرا سومناتھ کے بعد تمول میں ممتاز تسلیم
کیا جاتا تھا۔ یوں تو تمام ہندوستان باعتبار تمول و دولت کے
مالامال تھا اُن عمارات سے جو اس وقت تک باقی ہیں معلوم ہوتا ہے
کہ اُس زمانے کے مورخین کے بیان میں مبالغہ نہیں ہے اس تمول کا
سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ دیسی راجاؤں میں جب باہمی لڑائیاں
ہوتیں تو اُن کا اثر اسی قدر ہوتا تھا کہ دولت ایک حکومت سے
دوسری حکومت میں چلی جاتی تھی لیکن ملک کے اندر رہتی تھی
برخلاف اس زمانے کے کہ ملک کی ہر قسم کی پیداوار باہر جارہی ہے
۱۰۲۴ء میں سومناتھ میں محمود غزنوی نے ایک حیرت انگیز

عمارت دیکھی جس کے (۵۶) ستونوں پر سونے کے موٹے موٹے پتر جڑے ہوئے تھے اور ان کے بیچ میں جواہرات مقام نقش کے گرد ہزارہا سونے اور چاندی کے بت تھے اور مندر کے وسط میں ایک عظیم الشان بت تھا جس کے جسم پر بے انتہا جواہرات جڑے ہوئے تھے اس مندر کے عملے میں دو ہزار برہمن ۔ پانسو ناچنے والیاں اور تین سو باجہ بجانے والے تھے ۔ سومناتھ کی لوٹ سے دولت جو محمود غزنوی کو ہاتھ لگی اس کا اندازہ پندرہ کرور کا ہے جو اس زمانہ کے لئے بہت ہی بڑی رقم ہے ۔

متھرا کا مول بھی اس سے کچھ کم نہ تھا چنانچہ جس وقت محمود متھرا میں داخل ہوا تو اس شہر کی شان وشوکت کو دیکھکر حیرت میں آگیا وہ لکھتا ہے کہ :۔

"اس عجیب وغریب شہر میں ایک ہزار سے زیادہ عمارتیں سنگ مرمر کی ہیں جو نہایت مضبوط ہیں اگر ان عمارات کی لاگت کا اندازہ کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ ان کی تعمیر میں کئی کرور دینار صرف ہوئے ہیں اس کے ساتھ ہی ایسا شہر دو سو سال سے کم میں تیار نہیں ہو سکتا مجھے یہاں طلائے خالص کے پانچ بت ملے جن کی آنکھیں پچاس ہزار کی قیمت کے

لعلوں سے بنی ہوئی تھیں ایک دوسرے بت کے جسم پر نیلم تھا
جس کا وزن چار سو مثقال تھا اور خود بت اٹھا نوے مثقال
طلائے خالص سے بنا ہوا تھا دس بارہ چاندی کے بت بھی
تھے جو اسی قدر اونٹوں کے بار تھے "

آج وہی متھرا ہے جس کی حالت بتا رہی ہے کہ وہ اپنی حالت کا
نوحہ خوان ہے نہ اس کی پہلی سی رونق ہے نہ عمارت کی شان
وشوکت اس وقت اس کی آبادی ستر ہزار کے قریب ہے
جس میں ہندو بکثرت اور مسلمان بہت تھوڑے ہیں ۔

از نقش و نگار و در و دیوار شکستہ
آثار پدیداست صنادید عجم را

اس شہر کے چار دروازے ہیں۔ ہولی دروازہ۔ دیگ دروازہ
بھوت پور دروازہ۔ بندرابن دروازہ۔ چار مندر جو سب سے
بڑے اور مشہور ہیں حسب ذیل ہیں :۔

(۱) سیٹھ لکھمی چند کے مندر میں دوارکا ناتھ کی مورتی ہے۔

(۲) رنگا سامی کا مندر۔

(۳) قدیم مندر جس کے بانی کا نام معلوم نہیں اس میں بھی
دوارکا ناتھ کی مورتی ہے۔

(۴) ایک اور مندر ہے جس میں گوپی ناتھ کی مورتی ہے
ان کے علاوہ چھوٹے بڑے قریب ساڑھے پانچہزار کے
مندر ہیں۔ یہاں چوبیس گھاٹ بنے ہوئے ہیں جس میں
بسرام گھاٹ پر زیادہ مجمع رہتا ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں
کرشن جی نے کنس کے مارنیکے بعد بسرام کیا تھا۔ رام گھاٹ
شام گھاٹ۔ گوبند گھاٹ۔ بین مادھو گھاٹ۔ گیا گھاٹ۔
پراگ گھاٹ۔ کنکر چھیتر۔ بھیرون گھاٹ۔ جوگ گھاٹ وغیرہ ہیں
بسرام گھاٹ سے واپسی پر جب چوک سے سیدھے چلے جائیں
تو بیرونِ شہر ایک جگہ کڑہ آتی ہے اس کا طول آٹھ سو فیٹ
اور عرض ساڑھے چھ سو فٹ ہے وسط میں ایک ٹیکرے پر
شہنشاہِ عالمگیر کی مسجد بنی ہوئی ہے۔ کہتے ہیں کہ پہلے یہاں
ایک مندر تھا سنگِ سرخ کی دیوار جواب تک موجود ہے وہ
اسی مندر کی یادگار ہے۔ عالمگیری مسجد بالکل ویران ہے
سنا ہے کہ عیدین کی نماز کے وقت البتہ اچھی رونق ہوجاتی ہے
یہاں ٹیلے بھی بہت ہیں جو اپنے اپنے نام سے مشہور ہیں ٹیلہ
بل ٹیلہ جہاں راجہ بل کو بھگوان نے دھوکا دیا ہے کنس کا
یہاں بھگوان نے کنس کو مارا ہے سیت اشی کا ٹیلہ۔ جہاں

جہاں ساتوں رشیوں نے مل کر ہوم کیا ہے وغیرہ - مہادیو کے چار مندر ہیں - وسط شہر میں ایک مسجد ہے جس کو جامع مسجد بھی کہتے ہیں یہ مسجد بھی عالمگیر کے زمانہ کی ہے -

ایک باغ بیرون شہر جانب شرق جمنا کے کنارے (جمنا باغ) کے نام سے مشہور ہے یہ باغ سیٹھ لکھمی چند کا بنایا ہوا ہے سیٹھ لکھمی چند باعتبار تمول و دولت کے ہندوستان بھر کے بیوپاریوں میں ممتاز اور اول درجہ کا تسلیم کیا گیا ہے - اس باغ میں ایک کوٹھی نہایت شاندار اور بیش قیمت فرنیچر سے آراستہ ہے -

یہ حالت جو ہم لکھ رہے ہیں حال کی ہے - قدیم متھرا جو چار پانچ ہزار سال پہلے تھا اس کی تصویر دکھلانے کیلئے الفاظ کا سرمایہ ناکافی ہے اُن شاندار عمارتوں کی جگہ اب صرف اونچے اونچے ٹیلے اور جابجا کچھ کھنڈر یا کچھ دیواروں کے آثار پائے جاتے ہیں جو زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں ؎

لیکے داغ آئے گا سینے پہ بہت اے سیاح
دیکھ اس شہر کے کھنڈر و نہیں بجانا ہرگز

اس قدیم و جدید آبادی کے درمیان دریائے جمنا حد فاصل کی طرح واقع ہے یہ وہ جمنا ہے جس کو مہاراج سری کرشن جیسے اشنان کے

بحر وحدت کے چرنوں نے پوتر کر دیا ہے اس کا پانی وہی معمولی اور دریاؤں کا ناؤں کا سمندر کے پانی کی طرح ہے مگر اس کو سب ہندو ہی نہیں سالک حقیقت بھی عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں کیوں دیکھتے ہیں؟ صرف اس لئے کہ اس کو عزت دینے والا بہت بڑا بیراگ بحر وحدت کا ہے اور جس کی بدولت لکھو کھا بلکہ ان گنت گمراہ صراط المستقیم کی منزل کو پہنچے۔ یہ وہ مقدس ذات ہے جس کی ہدایت کی بدولت وہ ارواح جو اس نفس عنصری میں آکر خواہشات نفسانی کی بدولت گندے ہو گئی تھی اُن کو پاک کر دیا۔ اس لئے ہم بھی اس پوتر جل کو آنکھوں سے لگاتے ہیں اور اس کی عزت کرتے ہیں سب کے ساتھ ہاتھ بٹاتے اور بیرنام کر کے دعا کرتے ہیں کہ "ہے جمنا تیری جے ہے"

یہ دریا اب سے پچیس تیس برس پہلے ایک مواج اور عمیق دریا تھا لیکن اب نہروں نے اس کے زور و شور کو بالکل گھٹا دیا ہے سوائے موسم بارش اکثر اوقات پایاب ہو جاتا ہے تاہم گھاٹوں کے قریب چھوٹی چھوٹی کشتیاں سیر و تماشا کیلئے موجود رہتی ہیں جس سے منظر کی ایک دلفریب شان پیدا ہو جاتی ہے

ظاہر بیں نگاہوں میں اس دریا کے پایاب ہونے کا بھی سبب تھا جو اوپر لکھا گیا یعنی نہروں کے نکلنے نے اس کو پایاب کر دیا۔ لیکن ؎

مشاطہ را بگو کہ براسباب حسن یار
چیزے فزوں کند کہ تماشا بما رسید

اصل سبب اس کا ارباب معرفت و حقیقت کے لئے اور ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ جبکہ مہاراج سری کرشن اس عالم ناسوت میں آئے تو کنس کے خوف سے آپ کے والد بزرگوار آپ کی حفاظت کی خاطر بندرابن لیگئے جس وقت آپ کے والد بزرگوار جمنا پار ہونے کی غرض سے اترے تو دریا کو جوش ہوا اور اس قدر پانی بڑھنے لگا کہ آپ کے والد کو اندیشہ ہوا کہ کہیں دریا اس گوہر شب چراغ کو بہانہ لیجائے۔ لیکن دریا صرف مظہر راحت مہاراج سری کرشن کے قدمبوسی کی خاطر جوش میں آیا تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب اس آشنائے بحر وحدت کی قدمبوسی کی تو پھر پایاب ہوگیا۔

بعض لوگ ایسی باتوں کو خلاف از قیاس ضرور سمجھتے ہوں گے مگر نہیں نہیں قدرت کی ہر بات کی کنہ حقیقت کو

انسان پہنچ نہیں سکتا بہت سی باتیں ایسی ملیں گی کہ انسان
کی سمجھ سے بالا ہیں مگر قدرت اس پر قادر ہے اور قدرت
اسی کا نام ہے جس پر دوسرا قادر نہ ہوسکے بجز ایک پرماتما کے۔

وہ بھی کیسی رات ہوگی کہ چندربنسی کے چاند کو جس کے پہلے
کئی جگر کے ٹکڑے مہارانی دیوکی اور مہاراجہ باسدیو کے کنس ظالم
کے پنجۂ اجل میں گرفتار ہو کر بھینٹ ہو گئے۔

اخاہ یہ چاند کا ٹکڑا جس کو آج والد بزرگوار سری واسدیو مہارانی
دیوکی گود سے چھپا کر اور کنس کے خوف سے گھبرائے ہوئے
جان کی حفاظت کرنے کیلئے اپنے لختِ جگر کو دوسرے کی گود
میں ڈالنے جا رہے ہیں مگر مہاراج واسدیو کو یہ خبر ہی نہیں کہ کون
کس کی حفاظت کرتا ہے اور کس کی طاقت ہے کہ دشمن کے مکر اور
ظلم سے کوئی بچ سکے مگر وہی اس ننھی سی جان کو اپنی حفاظت میں
لیکر بڑا کرے گا اور یہی چاند ایک روز غضب الٰہی کی صورت
میں برق بنکر کنس ظالم کا قاتل بنے گا اور اسی چاند کے ہاتھوں سے
کنس کا سر گیند کی طرح ٹکرا کر پاش پاش ہوگا۔ ہاں دیکھو کہ یہاں
کی حفاظت کس نے کی موسیٰ علیہ السلام کو دشمن کے گھر میں
کس نے پرورش کیا۔ یونس علیہ السلام کو مچھلی کے شکم میں کس نے

محفوظ رکھا کیا کوئی دوسرا تھا؟ نہیں وہی ایک تھا اور وہی ایک ہے اور وہی ایک رہے گا۔

آؤ مہاراج کرپاندھی۔ دینبدیال۔ من موہن۔ ڈنڈوت ہے تمکو نمسکار ہے تمکو۔ قدمبوسی ہے تم کو۔ دیا کرو۔ کرپا کرو بانہہ گہے کی لاج رکھو آؤ من کے مندر میں براجو۔

	آجا پیارے نین میں پلک موند توہے لوں نا میں دیکھوں اورن کو نا توہے دیکھن دوں	

یہ کرشن بھی تمھارا داس اور تمھارے نبس کا انس رکھتا ہے دیا کرو میرے کرشن مہاراج متھرا کے پیڑے۔ کھرچن۔ بندر اور چوبے ضرب المثل ہیں یہاں کے چوبے کھانے میں مشہور ہیں جو لوگ جاترا کو آتے ہیں وہ کوشش کرتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو ان کو لڈو پیڑے پیٹ بھر کھلائیں اس غرض سے یہ لوگ (چوبے) بھنگ کے نشے میں اکثر مست رہتے ہیں تاکہ زیادہ خوراک کھاسکیں۔

شہر سے دو میل کے فاصلے پر انگریزی چھاؤنی ہے بھوت پور وغیرہ ریاستوں کا ناکہ ہونیسے فوج کی زیادہ تعداد اسمیں رہتی ہے۔

۹ ربیع الثانی ۱۴۔ فروری ۔ ۱۲۔ فروری ۔ دوشنبہ

حوائج ضروری سے فارغ ہو کر کچھ کاغذات معائنہ کئے ۹ بجے

گاڑیاں منگوائی گئیں اور میری دونوں رانیاں مذہبی فرایض بجالانیکے لئے بندرابن کو سوار ہوئیں۔ سوائے اور خدمتیوں اور پہروں کے بشیر الدین حسامی اور ثاقب صاحب بھی ساتھ گئے ہیں گیارہ بجے اپنے خدمتیوں کے ساتھ بسرام گھاٹ پر اشنان کو گیا مگر سردی کی وجہ سے اشنان سے تو ہاتھ دھوئے البتہ بزرگو (مہاراجہ نرندر بہادر جد بزرگوار۔ راجہ رام بخش جد والا۔ مہاراجہ چندو لعل جد معظی۔ راجہ ہری کشن والد اور والدہ۔ راجہ دھیراج جد اعلیٰ) کے نام چھے گئو دان دئے اور پانسو روپیہ سنکلپ کر کے ایکہزار چوبوں کو بھوجن کرانیکا حکم دیا۔

گئو دان کے متعلق مذہبی عقاید کی رو سے یہ کہا جاتا ہے کہ پل صراط پر یہ گائے روح کو پار اُتارے گی جس کا مذہب جو بیان کرے اس میں کسی کو بحث اور اعتراض کرنیکا حق نہیں ہے مگر ہاں میں اتنا ضرور کہونگا جس کو پرماتما نے دنیا میں ہاتھی گھوڑا پالکی۔ نالکی سواری کیلئے دی ہو اور اس عزت وشان سے روح کے مرکب کو یعنے اس وجود کا افتخار بڑھایا ہو اور وجود فی نفسہٖ ایک ایسا بدل مرکب ہے اُس راکب یعنے روح کا کہ جس کا بدل ہو نہیں سکتا تو ایسی منزہ روح کو پل صراط کے پار اترنے کے لئے

گائے کو مرکب بنائے اعتقاد اگوئی سمجھے کہ معصیت کی سزا ہو
مگر درحقیقت گئو دان کا اعلیٰ مقصد یہ ہے کہ ایک گائے اگر کسی
کے گھر میں ہو تو اس کے دودھ سے کل نفوس پرورش پاتے ہیں
اور اس کی اولاد سے زمین وغیرہ مزروعہ ہوتی ہے انہیں مقاصد کے
لحاظ سے گائے دان کو جس نے مذہبی قانون کے دفتر میں
شریک کرکے اس کی تعریف و توصیف میں سبز باغ دکھایا ہے
اور اس کی ضرورت کو واجب گردانا ہے بڑی دانشمندی کی تھی
اور اس فقیر نے بھی اگر گائے کی خیرات کو اس موقع پر جائز رکھا تو
نہ صرف اس نیت سے کہ میرے آباواجداد کی روح اس کے
ذریعہ سے پل صراط کے پار ہو جائے گی بلکہ اس غرض سے
کہ جس کو یہ گائے دیجاتی ہے وہ اس کے بال بچے اور کنبہ جب
اس سے فائدہ حاصل کریں تو اُن ارواحوں کی مغفرت کیلئے
خدائے پاک سے دعا کریں تاکہ دعا ان کے ساتھ ہو اور اُس خدائے
برتر کا کرم بیڑا پار لگا دے۔
وہاں سے سری کرشن منڈپ۔ رادھا کشن کی دیول۔
جنم استھان سری کرشت۔ کنس استھان۔ وہنس استھان۔
نوگرہ کے مندروں میں گیا۔

یہ تبخانے عقیدتمندوں کی دلی عقیدت کی جیتی جاگتی تصویریں ہیں اب نہ وہ بنوانے والے ہیں نہ بنانیوالے - البتہ صانع حقیقی ابدالآباد سے ہے اور رہے گا جو درحقیقت ستایش کا سزاوار اور معبود حقیقی ہے - تین بجے کے قریب واپس آیا چھ بجے کے قریب بندرابن سے سواریاں بھی آ گئیں -

بندرابن کے حالات

یہ قصبہ متھرا سے ۶ میل کے فاصلے پر جمنا کے کنارے آباد ہے قدیم زمانہ میں متھرا اور بندرابن کی آبادی ایک تھی زمانہ کی تفرقہ انداز رفتار نے تفرقہ ڈالدیا - اس مقام میں سری کرشن جی گوپیوں کے ساتھ یہاں راس کیا کرتے تھے - ایک دفعہ گوپیوں کے کپڑے اٹھا کر جس درخت پر آپ چڑھ گئے تھے اس کے آثار اب تک باقی ہیں - اس قصبے کو جو تقدس ہے وہ سری کرشن جی کے باعث سے ہے -

افسوس ہے کہ اس مقام کو نادان اور جہلا نے ایسے مقدس اور آشنائے بحر وحدت موحد عارف کی عیش گاہ مشہور کر دیا ہے مقام عبرت ہے - اول تو یہ کہ جس سن میں سری کرشن یہاں

گوپیوں کے ساتھ راس کیا کرتے تھے اس وقت ان کی عمر تخمیناً گیارہ بارہ برس کی تھی جو سن بلوغ سے بھی کم ہے پس قبل از بلوغ ایک ایسی مقدس ذات کے لئے عیاشی کا دھبہ لگانا مقام عجب ہے۔ ایسے سمجھنے والوں سے خدا سمجھے۔ جبکہ ہم خود اپنے بزرگوں کی کسرِ شان کرتے ہیں تو دوسری اقوام اگر ایسی بیہودہ باتوں پر نکتہ چینی کریں تو اعتراض کا موقع نہیں۔

متھرا سے بندرابن تک ریل جاری ہے اسکے سوا اور گاڑیاں بھی بکثرت چلتی رہتی ہیں۔ متھرا کی طرح بندرابن میں بھی بکثرت اور بعض نہایت شاندار مندر ہیں قصبہ کا کوئی کوچہ کوئی محلہ ایسا نہ ہوگا کہ جہاں ایک آدھ مندر نہ ہو۔ سب سے بڑا مندر سڑک کے کنارے مہاراجہ جیپور کا بنایا ہوا ہے۔ اس کی عمارت سنگ سرخ کی ہے اور کام نہایت نفیس ہے مگر اس وقت یہ مندر ویران پڑا ہے سرکار کی طرف سے ایک چوکیدار اس کی حفاظت پر مامور ہے یہاں سب سے بڑے چار مندر ہیں۔

(۱) سیٹھ لکھمی چند کا مندر اس میں رنگناتھ سامی کی مورتی ہے اس کی عمارت سنگ سرخ اور سنگ مرمر کی ہے اس میں ایک بہت اونچی لاٹ بنی ہوئی ہے جو دور سے دکھائی دیتی ہے

اس پر سونے کا کام کیا ہوا ہے دروازے نہایت خوشنما اور شاندار ہیں انتظام کے لئے ملازمین بڑی بڑی تنخواہوں کے ہیں یکے بعد دیگرے پانچ دروازے ہیں ہر دروازے کے اندر اتنا وسیع صحن ہے کہ پانچ پانچ سات سات ہزار آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ اندر جانے کے دروازے زنانے و مردانے علیحدہ علیحدہ ہیں - مورتی کی جگہ کے خاص ستون طلائی ہیں۔

(۲) لالہ بابو کلکتہ والے کا مندر- اس میں کرشن چندر جی کی مورتی ہے اس کی عمارت بھی قابل دید اور نہایت شاندار ہے -

(۳) شاہ بہاری لال خزانچی لکھنو کا مندر ہے اس میں سری دیوی رادھا جی مہارانی کی مورتی ہے یہ عمارت خوشنما ہے اس میں ایک کمرہ بسنتی کمرہ کے نام سے مشہور ہے جس میں نہایت بیش قیمت شیشہ آلات و فرنیچر بسنتی رنگ کا سجا ہوا ہے تکلف اسقدر ہی کہ ملازمین کا لباس بھی یعنے لنگی- کرتے اور شملے بسنتی رنگ کے ہیں-

(۴) برہم چاری مہاراج گوالیاری کا مندر ہے اس میں ہنس گوپال- رادھا گوپال کی مورتیں ہیں یہ مندر بھی قابل دید ہے -

چار مندر قدیم زمانہ کے بھی نہایت مشہور اور متبرک ہیں۔

(۱) سیوا کنج اس میں بھگوان شب کو نواس کرتے ہیں پھولوں کی سیج آراستہ کی جاتی ہے۔ رات کو کوئی پجاری تک وہاں نہیں ٹھہرتا۔

(۲) کالی یہاں راجہ کرشن چند نے کالی کو مارا ہے۔

(۳) گھاٹ یہی وہ مقام ہے جہاں گوپیوں کے کپڑے لیکر سری کرشن جی درخت پر چڑھ گئے تھے یہ ایک گھاٹ کی صورت میں ہے وہ درخت موجود ہے مگر جمنا ہٹ گئی ہے۔

(۴) نانکی بہاری یہ بھی قدیم مندر ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی مندر ہیں جنکی تعداد تقریباً پانچہزار کے ہے یہاں بھی بارہ گھاٹ ہیں۔ یہاں سری کرشن جی نے گوئیں چرائی ہیں۔ پنڈوں اور چوبوں کی تعداد یہاں بھی متھرا سے کم نہیں۔

یہ وہ مقدس زمین ہے جہاں جسودا بائی کے پالک تو نظر سخت جگر نے کالی کملیا کاندھے پر ڈالکر گوئیں چراتے ہوئے۔ توحید کی بانسری بجا بجا کر سب کے دلوں کو موہ لیا تھا۔

یہ وہ ستیاپتی تھے جس نے ہندوستان کی آریہ بھومی کو اپنے قدموں سے عزت دی اور جس کی بدولت اس آریہ ورت کے

ظالم۔ فاسق۔ عیاش اور ناخداترس تاجداروں کی بیخ و بنیاد کو ہمیشہ کیلئے
اکھاڑ کر پھینکدیا اور عدالت قایم کردی اور جس نے ارجن جیسے کرشن
بھگت کو عین جنگ میں معرفت کے وہ وہ نکات اور کثرت و وحدت
کے کرشمے دکھاکر میدانِ رزم کو جلوہ گاہِ قدرت بنادیا اور جنگی نقشوں کی
اپنے وجود اور ارواح کے مقابل معرفت سے وہ وہ موشگافیاں کیں
کہ ہر متنفس اس جنگ کو اپنی روحانی جنگ کا یعنی اپنے نفس و وجود
اور ارواح کی جنگ سمجھکر مرنے کو معراج اور مارنے والیکو نفس کش
پہلوان سمجھتا تھا۔

ہاں! یہ وہ زمین ہے جہاں اُس خدا کے مخلص بندے
اور پیارے نے گوؤں کے ساتھ تمام زمین کو اپنے قدموں کا
جلوہ گاہ بنادیا جو اُس وقت سے ابتک بوسہ گاہِ خلایق ہے۔

جب میں اُس زمین پر پہنچا تو قدرتی طور سے میرے دل پر
ایک ایسا گہرا اثر پڑا کہ بے اختیار میری آنکھوں سے آنسو رواں
ہوگئے اور مہاراج کی سوانح عمری کا وہ حصہ جو خصوص اس جنگل میں
بادیہ گردی کرکے درختوں کے آسرے میں وحدت کی بانسری
بجاتے تھے میری آنکھوں کے سامنے پھر گیا اور غیبی نغمے اور
ترانوں کے تصور نے دل پر وہ کیفیت پیدا کردی کہ میں قلم کی

نقاشی سے حروف کی تصویر میں اصلی پیکر کو نہیں بتا سکتا۔

اے بندرابن کی مقدس زمین زہے سعادت تیری اور خہے عزت تیری کہ تو نے کس کے پاؤں چومے اور کس نے تجھکو اپنے قدموں سے پاک کیا۔ آہ کیا ہم بھی تجھ پر پاؤں سے چلیں نہیں نہیں؟ بلکہ ہم کو چاہیئے کہ سر کے بل چلیں مگر اے بندرابن کی پرتھوی تو نہ اترا ناکہ تجھ میں کوئی خاص صفت ہے بجز اس کے کہ تیرے شکم سے ببول بڑ اور پیپل وغیرہ درخت اُگیں نہ تو اکسیر ہے کہ محتاج تجھ سے مستفیض ہوں یا اندھے تجھے سرمہ بنائیں مگر ہاں سری کرشن جیسے وحدت کے کیمیاگر کے طفیل میں تو آنکھوں کا سرمہ بنانے کے قابل ہے۔ وہی سری کرشن جس کا راستی تمغہ تھا اور عشق الٰہی ایمان جس کی بہادری تیغ تھی جس کی ایمانداری سپر تھی جس کا دھرم تاج تھا جس کا عدل تخت تھا جس کا مذہب معرفت بیشک زہے سعادت ہے ہماری اے یہاں کی خاک کہ تجھکو اکسیر سمجھکر اپنے جسم پر ملیں کہ یہ اکسیر ہے اور اکسیر جس طرح لوہے کو سونا کر دیتی ہے یقین ہے کہ مصداق ؎

	بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم	

یہ خاک بھی پاک ہو گی اے سلام ہے تجھ سے رخصت ہوتے ہیں

پھر کبھی تیری زیارت سے مشرف ہو کر سعادت حاصل کرینگے۔

۱۰ ربیع الثانی - ۱۵ فروری - ۱۳ فروردی - سہ شنبہ

آج میں صبح کو بیدار ہوا۔ رانیاں گوکل کو جس کو مہابن کہتے ہیں مذہبی فرائض بجالانے کے لئے سوار ہوئیں۔ بشیر الدین حسامی ثاقب صاحب اور پہرہ والے وغیرہ ہمراہ گئے۔

گوکل

یہاں سب سے مشہور برانند گھاٹ ہے جہاں کرشن جی نے مٹی کھائی ہے یہاں کا راستہ ناہموار اور نہایت خراب تھا۔ لیکن فی الحال بھگوان سنگھ نے جو تیس سال سے وہاں مقیم ہیں اپنی جانفشانی اور کوششوں سے چندہ فراہم کر کے سڑک بنوائی جس پر چارپل بھی ہیں دو گھاٹ بھی پختہ بنوائے ہیں ایک باغ بھی لگایا جس میں ایک چھوٹی مگر خوشنما کوٹھی ہے۔

اخاہ! گوکل کی پرتھوی کیسی سدھ اور پوتر ہے اس کا سب مہاتم مناتے ہیں کیوں؟ اس لئے کہ یہاں مہاراج واسدیو کی نور نظر جسودا کے لے پالک لخت جگر سری کرشن نے پرورش پائی ہے یہ وہ زمین ہے جہاں نند جی جسودا مائی کے شوہر یعنی پتی نے

سری کرشن مہاراج کی ولادت کی خوشی میں سری کرشن جیسے گوپی ناتھ نے گوپیوں کے ساتھ لیلا کیا تھا گوپیوں کے نام کے ساتھ ہی عیش پرست صورتوں کے منہ میں پانی بھر آیا اور فوراً اُن کا خیال منتقل ہوا ہو گا کہ ایک مقدس خدا رسیدہ اور مقبول پرا بکاری پرمیشور کا انس اوتار یعنی ہادی نے گوکل کو عیش گاہ بنا کر نعوذ باللہ عیاشی کی ہو گی تو یہ توبہ ایسا نہیں بلکہ سری کرشن نے جہلا کو تعلیم دی ہے کہ انسان دنیا کی ہر آسایش اور لذتوں کو محسوس کرتے ہوئے کس طرح اپنے دامن کو اس ناپائدار دنیا کے ناپاک دام سے بچا کر خدا کی یاد اور اُس کی عبادت میں مصروف و مشغول ہو اور یہ مسئلہ مانی ہوئی بات ہے کہ سری کرشن نے باوجود ہر طرح کی قدرت اور آسایش اور لذاتِ دنیوی مہیا ہو سکنے کے کس طرح اپنے کو بے لوث رکھا اور وقتاً فوقتاً نادان جہلا کو جو خود سری کرشن کو میدان عیاشی کا پہلوان سمجھتے تھے سبق دیا ہے کہ سب سے اوتم پریم ہے یعنی عشق۔ اگر عشق نہو انسان کے واسطے کوئی زینہ ایسا نہیں ہے کہ جلد آسانی سے منزل مقصود پر پہنچ سکے۔ درحقیقت سری کرشن مہاراج مظہر عشق تھے اَلعِشقُ نَارٌ تُحرِقُ مَاسِوَی اللّٰہ عشق ایک آگ ہے جو جلا دیتی ہے ماسوی اللہ کو بس اسی عشق کا سالک اور عارف اور محقق جو ماسوی اللہ کے جلانے کے واسطے پیدا ہوا ہو وہ

عشق میں مبتلا ہو کر خود ہی معصیت کی آگ میں جلے اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ
افسوس کہ اس مقام کو نادان جہلانے ایسے مقدس اور آشنائے
بحر وحدت مرسل سنیکلپ روپ - مہا آتما - گیانی محقق کا عشر تکدہ
مشہور کر رکھا ہے جو عبرت کا مقام ہے - اول تو یہ کہ جس سن میں
مہاراج گوپیوں سے لیلا کرتے تھے گیارہ بارہ برس سے زیادہ نہ تھے
جو سنِ بلوغ سے بھی کم ہے - پس قبل از بلوغ ایسی مقدس ذات کو
عیاش کہنا یا سمجھنا ایسے کہنے اور سمجھنے والے سے خدا سمجھے -

درحقیقت یہ مقام اُس مقدس بندۂ خدا کی سیاحت گاہ ہے ایک
خداترس عارف کو جو کثرت میں مشغول رہکر وحدت کی منازل کسطرح
طے کرنا چاہئیں اس کا سبق دیا گیا ہے گوپیوں سے مراد خواہشاتِ
نفسانی جنکو اس وجود کے ساتھ چولی دامن کا رشتہ ہے بچکر محو
عشق الٰہی رہنا اور دل بیارا اور دست بکار کیا چیز ہے اسکی تعلیم مقصود
تھی - مگر افسوس ہے کہ ہمارے ہندو بھائی بغیر سوچے اور سمجھے کے
اصل مقصد کی طرف تو رجوع نہیں ہوتے مگر نہایت بے باکی سے
اس امر کے فیصلہ کرنیکو طرفین کے لئے باعثِ فخر و مباہات سمجھتے ہیں
بے غل و غش ایسے اُولوالعزم پیمبر کو بھی عیاش بنا دیا ہے

	جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی	

یہ نہیں سمجھتے کہ نعوذ باللہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا خدا ایسا نہیں ہے
کہ اپنے نیک بندوں اور مرسلوں کو عیاشی کی تعلیم دے اور
معصیت میں مبتلا کرے۔
مجھے امید ہے کہ میرے ہندو بھائی میری اس آزادانہ تحریر کو
بداعتقادی پر محمول نہ کرینگے بلکہ انصاف کی نظر سے دیکھکر اگر حق
کہتا ہوں تو خوشنودی کا سارٹیفکٹ دیکر ممنون کرینگے۔
گوکل کی آبادی کے کنارے ایک قلعہ ہے جو نند مہاراج
یعنی سری کرشن جی کے والد کا بنایا ہوا ہے۔ اس میں سری کرشن کا
پالنا اور وہ مقام ہے جہاں کرشن مہاراج کے ہاتھ باندھے گئے ہیں
چوراسی کھمبا جس میں مہاراج کی چھٹی ہوئی ہے وہی مقام کھیلنے
کا بھی ہے اس جگہ وہی بلو نے تھے یہاں تحصیل اور منصفی بھی ہے
علی الصباح یکایک اور اچانک ایک خط پنڈت دیندیال شرما کا
ملا مجھے حیرت ہوئی کہ پنڈت جی صاحب یہاں کہاں فوراً اُن کے
خط کا جواب دیا اور دس بجے ملنے کا وقت مقرر کیا۔
میں ٹھیک نو بجے حضرت مخدوم شاہ صاحب کی زیارت کو گیا
ظہور علی خاں صاحب متھرا کے انسپکٹر ریلوے پولیس میرے ساتھ
تھے صاحب نہایت خلیق صوفی مشرب پاکیزہ خیال نوجوان ہیں

وہاں سے زیارت کر کے واپس آرہا تھا کہ پنڈت دینبدیال شرما سے ملاقات ہوئی میں اُن کو ساتھ لئے ہوئے کیمپ کو واپس آیا بہت دیر تک اُن سے باتیں کرتا رہا۔

محمد صدیق حسن منتظم انگریزی کو حکم دیا کہ میری سیلون بندرا بن جانیوالی ٹرین میں لگائے جانیکا انتظام کریں۔ تعمیل ہوئی بارہ بجے کی ٹرین میں میں راجچندر پرشاد اور سید برہان کو ساتھ لیکر بندرابن گیا پنڈت دینبدیال شرما اسٹیشن پر موجود تھے تہور علی خاں صاحب انسپکٹر ریلوے پولیس بھی آ گئے تھے وہ بھی میرے ساتھ شریک رہے وہاں کی جاترا سے فراغت پاکر سات بجے کی ٹرین میں واپس آیا

۱۱ ربیع الثانی - ۱۶ فروری - ۱۴ فروردی - چہارشنبہ

حوائج ضروری سے فراغت پاکر بعض کاغذات کا معائنہ کرتا رہا قریب (۹) بجے کے پنڈت دینبدیال شرما رائے رامناتھ صاحب انریری مجسٹریٹ جوشی یادواشیو پرکاش آنریری مجسٹریٹ - پنڈت بیجناتھ چوبے گوسوامی برجناتھ آگرہ ملاقات کو آئے میں نے اُن سے ملاقات کی پندرہ منٹ کے بعد رخصت ہوئے - آدھ گھنٹہ کے بعد پنڈت جی صاحب موٹر لیکر آئے اور میں راجچندر پرشاد کو ساتھ لیکر پنڈت جی صاحب کے ساتھ گوبردھن کو گیا وہاں کا صحرائی منظر اور اُن میں دو لوگ

شان پرماتما کی معرفت کے عرفان کا سبق دیے رہے تھے معلوم ہوتا ہے کہ فطرت نے اس حصے کو تمام مقامات متبرکہ سے ہمیشہ کیلئے علٰحدہ کر دیا ہے اور ایک خاص عزت سے سرفراز کیا ہے جو مٹائے نہیں مٹتا اور اس امتیازی عزت میں جس میں داخلی و خارجی اجزا شامل ہو گئے ہیں وہ خود اسی میں مستہلک ہو گئی ہیں ابتدا سے اس وقت تک یہ وہی متبرک اور پُر اسرار زمین ہے ۔ جس کا ذکر یہاں کی قدیم شاعری میں کیا گیا ہے ۔ میں وہاں کی تیرتھ سے سعادت حاصل کر کے دو بجے واپس آیا۔ شام کے چار بجے پھر پنڈت جی صاحب آئے اور میں اُن کے ساتھ (پرشاد) اَمجند کو ہمراہ لیکر گوکل گیا یہ وہ مقام ہے جس کی زمین کو ایک عارف کامل موحد یعنی مہاراج سری کرشن کی قدمبوسی کا شرف حاصل ہے

بر زمینے کہ نشان کف پائے تو بود	
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود	

یہاں کے حالات پہلے لکھ آیا ہوں ساڑھے سات بجے کیمپ کو واپس آیا ۔ ابر محیط آسماں ہے ترشح ہو رہا ہے سرد ہوا کے جھونکے سینے کے پار ہوئے جاتے ہیں متھرا کرۂ زمہریر بنا ہوا ہے ہر چیز کی گرد کو پانی نے دھو دیا ہے شب کو نہایت زور و شور سے بارش

ہوئی اولے بھی گرے تھے۔

۱۲ ربیع الثانی - ۱۷ فروری - ۱۵ فروردی پنجشنبہ

آج میں گیارہ بجے کی ٹرین میں آگرہ کو روانہ ہونیوالا ہوں۔ روانگی کے متعلق ضروری احکام جاری کئے۔ پنڈت دیندیال شرما ساڑھے آٹھ بجے آئے ان کے فرزند رائے ہرسری سروپ شاستری وکل کی رام چوبے کو ایک ایک روپیہ یومیہ کی سند دینے کا منتظم پیشی کو حکم دیا سردی زور پر ہے پونے بارہ بجے ہماری گاڑی اگرہ کو روانہ ہوئی اور ۲ بجکر ۴۵ منٹ پر آگرہ فورٹ کے اسٹیشن پر پہنچی۔ سیلون سائڈنگ پر پہنچائے گئے۔ غبار صاحب اور صدیق حسن دو گھنٹے کی اجازت لیکر شہر میں گئے۔

۱۳ ربیع الثانی - ۱۸ فروری - ۱۶ فروردی - جمعہ

حسب معمول حوائج ضروری سے فراغت پاکر گاڑی پر معہ بچوں کے سوار ہو کر صدر بازار کو گیا رامچندر پرشاد اور سید برہان بھی میرے ساتھ تھے۔ پاشا اینڈ کو کی شاپ میں آیل پینٹنگ کا کچھ سامان خریدا دو گھنٹہ کے بعد کیمپ کو واپس ہوا۔ پنڈت برجناتھ شرما جو آئے ہوئے تھے ان سے ملاقات کی اور خواہش کی کہ تاج محل کا ایسا انتظام کیا جائے کہ محلات کے جانیکے وقت وہاں کا تخلیہ ہو جائے۔

پنڈت جی صاحب فوراً جا کر تاج محل سے بابو سر رام کپور کو جو دفتر
باغات کے انچارج ہیں بلا کر لائے اور مجھ سے ملایا میں نے ان کو
بعض ہدایتیں کر دیں ارادہ تھا کہ آج سکندرہ جاؤں مگر طبیعت
کسی قدر کسلمند تھی شام تک کہیں نہیں گیا غبار صاحب (منتظم پیشی) نے
یہاں بھی مثل متھرا کے خیموں کا انتظام کیا جس سے اسٹیشن کے کھلے
مقام میں کیمپ کو بہت آرام ملا۔

۴ ربیع الثانی۔ ۱۹ فروری۔ ۱۷ فروردی شنبہ

آج میں صبح کو اٹھتے ہی پنڈت برجناتھ شرما کے ذریعہ سے چار موٹریں
بکرایہ طلب کر کے معہ محلات ساڑھے آٹھ بجے سکندرہ دیکھنے کیلئے
گیا (غبار صاحب منتظم پیشی) اور پنڈت جی صاحب میرے ساتھ تھے
راجہ پلٹن اور راٹھور وغیرہ کا پہرہ پہلے سے روانہ کر دیا گیا۔
ناظرین معاف کریں مقام کی مناسبت سے بیجا نہ ہوگا کہ اگر میں
شہنشاہ اکبر کی لائف پر کسی قدر تفصیلی روشنی ڈالوں۔
میں اس وقت جس مقام پر کھڑا ہوا ہوں جس کا روضہ میرے
پیش نظر ہے یہ شہنشاہ اکبر کی طرف منسوب ہے جس نے سلطنت
کی عمارت کو انتہائے بلندی تک پہنچایا اور بنیاد کو ایسا استوار
کیا کہ پشتوں تک جنبش نہ ہوئی حالانکہ اسی شہنشاہ کے آباواجداد نے

اس سلطنت کی بنیاد کو کمزور ستونوں پر اُٹھایا تھا۔

اس پر جبروت بادشاہ کی ابتدائی حالت پر اگر نظر ڈالی جاتی ہے تو نکبت و ادبار کی تاریکی چھائی ہوئی ہے ایسی حالت میں اسکی پرورش ہوئی کہ کسی کے وہم و گمان پر اس امر کا عکس بھی نہ پڑسکتا تھا کہ یہ ستارہ آسمانِ سلطنت پر آفتاب ہو کر چمکے گا۔

اکبر کی ولادت اور اسکی مصیبتیں

امیر تیمور نے ہندوستان کو زور شمشیر سے فتح کیا تھا مگر وہ ایک بادل تھا کہ گرجا برسا اور دیکھتے دیکھتے کھل گیا۔ بابر اس کا چوتھی پشت میں پوتا ہوتا تھا سوا سو برس کے بعد آیا اس نے از سر نو سلطنت کی داغ بیل ڈالی مگر اس نے عام روایات کی بموجب محبت پدری کے جوش میں اپنی جان بیٹے کی صحت پر قربان کی۔ ابھی اس کا لاڈلا بیٹا عروس سلطنت سے ہم آغوش بھی نہونے پایا تھا کہ پٹھانوں کی متفرق قوت شیر خاں سوار کی حوصلہ مندی کی شکل میں نمودار ہوئی ہمایوں کی اس وقت عجب حالت تھی سلطنت کو اگر دیکھو تو صرف چند شہروں پر محدود اور حکومت برائے نام تھی اور وہ خود اگرچہ اعلیٰ صفات انسانی سے آراستہ تھا مگر اس میں اصابت رائے کی

اور قوتِ فیصلہ کی جو قیام سلطنت کے لئے ضروری ہے کمی تھی۔ آخر شیر خاں کا اقبال بڑھا اور ہمایوں کا گھٹا اور بالآخر اس کو سلطنت سے ہاتھ اُٹھا کر فرار کو ذریعہ نجات سمجھنا پڑا۔ وہ وقت بھی عجیب بیکسی کا تھا۔ کبھی گھبرا کر بیکانیر و جیسلمیر کے صحرائے بے آب میں ٹکراتا پھرتا تھا اور کبھی ضعیف سی اُمید پر جودھ پور کے سنگلاخ میدانوں کی طرف بڑھتا تھا۔ مگر دغابازی دور ہی سے اپنا ڈراونا چہرہ دکھا کر قدم اکھاڑ دیتی تھی۔ ادبار کی گھٹا ہر طرف چھائی ہوئی ہر خون سفید ہو گیا ہے بھائی بھائی کے پہاڑ کھانے کو دوڑتا ہے برائے نام دوست بہت ہیں مگر دوستی کا وقت آیا اور انجان بنے۔ اُمید کی جھلکی بھی کبھی کبھی نظر آجاتی ہے مگر فوراً ہی مایوسی کے غبار میں غائب ہو جاتی ہے انتہا ہو گئی کہ جب راستہ میں اتفاقاً ہمایوں کا گھوڑا نذر اجل ہو گیا تو سخت دل تردی بیگ نے جو اس کے باپ کا رفیق اور خود اسکا مشیر تھا اس مصیبت زدہ بادشاہ کو اپنے اصطبل سے ایک گھوڑا دینے میں بھی انکار کیا جس کی وجہ سے اس کو اونٹ کی ناہموار سواری نصیب ہوئی۔ ظاہر ہے کہ ایک ترک کیلئے جو گویا ماں کے پیٹ سے نکلکر گھوڑے کی پیٹھ پر آنکھ کھولتا ہے اس سے بڑھکر کیا مصیبت ہو سکتی ہے مگر غنیمت ہوا کہ اس کے ایک رفیق صادق

ندیم خاں کو جو بیچارہ اپنی بوڑھی ماں کو اپنے گھوڑے پر سوار
کرکے خود پیدل جارہا تھا رحم آگیا اور اُس نے اپنا گھوڑا ہمایوں کی
نذر کردیا اور اُس کے اونٹ پر اپنی ماں کو سوار کیا۔ غضب یہ ہے کہ
حالت تو ایسی نازک ہورہی ہے کہ رونگٹا رونگٹا دشمن معلوم ہوتا
اور زمین و آسمان پہاڑ کھانیکو دوڑتا ہے مگر دشتِ غربت میں
ہمایوں کی چہیتی بی بی حمیدہ بانو بیگم بھی ساتھ ہے اور وہ بھی
اس شان سے کہ پورے دن ہیں اور ہر قدم پر خوف ہے کہ
کہیں یہیں تکالیف مادری سے مقابلہ نہ کرنا پڑے خیر خدا خدا
کرکے یہ بے نور قافلہ سندھ کے بے گیاہ جنگلوں کو قطع کرتا ہوا
امرکوٹ پہنچا اور وہاں پاؤں رکھنے کو جگہ بھی ملی مگر گرگ صفت بھائی
ہر طرف سے تاک میں لگے ہوئے تھے اس لئے بی بی کو وہیں چھوڑ کر
اُن کے مقابلہ کے لئے اس کو روانہ ہونا پڑا اس وقت حمیدہ بانو بیگم
کی جو حالت ہوگی وہ خدا دشمن کو بھی نصیب نہ کرے۔ نہ تن پر کپڑا
نہ پیٹ کیلئے کھانا۔ نہ کوئی مونس نہ غمخوار یہاں تک کہ شوہر بھی
سربازی میں مصروف اُس پر اجنبی ملک اور اجنبی لوگ۔ لیکن
جس طرح کہ عین کشش باراں کے زمانہ میں ہر طرف سے کالی گھٹائیں
اُٹھکر دم کے دم میں صحرائے بے گیاہ کو مرغزار بنا دیتیں یا دفعتہً

گھنگور اندھیرے میں دل بادل پھٹ کر دنیا کو آفتاب کی تیز شعاعوں سے منور کر دیتے ہیں یا جس طور پر ع

	ستارہ صبحِ عشرت کا شبِ ماتم نکلتا ہے	

اسی طرح بتاریخ ۵ رجب ۹۴۹ھ شب یکشنبہ وہ نیر برج سعادت طلوع ہوا جو آخر کو آفتاب ہو کر چمکا۔

اکبر جیسے عالم سراسیمگی میں پیدا ہوا تھا ایسی ہی بیچارگی میں اس کا بچپن بھی گذرا۔ ابھی پورا ایک برس کا بھی ہونے پایا تھا کہ مرزا عسکری کے دغا و فریب کے خوف سے ماں باپ کا ساتھ بھی چھٹا اور بے رحم چچا کے ہاتھ پڑا۔ مگر خدا بھلا کرے اس کی بی بی سلطان بیگم (اکبر کی چچی) اور اکبر کی دائیوں ماہم بیگم اور جی جی انگا کا کہ بچے کو کسی قسم کی تکلیف نہونے پائی۔ جب اکبر کی عمر دو سال سے کچھ اوپر ہوئی تو ہمایوں نے پھر کابل فتح کیا اور اس کو باپ کا دیدار نصیب ہوا مگر ابھی پانچ برس کا نہ ہوا تھا کہ پھر ظالم کامران کے ہاتھ پڑ گیا اور جبکہ ہمایوں قلعہ کابل کے محاصرے میں مصروف تھا ایک مورچے پر جہاں گولے بڑے زور و شور سے برس رہے تھے اس ننھی سی جان کو لقمہ اجل بنانے کیلئے سامنے بٹھا دیا گیا۔ مگر شاباش ماہم کی وفاداری کو کہ وہ اس کو اپنی گود میں چھپا کر مورچے

کی طرف پشت کرکے بیٹھ گئی۔ ایسی پریشانی و خانہ بربادی کی
حالت میں ظاہر ہے کہ تعلیم تو کیا کسی بات کا بھی انتظام نہیں ہو سکتا
اور اسی لئے اکبر باپ کے سایہ سے جدا ہو کر حرف آشنا بھی نہ ہو سکا
وہ ہر چند کہ لکھنا پڑھنا نہ جانتا تھا پھر بھی اپنے تجربے و فضل کے
کتّابے ایسے قلم سے لکھ گیا ہے کہ زمانہ کی پامال کن رفتار اور فلک
دوار کی گردشیں انہیں گھس گھس کر مٹاتی ہیں مگر وہ جتنا گھستے ہیں
اتنا ہی چمکتے ہیں اور ابھر ابھر کر دنیا کے لئے آئینہ ہوتے جاتے ہیں۔

اکبر نے جس طرح بیکسی کی گود میں پرورش پائی تھی اسی طرح
اس کی تعلیم و تربیت بھی مصیبت ہی کے مدرسے میں ہوئی اور
یہ اُسی کا نتیجہ ہے کہ ابتدا ہی سے وہ اعلیٰ صفات انسانی اس میں
پیدا ہو گئیں جو کشمکش حیات میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے لازمی
ہیں۔ بارہ برس آٹھ مہینے کی عمر میں وہ سرہند کی لڑائی میں شریک ہوا
اور ابھی چودہ سال کا سن بھی نہ ہونے پایا تھا کہ ہمایوں کی ناگہانی
موت سے اس کو یتیمی کا تمغہ اور سلطنت کا چتر ملا اور اُس نے
۲ ربیع الثانی ۹۶۳ھ کو تخت شاہی پر قدم رکھا۔ بادشاہ بچہ اور
سلطنت برائے نام تھی مگر بیرم خاں اتالیق کی وفاداری و کاردانی
ہر وقت آڑے آنے کے لئے موجود تھی بیرم خاں نے ابتدائی

معرکوں میں نہایت ہی خوش تدبیری سے کام لیا اور خوب ہی داد شجاعت دی۔ اسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ افغانی سازشوں کا استیصال اور ہندوستان کا ایک معتدبہ حصہ سلطنت مغلیہ میں داخل ہو گیا چار برس کی خود مختاری نے یا تو بیرم خاں کا سر پھرا دیا یا ترقی عمر کے ساتھ اکبر نے بھی پر پرزے نکالے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیرم خاں کے اقبال کا چراغ گل ہوا اور اکبر نے براہِ راست حکومت شروع کی۔

تقریباً بیس سال تک اکبر ہندوستان کے مختلف صوبوں کے فتح کرنے اور اپنے باغی اُمرا کی سازشوں کو توڑنے اور بغاوتوں کے فرو کرنے میں مصروف رہا یہاں تک کہ صوبۂ پنجاب و دہلی کے علاوہ جو اس کو میراث میں ملے تھے کابل۔ قندھار۔ کشمیر۔ سندھ میواڑ۔ گجرات۔ اودھ۔ بہار۔ بنگالہ۔ اڑیسہ۔ احمد نگر۔ مالوہ۔ خاندیس سب اس کے دائرۂ حکومت میں داخل ہو گئے۔ گویا کہ مغرب میں اُس کی سلطنت کا ڈانڈا ہندوکش سے ملا ہوا تھا اور مشرق میں خلیج بنگالہ سے اور اگر شمال میں کوہ ہمالیہ سے ٹکراتا تھا تو جنوب میں مغربی گھاٹ سے۔ یہ فتوحات نہ صرف اکبر کے جنرلوں کی خوش تدبیری و کاروائی کا نتیجہ تھیں بلکہ اُن میں پوری طور پر

اُس نے خود بھی اپنی دانائی، دور اندیشی، مستعدی، جفاکشی، شجاعت تیز ہوشی کا ثبوت دیا تھا جب کہ اس کے جنرل دور دراز مہموں پر مصروف ہوتے تھے اور وہ ذرا بھی اُن کو بے عنوانیوں کی طرف جھکتا ہوا دیکھتا یا اُن کی کوششوں میں سستی پاتا تھا تو دفعۃً بجلی کی طرح ایک ایک ہفتہ کی راہ ایک ایک دن میں طے کر کے اُن کے سر پر جا دھمکتا تھا۔ مالوہ گجرات اور بنگالہ کی یلغاریں آجتک اُس کی مستعدی و جوانمردی پر شہادت دے رہی ہیں اُس کی خداداد طباعی نے فنونِ جنگ کو جہاں پایا تھا وہیں نہیں چھوڑا بلکہ ان کی ہر ایک شاخ کو ترقی دی۔

اس زمانہ میں توپوں کے بنانے اور اُن سے کام لینے میں جس قدر ترقی ہوئی ہے وہ محتاجِ بیان نہیں ہے مگر اکبر اُس قدیم زمانے ہی میں اُس کی ضرورت سے واقف ہو گیا تھا اور اُس نے ایک ایسی توپ ایجاد کی تھی جو ایک نشانہ میں سترہ فیر کرتی تھی اور بعض ایسی توپیں بھی بنوائی تھیں جن کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ایک مقام سے دوسرے مقام کو آسانی سے لے جا سکتے تھے۔

اگرچہ دنیا کے عظیم الشان فاتحوں کی تاریخ میں بھی اکبر کو

اپنی مہموں کی کامیابی اور وسعت کے لحاظ سے ایک خاص امتیاز حاصل ہے لیکن جس چیز نے کہ دراصل اکبر کو اکبر بنایا وہ اُس کے جنگی کارنامے نہیں ہیں بلکہ وہ قوت مادیات سے گذر کر روحانیات تک پھیلی ہوئی ہے۔ اکبر نے ابتدا ہی میں مدرسہ مصیبت میں ایسی تعلیم نہ پائی تھی کہ وہ اپنے باپ کی تباہی اور کھڑے کھڑے ہندوستان سے نکالے جانے اور دربدر خاک بسر مارے مارے پھرنے سے نتیجہ خیز سبق نہ لیتا اور خواہ یہ صحیح ہو یا نہ ہو مگر کہا جاتا ہے کہ اُس کے باپ کو شاہِ طہماسپ صفوی نے ہندوستان کی واپسی کے وقت دو نصیحتیں کی تھیں ایک تو یہ کہ افغانوں کو تجارت میں لگائے دوسرے یہ کہ ہندوستان کی دیسی قوموں کو اپنا بنائے لیکن زمانے نے خود اُس کو بتا دیا تھا کہ اگر سلطنت کے استحکام کی کوئی تدبیر ہو سکتی ہے تو وہ یہی ہے کہ اُس کی بنیاد بجائے تلوار کی باریک دھار کے رفاہِ خلق اللہ کے ذریعے سے رعایا کے دلوں میں رکھی جائے چنانچہ پہلے ہی سال اُس نے ایسا حکم دیا جو انگلستان کی موجودہ ترقی کا راز ہے یعنی تجارت کو ہر قسم کے محصولات سے جو اُس کی ترقی کے مانع تھے آزاد کر دیا اور گو ابتدا میں اس کی کمسنی اور بدسست ویائی کی وجہ سے

اس کا پوری طرح پر نفاذ نہ ہوسکا لیکن جب عنان حکومت اُس کے ہاتھ میں آئی تو وہ اُس کو جاری کر کے رہا۔

تمام دنیا کے قانون کا یہ میلان رہا ہے کہ ابتدا میں نہایت سخت سزائیں چھوٹے چھوٹے جرایم کے لئے بھی تجویز کیجاتی تھیں لیکن جب تمدن میں ترقی اور قوم کی حالت صلاح پزیر ہوگئی تو سزاؤں میں بھی نرمی ہوئی ہندوستان میں بھی قدیم سے بعض وحشیانہ سزاؤں کا رواج چلا آتا تھا مثلاً ہاتھ پاؤں کاٹنا یا اندھا کرنا وغیرہ لیکن اکبر کی روشنضمیری نے سنہ ۷ جلوس میں ان سزاؤں کو قطعاً موقوف کردیا۔ اسی کے ساتھ غلاموں کی عام خرید و فروخت کی بھی قطعاً ممانعت کردی۔ اس کے دوسرے سال جاتریوں سے جو جابرانہ محصول لیا جاتا تھا اس کو موقوف کیا اور یہ گویا کہ پہلی مرتبہ اس امر کا اعلان تھا کہ ہر شخص اپنے معتقدات مذہبی کے لحاظ سے آزاد ہے اور اُن کے ادا کرنے میں کسی قسم کی روک ٹوک نہ ہونی چاہئے۔ سنہ ۸ جلوس میں جو خیال کہ کسی قدر دبی زبان سے ظاہر کیا گیا تھا اگلے سال خوب ہی زور و شور سے اُس کا اعلان کیا گیا۔ اکبر نے یہ ایسا کام کیا کہ جس نے فی الواقع حاکم و محکوم کی حیثیت سلطنت کے سامنے ایک کردی یعنی جزیہ

معاف کیا۔ چونکہ اکبر کا منشاء فاتح و مفتوح کا فرق اُٹھا کر اپنی سلطنت
کو گویا ہندوستان کی قومی سلطنت بناتا تھا جس کی اصلی ترقی
کے لئے ہندوؤں کی تیز ہوشی۔ جرأت اور ہمت کی بھی اسی طرح
ضرورت تھی جس طرح مسلمانوں کی کاردانی اور شجاعت کی اور
ملکی امن و اماں کی حفاظت اور توسیع میں ہندو بھی اسی طرح
حصہ لینے کے مستحق تھے جس طرح کہ مسلمان اس لئے جو امتیاز
کہ جزیہ کے ذریعے سے فاتح و مفتوح میں قایم کیا گیا تھا در اصل
باقی نہ رہا تھا۔ اکبر نے اس کو موقوف کر کے رعایا کے تمام
طبقوں کے مساوی ہونے کا اعلان کر دیا۔ گو کہ اکبر نے کبھی
ہماری فیاض گورنمنٹ کی طرح اس امر کا اعلان نہیں کیا کہ اُمور
سلطنت میں کوئی امتیاز خون یا رنگت یا مذہب کا روا نہ رکھا جائیگا
لیکن عملی طور پر وہ تقررات میں خواہ ملکی ہوں یا فوجی یا مالی۔
عبداللہ اور رامداس میں کوئی فرق نہ کرتا تھا یہاں تک کہ کوئی منصب
اور کوئی عہدہ ایسا نہ تھا جو ہندو مسلمان دونوں کے لئے یکساں
کھلا ہوا نہو۔ اُس کی بے تعصبی کا اس سے بڑھکر کیا ثبوت ہو سکتا ہے
کہ مان سنگھ کو خود صوبہ کابل کی گورنری کا اعزاز بخشا جہاں کی
آبادی بالکل مسلمان تھی اسی طرح مہمات فوجی اگر خان خاناں اور

اور خانِ اعظم کے سپرد ہوتی تھیں تو بیربل اور مان سنگھ کا درجہ بھی اُن سے کم نہ ہوتا تھا اور اگر معاملات ملکی و مالی میں مظفر خاں کے مشورے پر عمل کیا جاتا تھا تو راجہ ٹوڈر مل کی رائے اُس سے زیادہ وقعت کی نظر سے دیکھی جاتی تھی۔ اسی طرح اگر فیضی و ابوالفضل دربار کی زینت تھے تو بیربل بھی اکبر کے تاج کا ایک بے بہا جواہر تھا یہی وہ چیز تھی جس نے راجپوتوں اور برہمنوں کو سلطنت کا اس درجہ خیر خواہ بنا دیا تھا کہ وہ اپنے باغی ہم وطنوں اور ہم مذہبوں کے مقابلے میں لڑنے اور جان دینے میں تامل نہ کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کو رات دن یہی فکر رہتی تھی کہ وہ ہندوستان کی مختلف قوموں کو ایک کر کے ایک زبردست قومی سلطنت قایم کرے اور اسی لئے اُس نے قدیم راجپوت خاندانوں سے رشتہ داری کی بنیاد ڈالی کہ خاندانِ شاہی سے جو مغائرت تھی وہ یگانگی سے بدل جائے اور اسی غرض سے ۲۳ جلوس میں اُس نے عبادت خانہ فتحپور سیکری میں اُن قابل یادگار مذہبی مناظروں کو قایم کیا جن میں ہر قوم و ہر مذہب کے علما حصہ لیتے اور نہایت آزادی سے اپنے اپنے مذاہب کے اصول کی تشریح کرتے تھے ان مناظروں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکبر جو زیور علم سے خالی تھا اس میں بھی

خیال پر پہنچگیا جو خاص فلاسفروں کا حصہ ہے اور جہاں سے ہر مذہب کے ابتدائی اصول یکساں حقانیت کا رنگ لئے ہوئے آتے ہیں۔

غرض ملک و ملت کی ترقی و استحکام کے راز اسکی اصول سلطنت اور مدبرانہ روشن ضمیری سے وابستہ تھے اور اس میں اس کو تسلی بخش کامیابی حاصل ہوئی۔

آخر عمر میں نالایق اولاد نے اس مدبر۔ روشن دماغ اور پر عظمت بادشاہ کو بہت سے داغ دئے اور وہ اسی رنج و غم میں ۲۰۔ جمادی الاخر ۱۰۱۴ھ کو دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو سدھارا اور سکندرہ کے عالیشان مقبرے میں اپنے پر عظمت کارنامے ہمیشہ کے لئے یادگار چھوڑ کر دفن ہوا جہاں اسوقت میں کھڑا ہوا ہوں۔

میں ابھی اکبر کے حالات کے بیان میں اس قدر اضافہ کروں گا کہ اگرچہ اکبر میں چنگیز کی شجاعت اور اولوالعزمی۔ رشوک کی نیک نفسی اور انضباط قوانین اور وکرماجیت کی شان و شوکت اور قدر دانی علم و ہنر جمع نہ تھے لیکن اُس نے جس کام کی داغ بیل ڈالی تھی وہ ایک شخص کے بس کا نہ تھا اور چونکہ اس کے جانشینوں میں کوئی اس کا ہمخیال پیدا نہ ہوا اس لئے وہ پوری طرح بار آور نہ ہو سکا لیکن پھر بھی اکبر کی کوششیں بیکار نہ گئیں اور یہ انہیں کی برکت تھی

کہ ہندو مسلمان باوجود حکام وقت کی بے پروائی کے نہایت سلوک اور اتفاق سے کئی صدیوں تک رہے اور اب اس زمانہ میں بھی جبکہ اجزائے اختلاف ہر طرف سے جمع ہو کر ایک پرشور سیلاب کی شکل میں نمودار ہو رہے ہیں اور قومی اتحاد کی کشتی کو ڈبو دینے کے لئے بڑھ رہے ہیں اگر کوئی اُمید ہے تو انھیں کے نامِ مبارک سے ہے جو ہمارے بیڑے کو پار لگاتے ہیں۔ اسمِ اعظم کی تاثیر دکھانے کا شاید بعض خاندان چھوٹے ہوں ورنہ ہر ہندو خاندان میں ہندوستان کے اکبر کی صلحِ کل پالسی اور راج میں یک جہتی کی بدولت اکبر کے ساتھ رشتہ اور ناتے کا سلسلہ قائم ہوا اور یہ ابدالآباد رہے گا۔

بس اے ہندو مسلمانو خوابِ غفلت سے بیدار ہو اٹھو اور سکندرہ کی راہ لو تاکہ اس کے مقدس مزار پر اگر ہم دو پھول چڑھائیں تو اے ہندو بھائیو تم بھی تھوڑا پانی ڈالکر اس کی روح کو خوش کرو۔ کیا عجب ہے کہ اس کے فیضان سے ہمارے بے بنیاد اختلافات رفع ہو کر پھر یک جہتی کی صورت پیدا ہو جائے۔

یہ مقبرہ آگرہ سے چار پانچ میل متھرا کی سڑک پر ایک باغ کے وسط میں بنایا گیا ہے۔ باغ کی چار دیواری کے کونوں پر چار مینار بنے ہوئے ہیں شہنشاہِ اکبر کی اصل قبر تو نیچے کے تہ خانہ میں ہے مگر اس

دو منزلہ عمارت بنا کر قبر کا تعویذ چھت کی بلندی پر بنایا گیا ہے جو آسمان کے سائبان کے نیچے شان ایزدی دکھا رہا ہے مقبرہ کی عمارت سنگ سرخ اور سنگِ مرمر اور سنگ موسیٰ کی ہے اس میں مسلمانوں کی طرز تعمیر اور ہندوؤں کی قدیم طرز عمارت کا نہایت خوبی سے پیوند لگایا گیا ہے اس کی تعمیر کا زمانہ تقریباً سنہ ۱۶ء ہے یہ مقبرہ اکبر کی زندگی ہی میں شروع ہوا تھا مگر اس کا اختتام شاہ جہاں کے وقت میں ہوا۔

سکندرہ سے جب میں چلنے لگا تو پنڈت جی صاحب نے اطلاع دی کہ یہاں سے ایک میل کے فاصلہ پر کیلاس کا مندر ہے اُس کے بھی درشن کر لیجئے۔ "یہ مندر پرشرام جی کے زمانہ کا تعمیر کردہ ہے جو کہ انھوں نے اس وقت تعمیر کیا تھا جبکہ اپنے باپ کے حکم سے اپنی ماں کا سر کاٹ لیا تھا اس گناہِ عظیم کے دور کرنیکے لئے شیو جی کی استھاپنا کی تھی وہاں پر دو شیو جی ایک ہی جلہری (کنڈ) میں ہیں ایک پرشرام جی کے اور دوسرے اُن کے والد جمدگنی جی کے استھاپت کئے ہوئے ہیں بہت قدیم عمارت ہے"، میں معہ محلات وہاں کے درشن سے مشرف ہو کر موٹروں میں سوار ہوا اور براہِ راست معہ محلات تاج بی بی کے روضے پر گیا وہاں بابو سریرام کپور سے جن کو میں کل پردہ کے

متعلق ہدایتیں کر چکا تھا ملاقات ہوئی انھوں نے حسب دلخواہ محلات کیلئے دیکھنے کا انتظام کر دیا اور محلات نے اطمینان سے تاج بی بی کے روضے کا معائنہ کیا۔

اللہ اللہ اس وقت میں کہاں کس کے دربار میں موجود ہوں کس کی عمارت کو کیسی دلچسپی کی نظر سے دیکھ رہا ہوں کیا یہ وہی عمارت ہے جو دنیا کے عجائبات میں شمار کی گئی ہے؟ کیا اسی عمارت کے متعلق یورپ و امریکہ کے سیاحوں نے اپنا خیال ظاہر کیا ہے کہ "محض اس عمارت کے دیکھنے کے لئے ہندوستان کا سفر کرنا جائز ہے؟"

کیا یہ اسی بادشاہ کا باطنی دربار ہے جس کا شاہانہ جبروت غیر ملک کے سیاحوں کو حیرت میں ڈالنے والا تھا؟

کیا یہ وہی شاہجہاں بادشاہ ہے جو سولہ کرور کے تخت پر بیٹھکر حکمرانی کرتا تھا اور جس کی سلطنت کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ اسکی حد مغرب میں کوہ ہندوکش مشرق میں خلیج بنگالہ شمال میں کوہ ہمالیہ جنوب میں مغربی گھاٹ تک پہنچی تھی جس کے سامنے (۴۵) لاکھ باقاعدہ فوج پرے جمائے کھڑی رہتی تھی جس کی معمولی سواری کا جلوس میلوں اور کوسوں تک پھیلا ہوتا تھا نامناسب نہ ہوگا اگر میں اس موقع پر ایک فرانسیسی جوہری سیاح کا بیان لکھوں جو اسی بادشاہ

(شاہ جہاں) کے زمانہ میں وارد ہندوستان ہو کر بادشاہ کے دربار میں باریاب ہوا تھا۔ اس جوہری کو اجازت دیگئی تھی کہ کل شاہی جواہرات کو جانچے۔ اسی جوہری کا بیان ہے کہ شاہی قصر میں سات تخت میں نے دیکھے جو اعلیٰ درجے کے جواہرات سے بنائے گئے تھے ان میں سب سے بڑے تخت کی قیمت کا اندازہ اس جوہری نے سولہ کرور پانچ لاکھ روپیہ کیا تھا چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "جب میں دہلی کے قریب پہنچا تو ایک جنگل گنبدوں اور میناروں کا نظر آیا جس کے پیچھے ہندوستان کا نیلا ابر اور نیلا آسمان تھا شہر میں داخل ہونے کے بعد مجھے سیکڑوں محلات اور پرستان کی سی عمارتیں نظر آئیں جن پر انواع رنگ کے کام بنے ہوئے تھے جو اُن کے حسن و خوبی کی داستان کہہ رہے ہیں جب میں قصر شاہی میں پہنچا ہوں تو اس کا اندرونی حصہ اور اسکی پر تکلف خوشنمائی نہ آنکھوں نے دیکھی تھی نہ کانوں نے سنی تھی ستونوں محرابوں اور لداؤ کی چھت کے حاشیوں پر عجیب و غریب عربی حروف کی گلکاریاں رنگ برنگ کے قیمتی جواہرات جو سنگ مرمر میں جڑے ہوئے ہیں بنی ہوئی ہیں۔ آفتاب کی کرنیں جس وقت ان محرابوں سے ہو کر اس وحد میں لانیوالی پچکاری پر پڑتی ہیں تو ہمہ

معلوم ہوتا ہے کہ وہ پھولوں کے ہار جو سنگ زنگار اور مختلف اقسام کے جواہرات سے بنے ہوئے ہیں گویا زنخ ہو گئے۔ چونکہ مجھے ان عجائبات کو دیکھکر اس کے مالک اور بنوانے والے کے دیکھنے کا شوق تھا میں نے بادشاہ کے نماز کے وقت کو دریافت کیا۔ آخر وہ وقت بھی آیا جس کا مجھے انتظار تھا دفعتہً ہزاروں باجوں کی آواز سے معلوم ہوا کہ بادشاہ کی سواری قریب ہے شاہی قصر کے دروازے سے ایک غول کا غول خدمتگاروں کا نکلا جن کی کمریں زرین پٹکوں سے بندھی ہوئی تھیں پھر سپاہیوں کے پرے جن کے ہتھیار چمک رہے تھے ان کے بعد سیاہ فام غلام جن کے کانوں میں سونے کا حلقہ پڑا ہوا زرین پالکیاں اُٹھائے ہوئے اور ان پر مخمل کاشانی کے پردے پڑے ہوئے پھر ہندی اور ایرانی اور ترکمان سواروں کے بیچ میں جن کے فولادی پیش قبض مثل شعلے کے چمک رہے تھے ارکان سلطنت کے گروہ میں جن کا لباس سونے چاندی اور جواہرات سے چمک رہا تھا ایک عظیم الشان ہاتھی نہایت شان سے قدم اُٹھاتا ہوا دکھائی دیا اور اس کی ریشمی جھول زرین کار جس میں ہیرے اور زمرد جڑے ہوئے تھے خود بادشاہ بیٹھا ہوا نظر آیا یہ سارا گروہ اس شہنشاہ کے سامنے جو ظل اللہ

علی الارض اور پندرہ حکومتوں کا مالک ہی سجدہ کرتا ہے بادشاہِ ہندوستان یہی ہے اسی کے دونوں طرف ارکانِ سلطنت ہوں گے پروں کے چنور جو طلائی لمبی لمبی نقش کار موٹھوں میں لگے ہوئے اور جن پر موتی جڑے ہوئے تھے ہلا رہے ہیں اس ایشیائی تزک و احتشام پر جس کا رنگ ڈھنگ عقل کو چکر میں لاتا ہے اور جو حضرت مسجد میں آنے کی سواری کا مختصر جلوس ہے آفتابِ جہانتاب اپنی شعاعوں کا زرین منہ برسا رہا تھا“ آج وہ زیر خاک آرام کر رہا ہے فاعتبروا یا اولی الابصار **شعر**

لحد میں سوئے ہیں چھوڑا ہے شہ نشینوں کو قضا کہاں سے کہاں لے گئی مکینوں کو	

مگر میں قبل اس کے کہ تاج بی بی کے روضے کے متعلق کچھ لکھوں آگرہ کی آبادی پر تاریخی نظر ڈالتا ہوں۔ یہ شہر دریائے جمنا کے کنارے پر آباد اور دہلی قدیم کے بعد دوسرا شہر ہے جسے ہندوستان کا دارالخلافہ ہونے کی عزت حاصل ہوئی ہے۔ اس شہر کی ابتدائی آبادی سلطان سکندر لودھی کی یادگار ہے جس نے پندرھویں صدی عیسوی میں دہلی کے عوض اس کو ہندوستان کا دارالسلطنت قرار دیا تھا۔ مگر اس کی موجودہ صورت شہنشاہِ اکبر کی یادگار ہے

جس نے سنہ ۹۷۳ھ ۱۵۶۶ع میں اکبر آباد کے نام سے اسے فخر بخشا۔ اکبر جہانگیر اور شاہ جہاں کے زمانہ میں تقریباً سو برس تک یہ شہر ہندوستان کا پایۂ تخت رہا۔ آخر شاہ جہاں نے اس کی رونق اور پایۂ تخت ہونے کی عزت کو دہلی کی طرف منتقل کر دیا۔ مگر شاہ جہاں کا قیام چھ برس سے زیادہ دہلی میں نہ ہوا بیمار ہو کر آگرہ ہی میں آیا اور یہاں اورنگ زیب نے قید کر لیا۔ اٹھارھویں صدی عیسوی میں جبکہ مغلیہ خاندان ضعیف ہو گیا تو جاٹ اور مرہٹے اس شہر پر قابض ہوئے سنہ ۱۸۰۳ع میں تاج برطانیہ کے قبضے میں آیا اور کچھ عرصے تک ممالک مغربی و شمالی کے لفٹنٹ گورنر کا صدر مقام رہا آگرہ کے گرد دہلی کی طرح کوئی فصیل نہیں مگر شاہی زمانے کی چند ایسی شاندار اور اعجوبہ روزگار عمارتیں یہاں موجود ہیں کہ یورپ و امریکہ کے سیاح بڑے شوق سے ان کو دیکھنے آتے ہیں جن میں تاج بی بی کا روضہ۔ اعتماد الدولہ کا مقبرہ وغیرہ ہیں

تاج بی بی کا روضہ

ریلوے اسٹیشن سے مغرب کی طرف دو میل کے فاصلے پر تاج گنج (تاج بی بی کا روضہ) دریائے جمنا کے کنارے دنیا بھر کے سیاحوں کی خاص دلچسپی اور آگرہ کی شہرت کا باعث ہے۔ یہ روضہ شاہجہاں نے

اپنی چاہتی بی بی ممتاز محل کی یادگار میں ۱۶۳۱ء میں اس
ارادہ سے شروع کیا تھا کہ اس بےنظیر مقبرہ کا دنیا میں مثل نہ نکلے اس نے
مشرق کے تمام معماروں کو جمع کیا اور دور دور سے وہ نایاب اور بیش بہا
بیش قیمت پتھر منگائے جو اس عمارت میں لگے ہوئے ہیں کہتے ہیں کہ
اس کی تعمیر میں چھ کرور روپیہ صرف ہوا جس میں مزدوری کا حساب
نہیں۔ ایک فرانسیسی جوہری سیاح جو ۱۶۲۵ء میں ہندوستان میں
آیا تھا لکھتا ہے کہ "ہر روز بیس ہزار مزدور بائیس برس تک اس روضے
میں کام کرتے رہے اگر اس رقم کو تگنا بھی کر دیں تو اس خرچ سے
یورپ میں ایسی عمارت کا بنانا محالات سے ہے" تمام دنیا کی کتابوں کے
الفاظ کا سرمایہ اس کی خوبی و خوشنمائی دکھلانے کے لئے کافی نہیں ہے
یہ روضہ سفید سنگ مرمر سے بنا ہوا ہے اور ایک بہت اونچے سنگ مرمر
کے چبوترے پر قایم ہے جس کی بلندی تقریباً ساڑھے پانچ گز ہے اور
جس کا ہر ایک ضلع تقریباً ایک سو دس گز ہے اس چبوترے کے
چاروں کونوں پر چار مینار ہیں جن پر سے شہر اور اس کے اردگرد کا
منظر بہت دور تک دکھائی دیتا ہے۔ مقبرہ پر بہت عمدہ اور شاندار
گنبد ہے جس کے نیچے تاج محل اور شاہجہاں کی قبریں ہیں۔ ان
قبروں کے چاروں طرف سنگ مرمر کی نہایت خوشنما جالیاں لگی

ہوئی ہیں۔ عمارت کے اندر باہر اعلیٰ درجہ کے بیل بوٹوں اور مختلف اقسام کے نقش و نگار کے سوا پچی کاری کا جو حیرت انگیز کام کیا ہوا ہے اس کی نظیر دنیا کی کسی عمارت میں نہیں ملتی مبصرین فن تعمیر کی رائے ہے کہ اس دلفریب عمارت کے بنانے والوں نے معماری کے متعلق وہ کام دکھایا ہے جو زیورات پر باریک نقش و نگار کرنیوالے اُستاد کیا کرتے ہیں۔ اس عمارت کی خوبیوں نے اس ترقی کے زمانہ میں بڑے بڑے ماہر اور تجربہ کار انجنیروں کو حیرت میں ڈال رکھا ہے مقبرہ کا ایک ضلع جمنا سے ملا ہوا ہے اور دریا کی موجیں اس سے ٹکراتی رہتی ہیں۔ تین جانب کو باغ ہیں جنکی غیر معمولی تروتازگی ایک عجیب لطف دیتی ہے۔ اِن باغوں کے گرد ایک کنگورہ دار فصیل ہے۔ اسمیں داخل ہونے کے لئے ایک بڑا دروازہ ایرانی طرز کا بنا ہوا ہے۔

تاج محل کی اندرونی پیمایش حیرت انگیز ہے گنبد کی چوٹی زمین سے تقریباً ستاسی گز بلند ہے اس گنبد میں چار دروازے ہیں جن میں سے ہر ایک تقریباً اکیس اکیس گز اونچا ہے گنبد کے وسط میں شاہ جہاں کی بی بی ممتاز محل اور خود اس کی قبر ہے۔

ساری عمارت سفید جلا کئے ہوئے پتھر کی بنی ہوئی ہے

اس پر آفتاب کی شعاعیں پڑتی ہیں تو آنکھوں میں چکا چوند آجاتی ہے
اور نظر نہیں ٹھہرتی اس حیرت انگیز عمارت کے دیکھنے کے لئے کچھ
چاندنی کی روشنی موزوں ہے۔ سنگ مرمر کی کندہ کی ہوئی سلیں
جن میں ایک بےنظیر باریکی اور لطافت کے ساتھ پھول پتے گلاب کی
پنکھڑیاں عربی اور ایرانی طرز کی گل کاریاں بنی ہوئی ہیں پتلے
پتلے ستون۔ پر تکلف چھوٹے۔ غلام گردشیں جن میں روشنی کیلئے
جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ خالص سنگ مرمر کی باریک جالیاں مختلف
قیمتی پتھروں کی شوخ رنگ پچی کاری سنگ موسی کے کتبے۔ غرض
جو کچھ صنعت کی قدرت میں تھا وہ یہاں افراط کے ساتھ جمع کر دیا
گیا ہے اور ایک ایسا مجموعی اثر پیدا کرتا ہے جس کا نظیر تمام عالم میں
نہیں ہے۔

دونوں قبریں سفید سنگ مرمر کی ہیں اور ان میں کتبے اور پھول
بوٹے نہایت ہی تکلف کے ساتھ بنے ہوئے ہیں پچی کاری کے
پھول بوٹے جو ان کے اوپر سے نیچے تک ہیں نہایت ہی خوبصورت
ہیں ہر ایک پھول میں سو سے زیادہ مختلف رنگوں کے تراشے ہوئے
پتھر جڑے ہوئے ہیں جن کے میل سے وہ پھول پیدا ہوتا ہے
جس کے دکھانے کا ارادہ کیا گیا ہے ان بیش بہا پتھروں میں سنگ [illegible]

سنگ یشب۔ عقیق۔ زبرجد سرخ اور مختلف قسم کے بلور۔ سنگِ سماق اور زرد طلائی سنگِ مرمر کا جا بجا استعمال ہوا ہے ہشت پہل کے اضلاع اور ان میں جو محرابیں بنی ہوئی ہیں ان کے نیچے کی طرف سفید ترشی ہوئی سنگِ مرمر کی سلیں جو تقریباً ڈیڑھ گز اونچی ہیں نصب کی ہوئی ہیں اور ان کے گرد پچی کاری کے چوکھٹے ہیں۔ سلوں پر انواع و اقسام کے پھول بنے ہوئے ہیں اور چوکھٹوں میں گلدان جن میں منبت کار پھول رکھے ہوئے ہیں۔ اسی قسم کی کھدی ہوئی سلیں دروازوں کی محرابوں میں بھی نصب ہیں اور ان او زاروں کے باہر کی طرف آیاتِ قرآنی سنگ موسیٰ سے لکھی ہوئی ہیں۔

دو بجے کے قریب میں کیمپ کو واپس آیا۔ قصد تھا کہ آج ہی قلعہ دیکھنے کے لئے بھی جاؤں گا مگر دو بجے تک پھرنے کی تکان سے طبیعت کسی قدر کسلمند تھی جانسکا بچوں کو بھیجدیا۔ آج شام کی گاڑی میں ہنمنت راؤ محاسب جیبِ خاص بلدہ سے آیا۔

۱۵ ربیع الثانی ۲۰ فروری ۱۸ فروردی یکشنبہ

حوائج ضروری سے فراغت پاکر منتظم پیشی کے پیش کئے ہوئے کاغذات کا معائنہ کرتا رہا۔ منتظمِ پیشی نے اس کی بھی اطلاع دی کہ سید نثار احمد صاحب متولی درگاہِ اجمیر شریف اور حکیم جمشید علی خاں صاحب

آج صبح کی گاڑی میں آئے ہیں اور گوری شنکر صاحب وکیل کے مکان پر مقیم ہیں۔

ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے کرشنا کھتری اسکول کے سکرٹری بابو نت کشور بھگو گاڑی لیکر آئے اور میں سید صادق حسین غبار منتظم پیشی کو ساتھ لیکر سکرٹری کے ساتھ کرشنا کھتری اسکول تک گیا رائے بہادر بابو مدن لعل ڈپٹی کلکٹر و سابق منیجر ریاست بلرامپور۔ ماسٹر مرلیدھر صاحب ہیڈ ماسٹر وکٹوریہ ہائی اسکول اور نیز دیگر حضرات نے دروازہ تک میرا استقبال کیا اور میں اُن کے ساتھ اسکول میں گیا جہاں قریب سو آدمیوں کے موجود تھے صدارت کی کرسی پر بٹھایا گیا سکرٹری صاحب نے پھولوں کے ہار گلے میں ڈالے ایک طالبعلم نے دُعائیہ نظم سنسکرت زبان میں پڑھی وہ اس کی طفلانہ پیاری زبان اور دل کش لہجہ ایک خاص اثر رکھتا تھا بعد اس کے سکرٹری نے انگریزی میں ایک اڈریس پیش کیا اور خود ایک پر جوش لہجہ میں پڑھا جس کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے:۔

ترجمہ اڈریس

بخدمت ہز اکسلنسی راجہ راجایان سرکشن پرشاد مہاراجہ بہادر یمین السلطنت کے سی آئی ای۔ جی سی آئی ای پیشکار و سابق مدار المہام

نہر ہائنس نظام گورنمنٹ حیدرآباد دکن

حضور والا !

کرشنا کھتری اسکول آگرہ کی جانب سے ہم اس مبارک موقع پر نہایت عقیدتمندانہ اور پرجوش خیر مقدم ادا کرتے ہیں کہ حضور پہلی مرتبہ اس پرانے اور تاریخی مقام پر تشریف لائے ہیں جہاں عمارتوں کی صنعت اور خوبصورتی خود اپنی ہی نظیر ہیں۔

حضور والا !

حضورِ والا کی وہ وسعت نظر جس سے ہندوستان کی ایک سب سے بڑی اور سب سے اعلیٰ درجہ کی اسٹیٹ میں برسر حکومت ہونیکی حالت میں ایسی ایسی مصیبتوں دقتوں اور طوفان خیز حالتوں میں رہنمائی فرمائی ہے اور حضور والا کی وہ نہایت قابلِ تعریف پرجوش فیاضی جو عام طور پر ایسی تعلیم گاہ کے ساتھ وابستہ ہے جسکا مدنظر اخلاقی بہبودی ہے یہی سب باتیں ہیں جنھوں نے حضور والا کے لئے ایک دائمی نام اور عزت حاصل کرلی ہیں۔ جس خوش اسلوبی اور کامیابی سے حضور نے حکومت کی ہے اس نے ہمیں پھر ایک مرتبہ یہ بات بخوبی یاد دلائی کہ وہ خوبی جو ہمارے آباء واجداد کی رگوں میں تھی اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ہماری کمونٹی کے

دوڑتا تھا وہ اب بھی باقی ہے اور ہم میں بڑی بڑی سلطنتوں کے انتظام کی قوت ہے وہ بے روک فیاضی جو راجہ جنید و لعل کے نام کے ساتھ وابستہ ہے اور ان کی مقدس یاد کو دلوں میں قائم کئے ہوئے ہے ایک ضرب المثل ہوگئی ہے۔

کیا ہم حضور والا سے اس تعلیم گاہ کی نسبت جس میں اس وقت حضور رونق افروز ہیں کچھ عرض کرسکتے ہیں؟

اس مدرسہ میں ان قدیم وضعداریوں کے پاک خیالات پر جن سے نہایت عمدہ اور مکمل دماغی تعلیم ہوتی ہے از سرنو توجہ کیگئی ہے اور اس کے ذریعہ سے بہت سے ایسے نوجوان دنیا میں پیدا ہوگئے ہیں جو اپنی کمیونٹی کے نہایت اچھے اور باوضع ممبر ہیں اپنے عزیز وطن کے نہایت پرجوش اشخاص ہیں اور اپنے رام اور کرشن کی مقدس شہرت کے نہایت سچے پیرو ہیں اور آپس میں سچے بھائی اور وفادار انگریزی رعایا ہیں اس اسکول کے قایم ہونیکے بعد سے جسے سوقت چھ سال گذرے ہم اپنے محدود ذرایع سے اپنے مدنظر کی جانب جدوجہد کررہے ہیں اور اس اثنا میں بھی جس قدر کامیابی ہوئی ہے وہ صرف اپنی کمیونٹی کے چند نوجوانوں کی بدولت ہے جو اپنے چھوٹے بھائیوں کو مفت تعلیم دے رہے ہیں۔ ہم یہ عرض کردینا

فیاض ممبروں نے کیسی فراخ دلی سے اس شریفانہ کام میں مدد دی ہے۔

آنریبل سر بجے چند کپور مہتاب، کے سی، ایس، آئی، اسی، آئی، اور مہاراج دھیراج بہادر بردوان اور دیوان امرناتھ بہادر سندا سی آئی، ای کشمیر بھی ہمارے اسکول کو اپنی موجودگی سے عزت بخش چکے ہیں اور ان اعلیٰ خیالات اور اس کی حقیقی کامیابی کو دیکھ کے نہایت کشادہ دلی سے چندے مرحمت فرما چکے ہیں اور اب بھی ہمیشہ اپنے مفید اور عقلمندانہ مشورے سے سرفراز کرنے کیلئے آمادہ ہیں اب اس خیال سے کہ ہم اپنے مقصد کو اور کچھ ترقی دیں اپنے اسکول کے ملحق ایک لڑکیوں کا اسکول بھی قایم کرنیکی تجویز کر رہے ہیں جس میں ہماری کمیونٹی کی لڑکیاں نہایت مفید تعلیم پائیں تاکہ وہ دمینتی - ساوتری - کیکئی اور سیتا کی ایسی دیویوں کے قدم بقدم چلنے کے لایق ہو سکیں اور ان میں بھی وہی پاک اور شریف روح پھونک دیجائے تاکہ جب وہ بڑی ہوں تو مردوں کے لئے اچھی مددگار ثابت ہوں -

لایق اور عقلمند بچوں کی مائیں بنیں اور شرافت اور سچائی میں ویسی ہی نمایاں ہوں -

مقدس بھائی! جب ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ حضور والا نے اپنی موجودگی سے ہمارے اسکول کو جو عزت بخشی ہے اور ایسے وقت میں جبکہ حضور والا کو نہایت فوری اور ضروری کام درپیش تھے اور اس بات سے ہماری عزت افزائی فرمائی ہے کہ ہمارا یہ نہایت ادنی درجہ کا اڈریس قبول فرمایا ہے جس سے ہمارے دلوں میں حضور والا کی قدر اور عزت دو بالا ہو گئی تو ہم کوئی ایسے الفاظ نہیں پاتے جس سے پوری طرح سے اپنا دلی شکریہ ادا کر سکیں۔ اب حضور والا ہمیں یہ درخواست کرنے اور امید رکھنے کی اجازت دیں کہ جناب والا بھی اس اسکول کی بہبودی اور ترقی میں پوری دلچسپی لیں گے اور یہ کہ حضور کی یہ رونق افروزی آئندہ بہت سی تشریف آوریوں کی پیش خیمہ ہو گی۔

یہ کہ خداوند تعالیٰ برسوں حضور والا کو خوش و خرم اور برقرار رکھے
ایک عاجزانہ دعا ہے۔ فقط

حضور والا کی محبت بھائیوں کی
یعنی ممبر کونسل و اسٹاف اور طالب علم
کبرشتا کھتری اسکول آگرہ ۱۹ فروری سنہ ۱۹۱۶ء

اس اڈریس کے پڑھے جانیکے بعد کو برتن پنڈت ست نراین کوی بھوشن نے برج بھاشا زبان میں ایک نظم پڑھی جس کے بعد میں میرے کھڑے ہوتے ہی زور سے چیرز ہوئی میں نے حسب ذیل اڈریس کا جواب دیا:-

مہربان بھائیو!

آپ نے اس مسافر کے حال پر برادرانہ جو مسافر نوازی فرمائی میں اس کا تہ دل سے شکر گزار ہوں۔

اس میں شک نہیں کہ اس مقام پر جو بہمہ وجوہ ایک تاریخی مقام ہے جہاں اکبر سا اُلوالعزم شہنشاہ جس کا جواب آج تک دنیا نے پیدا نہیں کیا ایک تیرہ و تار خوشنما تہہ خانے کو اپنا آرامگاہ بنا کر اپنا جلوہ دکھا رہا ہے جس مقام کا نام سکندرہ ہے۔

۱۸۸۶ء میں جبکہ ملکۂ معظمہ وکٹوریہ آنجہانی کی جوبلی کے وقت میرے انداتا محبوب دکن تشریف فرما ہوئے تھے مجھے بھی ہمراہ رکاب حاضر رہنے کا فخر حاصل تھا اُس وقت میں نے یہاں قیام کیا تھا اُس کے بعد اگرچہ اس راستہ سے میرا کئی مرتبہ گزر ہوا لیکن کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ میں اپنے مہربان بھائیوں سے ملاقات کرنیکی مسرت حاصل کرتا۔ اس کو بخت و اتفاق کہنا چاہیئے

یا آپ بھائیوں کے جذبۂ محبت کی کمی۔ ابھی جس اُلوالعزم شہنشاہ اکبر کا ذکر کر چکا ہوں اُس کے دربار کے نورتن سے راجہ ٹوڈرمل جو ایک رتن کہلاتے تھے ان تک گو مجھ فقیر کا انتہائی سلسلہ پہنچتا ہے لیکن مہاراجہ چندو لعل کے خاندان کو آصف جاہی کہلانیکا جو فخر حاصل ہوا ہے اُس پر سب میرے بزرگوں کو ناز تھا اور مجھے بھی اسی پر ناز ہے بلکہ اس میں اس قدر اور اضافہ ہوا کہ خاندان آصفجاہی محبوب بادشاہِ دکن کا خاص ساختہ اور پرداختہ آپکا یہ خادم ہے جو اس وقت آپ کے روبرو حاضر ہے اور ایسے بادشاہ کے حقیقی جانشین ہز ہائنس میر عثمان علی خاں نظامِ دکن کے نمکخواروں اور دعاگویوں میں ایک ہوں۔ چیرز۔

میری ناچیز خدمات کو جو آپ صاحبوں نے قدر کی نگاہ سے دیکھکر جن الفاظ میں یاد فرمایا ہے یہ آپ بھائیوں کی حوصلہ افزائی ہے ورنہ میں تو صرف ایک سیدھا سادہ سپاہی زادہ ہوں اور ملک و قوم اور بادشاہ کی اطاعت گزاری کو اپنا فخر سمجھتا ہوں اور یہ ارادہ رکھتا ہوں کہ جب تک مجھ میں پرماتما کی کرپا سے سکت باقی ہے میں اپنے ملک۔ قوم۔ مالک۔ اور گورنمنٹ کے کام آؤں اور خدمتگزاری کرتا رہوں۔ چیرز۔

بھائیو! اگرچہ قومی لحاظ سے جو سلسلہ قدرتی قائم ہے وہ بغیر تعارف اور محبت کے بھی قائم رہ سکتا ہے لیکن مجھے اُمید ہے کہ اس موقع پر جو تعارف اور یگانگی کا سلسلہ قائم ہوا ہے وہ ہمیشہ باقی رہے گا اور آپ لوگ اس فقیر حقیر کو اپنے دل سے فراموش نہ کریں گے۔ چیرز۔

مجھے یہ دیکھکر بے انتہا مسرت حاصل ہوئی کہ یہاں بھی مثل پنجاب کے تعلیم کے شوق نے دلوں میں مسکن بنایا ہے اور آپ لوگ اس طرف ہمہ تن متوجہ ہیں۔

بھائیو! یہی ایک چیز ہے۔ جو انسان کو انسان بننے کی عزت دیتی ہے یہی ایک دولت ہے یعنی علم جس کو زوال نہیں۔ یہی ایک ذریعہ ہے جس سے انسان عزت۔ حکومت اور دولت حاصل کرسکتا ہے یہی ایک علم ہے کہ اگیانی کو گیانی بناتا ہے۔ مُبارک ہے وہ قوم جس میں علم کا شوق ہو۔ چیرز۔

آپ صاحبوں کا نہایت پاکیزہ خیال ہے کہ آپ لوگ رام اور کرشن کی سچی پیروی کی کوشش میں ہیں اور اس کے ساتھ ہی اپنی ہونہار اولاد اُناث کو گزشتہ مقدس دیویوں۔ ساوتری اور سیتا کے قدم بقدم چلانے کے ارادہ میں ہیں چیرز

کیا خوب ہو گا کہ جب مرد دیوتا اور عورتیں دیویاں بنکر اپنی اولاد کے لائق معلم اور آتالیق اور اپنے ملک اور ممالک کے ہر طرح سے کام آئیں اور یہ سلسلہ بلا کسی روک ٹوک کے ہمیشہ قائم رہے پرماتما اس کوشش میں آپ کو کامیاب کرے چیرز۔

بھائیو! آپ لوگ اس بات کو سمجھ چکے ہیں اور یقین ہے کہ محسوس کرتے ہیں وہ یہ کہ برٹش راج جس کے تاج کا ہمیشہ ہمارے سروں پر سایہ رہے گا۔ اسکی بدولت ہر قوم میں ایک تازہ اور نئی روح پھونکی گئی ہے اور جو جو برکات اس زمانہ میں ہر قوم پر پرماتما کی طرف سے نازل ہو رہی ہیں وہ سب اسی رواج کی بدولت ہیں (بہت زور سے چیرز)۔

اس وقت ہمارے ہر دل عزیز کنگ نے اس عالمگیر طوفان جنگ کے میدان میں خود بھی شرکت فرمائی ہے یاد رکھنا چاہئے کہ یہ شرکت صرف وابستگان دولت اور ان کی وفادار رعایا اور خیر خواہوں کے حفظ حقوق اور آزادی مذہب و معابد کے لئے ہے نہ اور کسی غرض سے پس ہمکو ہر طرح امید ہے کہ جس نیت سے ہمارے ملک معظم نے اپنی پیاری وفادار رعایا اور خیر خواہان و وابستگان دولت کی بہبودی کے لئے اپنا نقصان کثیر ہر طرح سے گوارا فرمایا ہے پرماتما

اس کے معاوضے میں نصرت او فتح ضرور ہر طرح سے عطا فرمائے گا - چیرز -

آپ کو معلوم ہے کہ اسی بھومی اور پرتھوی پر حقوق کے واسطے کورو اور پانڈو کی جنگ عظیم ہوئی اور بڑے بڑے سورما - بیر راجہ مہاراجہ اور مخلوقِ خدا نے اس زمین پر اپنا خون بہایا -

پس اس وقت بھی رعایا کے حفظِ حقوق کے لئے ہمارے ہردل عزیز کنگ میدانِ کارزار میں دامے درمے سخنے آپ کے دشمن سے مقابلہ کر رہے ہیں تو پھر ہم کو ایسے شہنشاہ پر جان و مال کے ایثار کرنے میں ہرگز ہرگز دریغ نہ کرنا چاہئے اور وقت پڑ ثابت کر کے دکھلانا چاہئے کہ ہمارے خون میں مالک پرستی کا کیسا سچا پریم ہے اور ہماری وفاداری کیا کچھ کر دکھاتی ہے - چیرز -

ہمارے ہردل عزیز لارڈ ہارڈنگ (افسوس ہے کہ چند دنوں کے بعد وہ اپنی خدمات کا جائزہ اپنے جانشین کو دے جائیں گے) ان کے مبارک عہد میں ہمارے ہندوستان کی کل اقوام کے ساتھ ان کے جو جو احسانات ہوئے ہیں وہ ہمیشہ زندہ یادگار رہیں گے خصوص اُن کی نیک بخت خاتونِ آنجہانی نے دہلی کے موقع پر جو مردانہ ہمت اور جرأت کو کام میں لا کر ہندوستان کو ایک آفت سے

بچایا ہے وہ یادگار اور زندۂ جاوید ہے ۔ پرماتما لیڈی صاحبہ کو شانتی کرے اور وائسرائے بہادر با اولاد و احفاد ہمیشہ اپنی خوبیوں کے ساتھ جس جگہ رہیں دل شاد رہیں ۔ چیرز ۔

بھائیو ! اب میں آپ کا زیادہ عزیز وقت لینا نہیں چاہتا اتنا عرض کرتا ہوں کہ میں اس کام میں آپ کے ساتھ شریک ہوں اور آپ کے اس ارادہ کو پھولتا پھلتا دیکھنے کا متمنی ہوں اور جو خدمات مجھ سے ہو سکیں گی بسر و چشم بجالاؤنگا ۔ چونکہ میں اس وقت سفر میں ہوں ۔ اس لئے جو کچھ میں خدمتگزاری کرونگا وہ محدود نہ سمجھی جائے اور حضوری اور غائبانہ ہر حالت میں مجھے اپنا سچا وفادار دوست سمجھیں اور میں بھی بھگوان سے پرارتھنا کرتا ہوں کہ پرماتما مجھکو میرے خیال پر قائم رکھے اور میں وقت پر قوم کی خدمت کر کے یہ ثابت کر دوں کہ آپ کی قوم کا ایک چھوٹا خدمتگزار جو زبان سے کہتا ہے وہی کر دکھاتا ہے ۔ چیرز ۔

اب اخیر میں میں پرارتھنا کرتا ہوں کہ آپ برٹش راج اور ملک معظم اور میرے اَنداتا کی سلامتی اور ترقی عمر و اقبال کے لئے دعا کریں اور خصوص یہ دعا کریں کہ بہت جلد ہمارے ملک معظم کی فتح و نصرت سے ہمارے دل شاد ہوں اور ہم خوشیاں منائیں اور پرماتما کا شکریہ ادا کریں ۔ چیرز ۔

اس تقریر کے ختم پر پبلک معظم کی (جے) منانے کیلئے میں نے تحریک کی اور نہایت جوش کے ساتھ (جے) منائی گئی۔

اس کے بعد سکرٹری جلسہ نے حضور بندگانِ حضرت دام ملکہ کے لئے چیرز دی۔ پھر میں نے کنگ معظم کے لئے تین بار چیرز کی تحریک کی جو نہایت دلی مسرت اور جوش کے ساتھ چیرز دی گئیں

اس کے بعد سکرٹری جلسہ نے ایک میز آگرہ کی بنی ہوئی تحفۃً مجلس کی طرف سے پیش کی اس کے جواب میں میں نے حسب ذیل فقرات کہے :-

بھائیو!

میں آپ کے اس تحفہ کو نہایت خوشی کے ساتھ قبول کرتا ہوں اس میز کو میں بطور یادگار اپنے آفس میں رکھونگا کہ تا ہر وقت آپ صاحبوں کی مجھے یاد دلاتی رہے۔ چیرز۔

اب میں اخیر آپ سے ایک ادنیٰ چیز کا خواہاں ہوں مجھے اُمید ہے کہ آپ دینگے وہ یہی کہ آپ اس فقیر کو بھول نہ جائیں اپنے دل میں جگہ دیں۔ چیرز۔

اس کے بعد میں نے پنڈت برجناتھ شرما کے ذریعہ سے اعلان کردیا کہ دو ہزار روپئے اس مدرسہ کے چندے میں اپنی طرف کر

پیش کرتا ہوں قوم نے نہایت پر جوش الفاظ کے ساتھ قبول کرکے چیرز دی۔

جلسہ برخاست ہونے کے وقت رائے مدن لعل صاحب نے مدرسہ کا کتب خانہ دیکھنے کی تحریک کی میں نے وہ کتب خانہ دیکھا اور سب سے ملکر رخصت ہوا رخصت کے وقت سبھوں نے نہایت مسرت اور جوش کے ساتھ چیرز دی۔ بہر حال قومی بھائیوں نے نہایت اخلاق کے ساتھ مسافر نوازی کرکے ممنون ومسرور کیا۔ قریب گیارہ بجے کے کیمپ کو واپس ہوا۔

سارکا پرشاد صاحب کو وکٹوریہ ہائی اسکول کے لئے پانسو روپے دلائے جانے کا حکم دیا۔ ارادہ تھا کہ آج چار بجے شاہ ابو العلاؒ کی درگاہ کو جاؤں لیکن ٹھیک چار بجے بابو بھگونت کشور بی۔ اے ایل۔ ایل۔ بی۔ سکرٹری پنڈت برجناتھ شرما۔ پنڈت ست نراین آ گئے سکرٹری نے مجھ سے خواہش کی کہ میں کل پانچ بجے شام کے اُن کی گارڈن پارٹی میں شریک ہوں اگرچہ میں آج یہاں سے روانہ ہونیوالا تھا لیکن بمصداق ؎

خیال خاطر احباب چاہیئے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگجائے آبگینوں کو

میں نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا اور وعدہ کیا کہ اُن کی پارٹی میں
شریک ہوں گا۔ ابھی وہ بیٹھے ہوئے تھے کہ سید نثار احمد صاحب
متولی اور حکیم جمشید علی خاں صاحب بھی آ گئے اور شام تک
لطف صحبت رہا۔ پنڈت ست نراین نے نہایت عمدہ اور دلکش
بھاشا زبان کی نظمیں سنائیں۔ ہندی شاعری میں بابا تلسی داس
کے پہلو بہ پہلو ہیں خیالات عالی ہیں زبان پاکیزہ شاعرانہ جذبات
کے اثر سے ان کا کلام بھرا ہوا ہے۔

۱۶۔ ربیع الثانی۔ ۲۱۔ فروری۔ ۱۹۔ فروردی۔ دوشنبہ

آج صبح کو حسب معمول حوائج ضروری سے فراغت پا کر منتظم کشتی کے
پیش کئے ہوئے کاغذات کا معائنہ کیا اور بعض ضروری احکام دیئے
اطلاع ملی کہ متولی صاحب اور حکیم جمشید علیخاں صاحب آئے ہیں
میں نے اُن سے ملاقات کی اور اُن کے ساتھ اُن کی خواہش کے
رائے گوری شنکر صاحب وکیل کے مکان پر گیا۔

وکیل صاحب اور اُن کا تمام خاندان (خواجائی) یعنی
حضرت خواجہ اجمیری کا فدائی اور معتقد ہے۔ وکیل صاحب انسانی
تمام خوبیوں میں اپنی یکتائی میں فرد ہیں۔ نہایت درجہ خلیق
باوضع۔ ملنسار۔ کم سخن۔ اپنی زبان کے سچے اور ہر دل عزیز ہیں

چاء کا سامان کیا گیا تھا محفل سماع بھی گرم ہوئی۔ وکیل صاحب کے ایک عزیز قریب راے مصری لعل صاحب ایک زندہ دل ضلع حکمت میں مشاق اور بہت شیریں زبان ہیں اور جن کی ہر بات رشک نبات ہے۔ چونکہ وکیل صاحب کے خاندان کا ہر چھوٹا بڑا صوفیانہ شراب کا مست و متوالا ہے اور شعر

	این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خداے بخشندہ	

وہ وقت نہایت لطف سے گزرا۔ رخصت ہونے کے وقت وکیل صاحب سے میں نے کہا کہ "آج سے آپ اور ہم خواجہ تاش ہیں" اور اُن کے نیز متولی صاحب کے ساتھ ابو العلا صاحب کی درگاہ پر گیا زیارت سے مشرف ہو کر ڈیڑھ بجے کے قریب کیمپ کو واپس ہوا۔

آج شب کو ایک بجے کی گاڑی میں یہاں سے کانپور کو روانہ ہونیوالا ہوں۔ سید صدیق حسن صاحب منتظم انگریزی کو بعض احکام دئے چار بجے بعض اراکین کرشنا کھتری اسکول گاڑیاں لیکر آے اور میں اُن کے ساتھ سوار ہو کر گارڈن پارٹی میں گیا جاتے وقت منتظم پیشی کو ہدایت کی کہ بچوں کو لیکر وہاں آجائیں میں جس وقت گارڈن پارٹی میں پہنچا میرے پہنچنے سے تھوڑی دیر کے بعد ہمارا

بردوان بھی تشریف لائے جو دہلی جاتے جاتے ایک روز کے لئے یہاں قیام فرما ہوئے تھے۔ مجھ سے نہایت خلوص اور تپاک کیساتھ بغلگیر ہوئے۔ دیر تک گلے شکوے ہوتے رہے اراکین پارٹی کی طرف دیکھکر اپنے حسن ظن اور یگانگی کا اظہار فرمایا گیا کہ۔

"ہم سب کے لئے نہایت فخر کی بات ہے کہ ہماری قوم سے مہاراجہ بہادر (اس فقیر کی طرف اشارہ کرکے) حیدرآباد جیسی بڑی سلطنت کے وزیراعظم رہ چکے ہیں" دیر تک لطف ہمکلامی رہا۔ منتظم پیشی بھی بچوں کو لیکر تھوڑی دیر کے بعد آگئے ان کے ساتھ محمد صدیق حسن منتظم انگریزی بھی تھے ساڑھے چھے بجے تک ایک پرجوش کیفیت رہی دو فوٹو لئے گئے اس کے بعد مہاراجہ بردوان رخصت ہوکر اپنے کیمپ کو سدھارے۔ ممبران گارڈن پارٹی کے اصرار پر میں وہیں ٹھیرا رہا میز پر میوا کیک شیرینی وغیرہ ایک طرف چنی گئی سبھوں نے بطور ادائی رسم میز پر بیٹھکر کچھ کھایا۔

بعد اس کے ایک نوجوان لڑکے نے انگریزی میں اسپیچ دی کہ جس میں انھوں نے یوروپین قوم کی تعلیم اور کھتری قوم میں تعلیم کی کمی وغیرہ وغیرہ کا ذکر کیا بہ لحاظ سن کے یہہ اسپیچ لایق

تحسین تھی ساڑھے چھے بجے وہاں سے رخصت ہو کر اپنے کیمپ کو واپس ہوا۔ متولی صاحب حکیم جمشید علی خاں صاحب رائے گوری شنکر صاحب رائے مصری لعل صاحب کیمپ تک میرے ساتھ رہے اور یہاں سے رخصت ہوئے۔

منتظم انگریزی نے اطلاع دی کہ جی۔ آئی۔ پی کے سیلون ابھی تک نہیں آئے ہیں میں نے حکم دیا کہ یہی ڈبے ہمارے آگرہ کنٹونمنٹ کو بھیجدئے جائیں وہاں سے سیلون کا انتظام کیا جائے گا اس میں بھی ناکامی ہوئی غرض آج کی شب بمجبوری پھر مجھے یہیں رہنا پڑا اور صبح سہ شنبہ کو ساڑھے دس بجے انہیں گاڑیوں میں کانپور روانہ ہونیکا ارادہ کیا۔

قاضی بشیر الدین احمد حامی نے آگرہ کے متعلق ایک دلکش فارسی نظم پیش کی جس کو میں اس روزنامچے میں ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔ گو اکثر اشعار اس کے اصول نظم سے گرے ہوئے ہیں مگر دلکش ضرور ہیں روانگی سے کچھ دیر پہلے ثاقب صاحب بھی اپنے وطن واپس آگئے۔

نظم

السلام اے خاکِ پاکِ سُرمہ سانِ آگرہ | از حسامی چند روزہ میہمانِ آگرہ
مرحبا اے آبِ برف سرد دریائے جمن | مرحبا اے ریگِ نرم پرنیانِ آگرہ
بر لبِ دریائے جمنا دیدنی دارد بہا | از ورود مجمع پیر و جوانِ آگرہ
اتفاقاً بر کنار رود رفتم بہر سیر | تا شدم از جملۂ وارفتگانِ آگرہ
مرد چوں غلمان و زن چوں حور آید بتصور | می سزد رضوان جنت باغبانِ آگرہ
بر رخ گل خاطرِ وارفتگاں چوں بلبل است | قلب عاشق قمری سرو چمانِ آگرہ
گلرخانِ در کوچہ و بازار چوں گل در چمن | اے زہے شادابی جنت نشان آگرہ
جاں نثار عشوۂ ناز و ادائے چشم مست | دل فدائے غمزۂ گل چہرگانِ آگرہ
پنجۂ دست از حنا ہم صورت مرجان و لب | سرخ چوں لعل یمن از رنگ پانِ آگرہ
بر مزید است از ہجوم مشتری در ہر طرف | گرمی بازار ہر جنس و دکانِ آگرہ
من دریں سودا نمی خواہم کہ باشم دل فروش | نقد دل واپس کشید ای دلبرانِ آگرہ
خندہ بر لب بے تکلف زیب تن سادہ لباس | اے زہے حسن خداداد بتانِ آگرہ
از ظروف سنگ و از دیگر بساط ریشمیں | با ہزاران نوع دیدم ارمغانِ آگرہ
کشتئ گل کار سادہ با گل و برگ عقیق | تاج گنج سنگ مرمر عطردانِ آگرہ
آرزو دارم کہ باشم در تماشا یک دو روز | ہمتے اے اقتضائے آب و دانِ آگرہ

واقعی بعد از تماشائے در و دیوارِ شہر — میشود اہلِ تماشا مدح خوانِ آگره
ہمچو میر از خاکِ او برخاست استادِ من — بسکه مردم خیز آمد خاکدانِ آگره
میرزا غالب در استادانِ عہدِ آخر بیا — بود از افرادِ خاص شاعرانِ آگره
گر نگشتے شافعِ روزِ قیامت در حجاز — نصِ قرآن آمدی اندر زبانِ آگره
مرحبا اے گنبدِ گردون وقارِ تاج گنج — مرحبا اے صنعتِ کاریگرانِ آگره
چشمِ یاران باد وقفِ سیرگاهِ سیرِ او — استخوانِ دشمنان وقفِ سگانِ آگره
السلام اے نازنین نوابِ عصمت احتجاب — السلام اے دلبرِ شاهِ جہانِ آگره
قدرِ تو از خوبیٔ حسنِ عمارت برتر است — مہرِ تو دل را ربود از حکمرانِ آگره
یادگار آمد جہان را این عمارت اے حسین — از تو شہرت یافت این نام و نشانِ آگره
در زمانِ تو نباشد دیگرے چون تنِ تو — زان شده مفتونِ تو شاهِ جہانِ آگره
شہر خاتون تا قیامت گرم کن خوابِ ناز — از محبت پہلوئے شاهِ جہانِ آگره
از وفاداران وفاداری تو لابد نمود — بالخصوص از بادشاهِ مہربانِ آگره
بادشه را پہلوئے بیگم مبارک تا حشر — ہم به بیگم پہلوئے شاهِ جہانِ آگره
بقعۂ نور است یا گور است یا زیبا عروس — یا دلِ معشوق یا روحِ روانِ آگره
پرورش کن در کنارِ عاطفت اے مہدِ تو — ہر دو عاشق را بسانِ مہمانِ آگره
شد نمایان از علوِ قبۂ سیماب گون — سطحِ صحنِ چرخِ ہفتم سائبانِ آگره
میتوان کردن قیاسِ عظمتِ شاہنشہی — از عمارتہائے گردون آشیانِ آگره

دل نمی خواہد بصورت رسیدنش شہر　　اے زہے صناعیٔ کاریگران آگرہ
فاتحہ خواندم بروح ہر دوستِ خوان باز　　بازگشتم سوئے شاہِ حکمران آگرہ
درس عبرت میتوان باید گرفت اید شنا　　از مزارِ حضرتِ صاحبقران آگرہ
بوسہ دادم بر مزارِ پاک با جاہ و جلال　　آب دیدہ گشتم از یادِ زمانِ آگرہ
در خیالم یک بیک آئین شانِ اکبری　　در گزشت از سطوتِ صاحبقران آگرہ
یاد آوردم بدل از بزم ایام حیات　　یعنی از ماہِ تمام و اختران آگرہ
رائے ٹوڈرمل مدار کاروبار ملک و مال　　فیضی و بو الفضل و عرفی شاعران آگرہ
بیربل خانخانی و ملا دو پیازہ مان سنگھ　　نیز عبد القادر و فخر زمانِ آگرہ
سوئے او یک آن خطاب حضرت شاہنشہی　　آن علو و عظمتِ گیتی ستانِ آگرہ
آن قوانین بہین فقرات و ستور العمل　　بند و بست شہر و ملک جاودانِ آگرہ
گفتم آخر انا للہ و الیہ راجعون　　ہاں قیامت شد قریب اے خفتگان آگرہ
گفتم اے نامی جلال الدین اکبر بادشاہ　　باعث آبادیٔ شہر و مکانِ آگرہ
حصن سنگ سرخ و جامع یادگار شان تست　　وضع شہر و قطع بازار و دکانِ آگرہ
در حضوری بندہ اختر حسامی حاضر است　　از برائے فاتحہ اے حکمرانِ آگرہ
مدتے بے مونس و ہمدم حیران روز و شب　　دور از آبادیٔ شہر و مکانِ آگرہ
کاندریں ویرانہ تنہا از چہ شادی بسر　　یا مگر شد بے اماں از الامانِ آگرہ
از گران بار شہنشاہی مگر گشتی ستوہ　　یا مگر از نالہ و شور و فغانِ آگرہ

یا مگر از دیر سالِ عمر و پیرانه سری — یا مگر از کج ادائے ساکنانِ آگره
یا مگر از بے ثباتیِ حیاتِ مستعار — یا مگر از نقش بر آبِ جهانِ آگره
یا مگر از چشمِ عبرت بین نظر کردی بملک — یا مگر خواندی ز تاریخِ شهانِ آگره
گوشهٔ تاریک و تنگِ گور از آن شد قبول — شد مسلم بر جهانگیر از تو آنِ آگره
یکدمے شد تنگ بر تو وسعتِ هندوستان — بود پیشت فسحتِ عالم بسانِ آگره
برگزیدی از چه از اقلیمِ هند اسکندره — اے شهِ اسکندرِ صاحبقرانِ آگره
آرزو میداشتی فتحِ اقالیمِ دکن — آرزو میداشتی تعظیمِ شانِ آگره
شد روانه دانیال از حکمِ تو سوئے دکن — با هزاران هیبت و فوجِ گرانِ آگره
آخرش الملک لله العظیم آمد یقین — آخرش بگذاشتی شاهی مکانِ آگره
نص الیوم از برائے کیست نشنیدی مگر — غیر یزدان کیست شاهِ جاودانِ آگره
با وجود اینکه بود از بس قضا بر سر سوار — دعوئے ملکِ خدا اے سرکشانِ آگره
در سواری دور باش از پیش و پس اینجا کجاست — اژدهامِ خلق با فوجِ گرانِ آگره
آن پری تمثال اسپان در جلو طاؤس دم — آن مرصع هودجِ پیلِ دمانِ آگره
آن عماری هائے زرین آن جلوس و عید — آن هجومِ عام نظاره کنانِ آگره
آن نگه بر رو برو هنگامِ آدابِ حضور — آن صدائے الادب از حاجبانِ آگره
آن صدائے عمر و دولت باد افزون تا قیام — آن مبارک بادئ زه زه و شانِ آگره
روز کار و بارِ شاهی تاج بخشی دار و گیر — وقتِ شب رقص و سرود و قصه خوانِ آگره

آن پری رویانِ نازک گلبدن عاشق فریب
انتخابِ ہفت کشور جانِ جانِ آگرہ

آن ملک را سر بسر زنجیرِ پائی عقل و ہوش
مشتری وش زہرہ سیما لولیانِ آگرہ

بر مرادِ دل کنارِ آبِ جو صحنِ چمن
محفلِ مے صحبتِ پیرِ مغانِ آگرہ

دستِ گل با گل بنِ گلچہرہ گل رخسار گل
شکریں لب خوش گلو شیریں لبانِ آگرہ

مستِ صہبائے جوانی ہر یکی مغرورِ حسن
رشکِ حوران جنان گلچہرگانِ آگرہ

دورِ جامِ بادۂ گلفام با تارِ رباب
نقشِ شیریں نغمۂ خنیاگرانِ آگرہ

شمعِ کافوری و فانوسِ بلوریں عود سوز
فرشِ مخمل مسندِ شاہی مکانِ آگرہ

نیست بر یک حال وضعِ گردشِ لیل و نہار
نیست بر یک رنگ رنگِ آسمانِ آگرہ

آن زمان ہم بود شاہاں می نہادندی جبیں
از ادب سنگِ سرخ آستانِ آگرہ

آن زمان ہم بود ہر شب دمبدم مے شد بلند
غلغلِ ہشیار باش چارسانِ آگرہ

آن زمان ہم بود با صد احترام و با خلوص
جمع شاہاں می شدند از ہر کرانِ آگرہ

آن زمان ہم بود پیشِ بارگاہِ خاص و عام
فرقِ شاہاں وقفِ سنگِ آستانِ آگرہ

آن زمان ہم بود از ہر کشورے روے زمیں
ہدیہ می آمد بسوئے حکمرانِ آگرہ

آن زمان ہم بود شاہاں میفرستادندی سفیر
از کمالِ عظمتِ کشورستانِ آگرہ

آن زمان ہم بود شاہاں را شرف بودی از سجود
یا زمان آمد کہ شد پامالِ شانِ آگرہ

الاماں از گردشِ دورِ زمانہ الاماں
الحفیظ از دورِ عہدِ آسمانِ آگرہ

عقل حیراں میشود در فکرِ زمانِ سابق
دل پریشاں میشود از تنزلِ شانِ آگرہ

هوش از من رفت و پایم یکه و جا از جا فتاد در طواف قبر شاه حکمران آگره
گفتم ای ثاقب که هوشم نیست یارم دستگیر در خیالات عروج باستان آگره
گفت ای دانای گرم و سرد دور آسمان نیست بر یک حال دور آسمان آگره
گاه در اوج شرف بود اختر اقبال شهر گاه در قعر حضیض است آسمان آگره
یا الهی بادشاهی تو آمد بی زوال نی نشان بادشاهی شاهان آگره
یا الهی گر تو میخواهی نشان ماند نشان گر تو خواهی بی نشان از نشان آگره
داستان طول بر خواندم و لیکن حسب حال ماند حرفی چند باقی از بیان آگره

چون ولیعهد السلطنه شد میهمان آگره
تهنیت خواندند بر شه کهتریان آگره

از پی توقیر او ترتیب دادند از خلوص مجلسی از انتخاب مردمان آگره
یعنی از اهل لیاقت نیز از اعیان شهر حکمران بردوان و هم سران آگره
شاد بر وقت معین گشت در موٹر سوار هم رکابش شد غبار دودمان آگره
کاندران محفل نمیدانم چه شد از کاروبار لیک می گفتند از من مردمان آگره
نعره‌ها بر فقره فقره در جواب ایڈریس بی محابا شد بلند از مردمان آگره
از مبلغ وعده‌ها با دو هزار و پانصد داد بر تعلیم کهتری کودکان آگره
قوم شد ممنون احسان از نوال و بذل شاه ای زهی دست سخای میهمان آگره
هر یک از پیر و جوان در انجمن دلشاد بود تا ز دل دادش دعا شادمان آگره

نیز ہر کس بہر آصفجاہ از بہر دعا — دستِ خود برداشت سو ہمان آگرہ

یعنی عثمان علیخان آصفِ سابع نظام — مدعائے اہل دہلی ساکنان آگرہ

موکبِ او چون ز دہلی شد روان سوئے دکن — اتفاقاً بود چندے میہمان آگرہ

از جلوسِ شوکتِ شاہانۂ او ہر طرف — یاد آمد خلق را شاہی زمانِ آگرہ

یا الٰہی آصف از دنیا و دین بامراد — بر مثالِ حضرتِ صاحبقرانِ آگرہ

گوشۂ چشمش برافتد بر فلاحِ اہلِ ملک — گرچہ باشد اہلِ ملکش در میانِ آگرہ

یا الٰہی آرزو دارم کہ گردد مستجاب — این دعا از لطفِ شیخ عارفانِ آگرہ

یعنی آن شیخ مکرم محترم مخدومِ خلق — بو العُلیٰ از اولیائے مقبلان آگرہ

قبلۂ حاجت شد از اقطاعِ عالم دور دور — مرقدِ او از برائے زائران آگرہ

خرقۂ فقر از تبرکہائے پیرانِ کبار — بر قدش زیبد برنگِ طیلسان آگرہ

بے تکلف سادگی دارد مزارِ پاکِ او — گنبدش آمد سراسر آسمانِ آگرہ

در جوارش گر بسر آید زمانِ زندگی — از بہاران خوش بود فصلِ خزانِ آگرہ

شاہ قاسم شیخ جی حالی ولیِ مستند — یافت نعمت از طفیلِ آستانِ آگرہ

آنکہ آمد حیدرآبادش مطیع و معتقد — شد ز ذاتش خطۂ اردو بیان آگرہ

اے حسامی تا بکے این قطعات مختلف

اے حسامی تا بکے آخر بیان آگرہ

قاضی شبیر الدین احمد حسامی آبادی

۱۷ ربیع الثانی - ۲۲ فروری - ۲۰ فروردی - شنبہ

ساڑھے دس بجے ہم کانپور کو روانہ ہوئے - ٹونڈلہ میں ہم کو تین گھنٹے قیام کرنا پڑا - تین بجے ٹونڈلہ سے روانہ ہو کر ساڑھے دس بجے شب کے ہم کانپور - ای - آئی - آر - کے اسٹیشن پر پہنچے - اسٹیشن پر گنجایش نہ ہونے سے میرے سیلون اسٹیشن سے کسی قدر فاصلے پر ٹھہرائے گئے - ملازمین اسٹیشن پر ہی رہے -

۱۸ ربیع الثانی ۲۳ فروری - ۲۲ فروردی - چہار شنبہ

غبار صاحب منتظم پیشی شہر میں گئے اور رحمت اللہ صاحب رعد مالک نامی پریس سے جا کر ملے جہاں رباعیات شاد اور میر اردو فارسی دیوان زیر طبع ہے دو گھنٹے کے بعد واپس آئے -

میں بارہ بجے موٹر منگا کر سید برہان اور غبار صاحب کو ساتھ لیکر شہر میں گیا - کہنے کو تو موٹر تھی مگر اس کی رفتار کسی ناتوان مریض کی رفتار کا مقابلہ کرتی تھی - بار بار اس کا رکنا اور شوفر کا درست کر کے چلانا - راستہ کی ناہمواری - موٹر کی بطی الرفتاری نہایت لطف افزا تھی کہ اس مقام کو جہاں پر موٹر رکتی تھی تفصیلی نظر سے دیکھنے کا موقع ملتا تھا - میں اس کے رکنے پر

زیر قدمت ہزار جان است	آہستہ خرام بلکہ مخرام

پڑھنے پر مجبور رہتا تھا۔ بارے خدا خدا کرکے اس کی رفتار میں کسیقدر گرمی پیدا ہوئی۔ پہلے میں نول کشور پریس میں گیا۔ وہاں کے چھاپے خانے کے مختلف شعبے دیکھکر خوش ہوا اور وہاں کے کام کرنیوالوں کو انعام دیا۔ بعد اس کے کتب خانہ دیکھا کچھ کتابیں خریدیں وہاں سے چلکر بعض شاپوں میں گیا۔ کچھ سامان خریدا سوا چار بجے کیمپ کو واپس آیا۔ پانچ بجے رحمت اللہ صاحب مالک نامی پریس اور شام لعل صاحب منیجر مطبع نولکشور ملاقات کو آئے میں نے ان سے پلیٹ فارم پر کھڑے کھڑے ملاقات کی۔ جی آئی۔ پی کے سیلون یہاں بھی ممکن نہ ہوئے۔

میں نے یہی سیلون ساڑھے سات بجے شب کے جھانسی کو روانہ ہونیوالی ٹرین میں اٹاچ کرنے کا حکم دیا۔ تھرڈ کلاس کی گاڑی رزرو نہ ہوسکی اس لئے کہ وقت نہ تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میرے ساتھ کے پچاس ساٹھ آدمی معہ سامان کانپور او۔ اینڈ آر کے اسٹیشن پر جہاں گاڑی بدلی جاتی تھی رہ گئے اور میرے سیلون روانہ ہوگئے۔ میرے دونوں منتظم یعنی غبار صاحب اور صدیق حسن صاحب بھی رہ گئے۔ چونکہ میرے تمام خدمتی چھوٹ گئے تھے مجھے جھانسی پہنچکر بیحد تکلیف ہوئی پونے تین بجے شب کے

میں پھانسی پہنچا تھا۔

کانپور کے حالات

کانپور ایک بڑا شہر ہے۔ چونکہ یہ شہر غدر ۱۸۵۷ء میں نہایت دردناک واقعات کا منظر بن چکا تھا اس لئے گویا اس کی آبادی جدید آبادی ہے۔ آج کل صوبۂ مغربی و شمالی میں تجارت کا بڑا مرکز ہے۔

کانپور میں زیادہ تر اشیائے چرمی کی تجارت ہوتی ہے جو روز افزوں ترقی پر ہے۔ کئی بڑے بڑے روئی اور اون کاتنے کے کارخانے بھی جاری ہیں جن میں اونی اور سوتی کپڑے اور خیمے بنائے جاتے ہیں۔ یہ شہر گیہوں۔ روئی۔ شکر۔ پان اور دیگر اجناس کی بھی منڈی ہے جو روہیل کھنڈ اودھ اور وسط دوآبے سے یہاں آتے ہیں تاکہ بذریعہ ریل اُن کو آگے بھیجا جائے دریا کے متصل جنگ کا موقع دکھایا گیا ہے نیز اُس کنویں پر جس میں انگریزوں کے میموں اور بچوں کی لاشیں پھینکی گئی تھیں سنگِ مرمر کا ایک بت نصب کیا ہوا ہے اس کے گرد ایک نہایت پرفضا باغ ہے۔ سنا گیا ہے کہ یہ سرکار نے غدر کے بعد کانپور کے باشندوں سے جرمانہ وصول کر کے بنایا تھا اور اب بھی پانسو پونڈ

سالانہ اس کے انتظام کے لئے سرکاری خزانہ سے دیا جاتا ہے۔
پانی کے یہاں بھی جا بجا نل لگے ہوئے ہیں حسن گفتگو۔ پوشش۔ پردہ تہذیب اور طریق معاشرت وغیرہ میں یہ شہر لکھنؤ کا ثمنی ہے۔

بازار با رونق ہیں اور ان کے نام بھی لکھنؤ کی طرح اکثر گنج ہی پر ہیں مثلاً ڈپٹی گنج۔ کلکٹر گنج۔ کرنل گنج۔ جنرل گنج چوک وغیرہ یہاں دریا کے گھاٹوں تک پکی سڑک بنی ہوئی ہے تھوڑی دور پر گھاٹ کے عین سامنے ایک مندر ہے جس میں بہت سی مورتیں وغیرہ بنی ہوئی ہیں لوگ اشنان سے واپس آکر یہاں درشن کرتے ہیں اور صبح کو بڑی رونق رہتی ہے اس کے احاطے میں بہت سے بساطی اور سبزی فروش بیٹھتے ہیں شہر میں ایک جینیوں کا مندر بھی قابل دید ہے جس میں کانچ کا بہت نفیس کام ہے۔

۱۹ ربیع الثانی - ۲۴ فروری - ۲۲ فروردی پنجشنبہ

گیارہ بجے دو موٹریں بندیل کھنڈ کمپنی واقع صدر بازار جھانسی سے بکرایہ منگا کر ایک میں بچوں کو ہوا خوری کے لئے روانہ کیا اور دوسری موٹر میں سید برہان کو لیکر فرس فوٹو کمپنی میں گیا وہاں سے

ایک اور شاپ میں ہوتا ہوا سوا بارہ بجے اسٹیشن پر آ گیا اور کھانے سے فارغ ہو کر قیلولہ کیا۔ ساڑھے چھ بجے کی ٹرین میں غبار صاحب بھی باقیماندہ لوگوں کو لیکر جو کانپور میں رہ گئے تھے آ گئے۔ چونکہ آج دن ہی کو مسٹر کارنش کے ذریعہ سے سیلون کا انتظام ہو چکا تھا میں نے اپنے سیلون بدل لئے تھے۔

غبار صاحب اور صدیق حسن صاحب کے آ جانے پر سامان گاڑی میں رکھا گیا اور ساڑھے آٹھ بجے شب کے ہماری گاڑی روانہ ہو کر ساڑھے چھ بجے بھوپال کے اسٹیشن پر پہنچی میرے سیلون سائڈ نگ میں رکھے گئے۔

۲۰ ربیع الثانی۔ ۲۵ فروری ۲۳ء فرور دی جمعہ

میں نے منتظم پیشی کو حکم دیا کہ رامچند ر پرشاد کو جو علیل ہیں دو آدمی ساتھ دیکر بلدہ کو روانہ کر دیا جائے۔ چنانچہ اسی گاڑی میں جس میں میں آیا تھا ان کو روانہ کیا گیا۔ بارہ بجے کی ٹرین میں سید امام (شاگرد پیشہ) کو بھی روانہ کر دیا گیا۔

میرے آنیکے ایک گھنٹہ بعد کرنل مرزا کریم بیگ صاحب رسالدار آئے۔ چونکہ میں پلیٹ فارم ہی پر ٹہل رہا تھا ان سے ملاقات کی انھوں نے ہز ہائنس بھوپال کو میرے آنیکی اطلاع دیدی اور

ہز ہائنس نے اپنے عام اخلاق اور شاہ نوازی کی صفت سے کام لیکر میر لیاقت علی ایم۔ اے، ایل، ایل۔ ڈی، اسسٹنٹ ریونیو منسٹر کو میرے پاس بھیجا اور دعوت کا پیغام دیا جس کو میں نے شکریہ کیساتھ معافی کی خواستگاری پر محمول کیا بہت دیر تک میر صاحب موصوف باتیں کرتے رہے۔ نہایت سنجیدہ۔ ذیعلم۔ ذی لیاقت اور ادا شناس زمانہ ہیں میں نے ایک کتاب سیر پنجاب بھی اُن کو ہدیۃً دی۔

محمد صدیق حسن منتظم انگریزی کو حکم دیا کہ ایک تار محمد معصوم علی صاحب ناظم عدالتِ اسٹیٹ پشیکاری کو دیدیا جائے کہ وہ منماڑ پر آکر مجھ سے ملاقات کریں اور دوسرا تار صدر ناظم صاحب اسٹیٹ پیشکاری کو دیں کہ آج ہم بھوپال پہنچے اور آج ہی شام کو یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔

چار بجے شام کے محمد وہاج الدین حیدر جو ڈپٹیل سکرٹری ریونیو منسٹر آئے میں نے ان سے ملاقات کی نہایت خلیق، ملنسار اور لایق آدمی ہیں نظم کا بھی شوق ہے۔ عمر خیام کی رباعیات کا اردو نظم میں ترجمہ کر رہے ہیں دو چار رباعیاں سنائیں۔ مذاق بہت اچھا ہے۔ تصوف کے بھی دلدادہ ہیں۔

(۵ بجے شام کے کھنڈویکو روانہ ہونیوالی ٹرین میں ہمارے

سیلون اٹاچ کیے گئے ابھی گاڑی روانہ نہ ہوئی تھی کہ کرنیل مرزا کریم بیگ رسالدار معہ چند فوجی افسروں کے خدا حافظ کہنے کو آئے میں نے کرنیل صاحب کو اپنی ایک تصویر دی۔ پانچ بجے ہماری گاڑی روانہ ہوئی۔

بھوپال

شہر بھوپال ریلوے لاین کے کنارے اسی نام کی ریاست کا دار الخلافہ ہے جس کی آبادی بہت قدیم ہے اس کی بنیاد راجہ بھوج نے قائم کرکے بھوجپال اس کا نام رکھا جو رفتہ رفتہ بھوپال بن گیا۔ اس وقت فرمانروائے ریاست ہز ہائنس نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ ہیں جو اصول حکمرانی کی اعلیٰ صفتوں سے متصف ہیں۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں یہ تخت نشین ہوئی ہیں۔ فرمانروائی کا بار آپ اُٹھائے ہوئے ہیں۔ ہز ہائنس نے ملکی معاملات میں جس قابلیت اور جفاکشی سے کام کیا ہے اور ہندوستان کے مختلف حصوں سے جن چیدہ چیدہ اور مدبر عہدہ داروں کو ہر محکمہ میں متعین فرمایا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔

ایک عرصہ تک ریاست کی توجہ صرف علوم مشرقیہ کی تعلیم

منحصر تھی مگر ہز ہائنس نے اپنی روشن دماغی سے علوم قدیمہ کے علاوہ علوم جدیدؐ کی تعلیم کو بھی ضروری سمجھکر اس طرف توجہ فرمائی ہے۔ مدارس کے باضابطہ اور نتیجہ خیز انتظام پر آپ کا بہت خیال ہے ایک ہائی اسکول عام لوگوں کے واسطے اور دوسرا ہائی اسکول صرف رئیس زادوں کے واسطے ہے۔ تعلیم نسوان پر آپ کی توجہ بالخصوص مبذول ہے۔ لڑکیوں کا ایک مدرسہ قایم کیا گیا ہے۔ علیگڑھ کے زنانہ نارمل اسکول کی سرپرستی قبول فرماکر اس میں معتدبہ رقم سے مدد دی ہے۔

ہز ہائنس کے تین لایق۔ مدبر فرزند ہیں جن میں صاحبزادہ نواب محمد عبیداللہ خاں بہادر جنرل شاد لنواز ہیں (ان کے اوصاف قیام بمبئی کی تاریخ۔ (۲۲ ربیع الاول ۲۸ جنوری) میں لکھے جا چکے ہیں)۔

۲۱ ربیع الثانی۔ ۲۶ فروری۔ ۲۴ فروردی شنبہ

ساڑھے چھ بجے صبح کے ہماری گاڑی کھنڈوا اسٹیشن پر پہنچی سائڈنگ میں ڈبے ٹھیرائے گئے۔ شب کے بارہ بجے تک آج مجھے یہاں قیام کرنا ہے۔

شام کے پانچ بجے ٹہلتا ہوا اسٹیشن پر آیا یہاں غبار صاحب

صدیق حسن صاحب موجود تھے دیر تک اُن کے ساتھ چہل قدمی
کرتا رہا کھنڈوے کا اسٹیشن کوئی پرفضا نہیں ہے ایک معمولی
اسٹیشن ہے جب میں چہل قدمی کر رہا تھا۔ ایک شخص گھسیٹا خاں
نامی نے آکر سلام کیا دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ گانیوالا ہے
دو گھڑی تفریح کے لئے اس کو اپنے سیلون تک گھسیٹا۔ دہلی کا
باشندہ ہے مگر چار برس سے اورنگ آباد میں اپنا قیام ظاہر کرتا ہے
گانا سنا معمولی گانا گاتا ہے ضعیفی کے باعث آواز کمزور ہے
کچھ انعام دیدیا گیا۔

سات بجے کی گاڑی میں میں نے اپنے میز خانے کے
ملازمین کو روانہ کر دیا کہ وہ منماڑ میں کھانا تیار رکھیں۔ شب کے
بارہ بجے ہمارے ڈبے منماڑ آنیوالی ٹرین میں اٹیچ کئے گئے اور
ہم منماڑ کو روانہ ہوئے۔

۲۲ ربیع الثانی۔ ۲۷ فروری۔ ۲۵ فروردی یکشنبہ

بارہ بجے دن کو ہم منماڑ پہنچے پلیٹ فارم پر میر معصوم علی صاحب
ناظم عدالت اسٹیٹ پیشکاری موجود تھے میں نے اُن کو اپنے
سیلون میں بلوالیا۔ بعض حالات دریافت کئے ناظم عدالت نے
کھانے کا پہلے سے انتظام کر رکھا تھا اور میرا خاصہ بھی تیار تھا

کھانے سے فارغ ہو کر قیلولہ کیا۔ ناظم صاحب عدالت کے ذریعے
اسٹیشن ماسٹر ڈھونڈ کو ایک فیاضی کیا رج کے اسٹیشن پر تیار رہنے کیلئے
تار دیا گیا۔ حسن اتفاق سے بابو گیا پرشاد صاحب وکیل ہائیکورٹ بھی جو
میرے مشیر قانونی ہیں اسٹیشن پر موجود تھے ان سے ملاقات کی۔
طبیعت حاضر تھی ایک ٹھمری لکھی جو ہدیۂ ناظرین ہے۔

ٹھمری

گوریا تورے جوبنوا کے واری

کھیلت ہے سب سکھین سنگ		وہ بھی بانجھ اور گھماری

گوریا تورے جوبنوا کے واری

پیت کرے میں پچھتائی		شام نے ہاتھ پکر بٹھیاری

گوریا تورے جوبنوا کے واری

آگے آگے مکند مُراری		پاچھے پاچھے ڈکیا ہماری

گوریا تورے جوبنوا کے واری

شاد پیا نے مورے سب کاج		رچ رچ جوبن مانگ سواری

گوریا تورے جوبنوا کے واری

آٹھ بجے شب کے ڈھونڈ کو روانہ ہونیوالی ٹرین میں سیلون

اٹیچ کئے گئے تین بجے شب کے ہماری گاڑی ڈھونڈ کے
اسٹیشن پر پہنچی سیلون سائڈنگ میں ٹھہرائے گئے -

۲۳ - ربیع الثانی - ۲۸ - فروری - ۱۹۰۵ فروردی دوشنبہ

حسبِ معمول حوائج ضروری سے فارغ ہو کر ٹہلتا ہوا اسٹیشن پر آیا اسٹیشن ماسٹر محمد معصوم علی صاحب - نجار صاحب - صدیق حسن صاحب - ثاقب صاحب - پلیٹ فارم پر موجود تھے - قیام گاہ جس کے لئے کل تار دیا گیا تھا - معائنہ کی اسکو بھی اپنے سیلونس میں شریک کر لیا گیا اور بچوں کو ساتھ لیکر پلیٹ فارم پر چہل قدمی کرتا رہا - یہاں بھی دو تین ٹھمریاں لکھیں جو ہدیۂ ناظرین ہیں -

ٹھمری

ناتھ انا تھن کی رکھ لو لاج
گاؤں کے لوگ لگائی بیری میت میں جاؤں کس کو
بیت کرکے مین بچائی دیت دھائی تمری مہاراج
ناتھ انا تھن کی رکھ لو لاج
سب سوارتھ کے ساتھی کوئی نہ جانے میں ہوں کون
شاد کی بنتی اتنی سن لو بانہہ گہے کی تمہیں کو لاج
ناتھ انا تھن کی رکھ لو لاج